اصحابِ احمدؑ

جلد چہار دہم

سیرت

حضرت مولوی حسن علیؓ صاحب بھاگلپوری

الناشر

احمدیہ بک ڈپو۔ دارالرحمت شرقی۔ ربوہ (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

اصحاب احمدؑ

جلد چہاردہم

بابت حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی بھاگلپوری

مؤلفہ

ملک صلاح الدین صاحب ایم اے

بار اول - طبع سنہ ۱۳۵۰ ہش جنوری سنہ ۱۹۷۱ء قیمت -/۴ روپے

تعداد ایک ہزار لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور

فہرست عنوانات اصحاب احمد جلد چہار دہم

سوانح حضرت مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ عنہ بھاگلپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

عرضِ حال

الحمد للہ حمداً کثیراً کہ خاکسار اصحاب احمد جلد چہاردہم میں بہار و بنگال کے اوّلین صحابی واعظ اسلام حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے سوانح پیش کرنے کی توفیق پا رہا ہے۔ آپ نے منشاء الٰہی کے مطابق دنیوی علائق سے انقطاع اختیار کر کے واعظِ اسلام کے طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں سات سال کا طویل عرصہ خدمتِ اسلام کی۔ اسلامی مدارس اور یتیم خانے قائم کئے۔ سینکڑوں غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اور ہزاروں مسلم نوجوانوں نے آپ کے زیرِ اثر اپنی اصلاح کی۔ آپ شہرت کے بام عروج پر تھے کہ آپ نے عزت و نمود اور شہرت کو قربان کر کے حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور پھر کفر کے فتاویٰ برداشت کئے۔ اور تبلیغ احمدیت میں مستغرق رہے۔ حضور علیہ السلام آپ کو بطور مبلّغ احمدیت انگلستان بھجوانا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کی عمر نے وفا نہ کی۔ حضور نے آپ کو تقی، نقی اور یکے از اصفیاء قرار دیا ہے نیز ۳۱۳ خاص صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حمایتِ احمدیت میں آپ کی تالیف "تائید حق" کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مطالعہ کرنے لگے۔ تو اسے ختم کر کے ہی سوئے۔ اور آپ نے آپ کے جذبۂ تبلیغ کی تعریف و توصیف کی اور حضور علیہ السلام کے لئے آپ کو شاہد قرار دیا۔

اس میں مصلحتِ الٰہی ہو گی کہ اس کتاب کا مسودہ خاکسار نے دو ماہ قبل بھجوایا تو مکرم مینیجر صاحب احمدیہ بکڈپو، دارالرحمت ربوہ کو نہیں پہنچا۔ اب چند دن میں دوبارہ

تیار کر کے بھجوا رہا ہوں۔ بحمد للہ یہ پہلے سے بہت بہتر خاکسار کو معلوم ہوتا ہے۔

آئندہ جلدوں میں بہار کے دیگر تمام صحابہ کے حالات مرتب کرنے کا ارادہ ہے نیز بعض دیگر ۳۱۳ صحابہ کا۔ اِن سب کے کام کا اکثر حصہ تکمیل پا چکا ہے۔ اصحاب احمد کے کام کی تکمیل کی توفیق پانے اور اس کام میں تعاون کرنے والے احباب یعنی حضرت میاں عطاء اللہ صاحب وکیل ؓ سابق امیر جماعت راولپنڈی کی اولاد اخویم ڈاکٹر محمد طاہر صاحب مقیم ریاست ہائے متحدہ امریکہ و اخویم رشید ظفر میاں صاحب مقیم کینیڈا داہل بیت حضرت میاں صاحب۔ نیز اخویم چوہدری محمد صدیق صاحب ایم اے (انچارج خلافت لائبریری و صدر عمومی ربوہ) اخویم مرزا فتح دین صاحب (سپرنٹنڈنٹ نظارت بیت المال) ربوہ اور عم زاد برادر ملک مبارک احمد صاحب ارشاد (ایڈیشنل سیکرٹری تحریک جدید جماعت کراچی) کے لئے بھی درخواستِ دعا ہے۔

واللہ المستعان، ھو نعم المولیٰ ونعم النصیر

یوم الجمعہ
بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ
(مطابق ۲۰ نبوۃ ۱۳۴۹ ہش
۲۰۔ نومبر ۱۹۷۰ء)

والسلام
خاکسار
ملک صلاح الدین
وکیل المال و سیکرٹری تحریک جدید انجمن احمدیہ
و رکن وقف جدید انجمن احمدیہ قادیان

مولوی حسن علی صاحب رضؓ

مختصر تعارف

حضرت مولانا حسن علی صاحب ولد محمد علی صاحب (ولادت ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۲ء بمقام بھاگل پور۔ وفات فروری ۱۸۹۶ء) فطرتاً بہت ذہین تھے آپ نے عربی فارسی اور اردو سیکھی۔ بوجہ مذہبی رجحان الف۔ اے سے تعلیم ترک کر دی اور مذہبی تحقیقات میں سرگرداں رہے۔ پھر پٹنہ میں نارمل سکول کے ہیڈ ماسٹر متعین رہے۔ آپ کو ہندی اور بنگلہ زبانوں میں بھی مہارت حاصل تھی۔ کچھ عرصہ "بہار بندھو" وغیرہ اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔ آپ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔

ایک درویش صفت بزرگ سے مذاکرات سے آپ کے قلب صافی نے جِلا پایا اور آپ اسلام پر پوری طرح عامل ہو گئے۔ آپ رفاہ عام کے کاموں میں شرکت کرتے تھے۔ پٹنہ کے رفاہِ عام سے متعلق ہر جلسہ میں آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لئے آپ نے بے حد جدوجہد کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو "خادم المسلمین" کے خطاب سے نوازا۔ اور ہدایت خداوندی کی تعمیل میں آپ نے مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری اور دیگر دنیوی مشاغل ۱۸۸۶ء میں ترک کر دیئے۔ تا بقیہ عمر بطور واعظِ اسلام ہندوستان بھر میں وعظ کرتے ہوئے اور ایک رسالہ "نور الاسلام" جاری کر کے بسر کر لی۔ قوم نے آپ کو "شمس الواعظین" کا لقب عطا ہوا۔ اور سات سال تک ہندوستان کے طول و عرض میں آپ نے وعظ کا سلسلہ جاری رکھا۔ انگریز گورنر مدراس نے ایک ایسے جلسہ کی صدارت کی۔ کئی سو ہنود نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اور دو ہزار سے زائد مسلم طلباء نے آپ کے ذریعہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کی۔ متعدد اسلامی مدارس اور یتیم خانے قائم کئے اور غیر معمولی نصرت الہٰی آپ کے شاملِ حال رہی۔ بعض افراد آپ کو مجدد خیال کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام حیدر آباد نے قرار دیا کہ بطور مبلّغِ اسلام انگلستان بھجوایا جانے کے لائق ہیں اور اس کے لئے ہزاروں روپیہ جمع ہوا۔ لیکن وہاں کے ایک نو مسلم کے منشاء کے مطابق آپ کا بھجوایا جانا ملتوی ہوا۔ بطور واعظ کام شروع کرنے پر آپ نے معقول ماہوار آمد ترک کرنا تھی۔ آپ کو اللہ تعالےٰ

نے ایسی صالحہ رفیقۂ حیات عطا کی تھی کہ جس نے اس نیک کام کی خاطر ہر عسر و تنگی کو برداشت کرنے کا یقین دلایا۔ ابتداء میں بہت تنگی ہوئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی کے سامان پیدا ہو گئے

آپ کی شدید تمنا تھی کہ کسی شیخ کامل کے ذریعہ روحانی برکات پائیں۔ چنانچہ آپ نے ایک بزرگ کی بیعت کی اور ساتھ ہی آپ کو اس بزرگ کا خلافت نامہ بھی عطا ہوا۔ ۱۸۹۳ء میں بمقام لاہور انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ کی ملاقات علامۂ دہر حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح اولؓ) سے ہوئی۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی۔ اس بیان سے حضرت مولوی حسن علی صاحب بہت متاثر ہوئے مگر ان کی ترغیب کے باوجود اس بار آپ قادیان نہیں گئے۔ بعدہٗ مدراس کے حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب نے آپ کو آمادہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب کو دیکھیں اور بتائیں آیا وہ صادق ہیں۔ اس پر دونوں ۲ر جنوری ۱۸۹۴ء کو قادیان پہنچے۔ سیٹھ صاحب تو اولین ملاقات میں ہی حضور کے ہزار جان عاشق ہو گئے مولوی حسن علی صاحب قبل ازیں قادیان میں ۱۸۸۷ء میں حضور سے ملاقات کر چکے تھے۔ لیکن اب آپ نے حضور کو سر تا پا نور پایا اور حضور کی تصانیف کا مطالعہ بھی کیا اور اس یقین پر پہنچ گئے کہ حضور ہی مجددِ زمان ہیں۔ جن کی تلاش تھی۔ چنانچہ آپ نے ۱۱ر جنوری ۱۸۹۴ء کو بیعت کر لی "انجام آتھم" میں تین سو تیرہ صحابہ میں آپ کا نام مرقوم ہے۔ اور حضور نے آپ کو انگلستان میں بطور مبلغ و مجاہد بھجوانے کے لائق سمجھتے ہوئے اپنی جماعت کو آپ کے ایک دو معاون اور رقم فراہم کرنے کی تلقین کی تھی اور آپ کو تقی۔ زکی۔ اور برگزیدہ قرار دیا تھا لیکن افسوس کہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ ۴۲ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ وفات کے قریب آپ نے تائید احمدیت میں آپ نے ایک کتاب "تائید حق" تالیف کی تھی۔ جو اس وقت تک چار مرتبہ طبع ہو چکی ہے اس کی بلند شان اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ نے اس کا مطالعہ کیا تو جب تک اسے ختم نہ کر لیا اس وقت تک سوئے نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ آپ کو حضور علیہ السلام کے لئے شاہد قرار دیتے ہیں۔[1]

---

[1] آپ کی سوانح کے ماخذ یہ ہیں:۔
۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی "تالیف" نور الحق" حصہ دوم اور کتاب انجام آتھم و دیگر لٹریچر سلسلہ احمدیہ
۲۔ آپ کی تصنیف "تائید حق"
۳۔ بعض صحابۂ بہار یعنی حضرت سید وزارت حسین صاحب ساکن اورین سابق امیر صوبائی بہار و [illegible]
(باقی حاشیہ ص ۵ پر)

حالات تعلیمی و خاندانی مولوی علی احمد صاحب کی زبانی

حضرت مولوی علی احمد صاحب ایم اے بھاگلپوری رضی اللہ عنہ نے اپنے حالات میں ۱۳۳۰ہش (۱۹۵۱ء) میں "بہار کی (اس) ایک بڑی مسلم شخصیت" کے بارے میں رقم فرمایا:۔

"اس شخصیت سے میری مراد حضرت مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے یہ بزرگ بھاگلپور شہر میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو جہالت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴ :— اور یونیورسٹی ایم اے پی ایچ ڈی۔ صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی و سید فضل احمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس حال متعین پٹنہ۔ اس وقت عمر اٹھاسی سال۔ بحوالہ الفضل ۲۶ اگست ۱۹۴۲ء ص ۲ وغیرہ۔ آپ نے حضرت مولوی صاحب کو حضرت مولوی عبدالماجد صاحب کو تبلیغ احمدیت کرتے سنا تھا۔ ۳۔ حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری ایم اے (وفات بتاریخ ۲۲/۶/۵۷ مدفون مقبرہ خاص ربوہ) آپ نے حضرت مولوی صاحب ہی سے ابتداء میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر سنا تھا۔

۴۔ آپ کی ادبی تخلیقات کے بارے میں جناب پروفیسر سید حسن صاحب ڈائرکٹر و پروفیسر فارسی، عربی۔ ورپشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کا تحقیقی مقالہ

۵۔ آپ کی برادر زادی محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ مقیم احمدیہ بلڈنگ بھاگلپور سے حاصل کردہ معلومات جب خاکسار وہاں بطور وکیل المال تحریک جدید مئی ۱۹۶۸ء میں دورہ پر گیا تھا۔ نیز معلومات حاصل کردہ از محترم خان بہادر مولوی محمد صاحب مرحوم ایم اے ایل ایل بی ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدراس۔ (جو حضرت مولوی صاحب کے برادر زادہ ہیں) جب کہ خاکسار بطور نائب وکیل المال وہاں نومبر ۱۹۶۷ء میں دورہ پر گیا تھا۔ خاکسار کے استفسار پر آپ چند لمحات میں آپ کا ایک قلمی مکتوب مرقومہ ۲۴ مئی ۱۸۸۶ء لے آئے۔ جو خاکسار نے چند دن میں پوری طرح پڑھ کر نقل کر لیا۔ کچھ تو طرز تحریر ایسی تھی کہ پوری طرح پڑھنا مشکل تھا اور کچھ اسکی روشنائی مدھم پڑ چکی تھی۔ اور میں دوبارہ بطور وکیل المال دورہ پر اپریل ۱۹۷۰ء میں مدراس جانے پر زبانی اور اس سے قبل و بعد بذریعہ خط وکتابت بعض دیگر احباب اس خط کو عارضی طور پر حاصل کرنے کی کوشش خاکسار نے کی تا اس کا فوٹو لیا جا سکے۔ لیکن جناب مولوی محمد صاحب بتاتے تھے کہ یہ مکتوب مل نہیں رہا۔ گویا قریباً ساڑھے اکاسی سال محفوظ رہا اور ہلاک ہو کر گویا ضائع ہو گیا اور اسکی نقل محفوظ ہو گئی۔ اور خاکسار کے استفسار پر جناب مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس سے قبل کسی نے یہ مکتوب طلب کیا نہ نقل کیا حضرت مولوی صاحب نے اس مکتوب کے آخر میں اپنے بھائی (والد ماجد مولوی محمد صاحب مکتوب الیہ) کو تحریر فرمایا "میرے اس خط کو حفاظت سے رکھنا ایک وقت ایسا آئے گا جب اس کی ضرورت ہو گی۔"

الحمد للہ کہ یہ غیب جو آپ پر ظاہر کیا گیا تھا خاکسار کے ذریعہ پورا ہوا۔ ثم الحمد للہ

بے دینی اور شرک اور بدعت۔ فسق و فجور و پابندیٔ رسوم ہندوانہ میں خاص طور پر بدنام تھا۔ شاید حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر

گُہَر آری طفلے زِ بُت خانہ
گُنی آشنائے زِ بیگانہ

اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

شکر از نے، میوہ از چوب آوری
از منیٔ مردہ بتِ خوب آوری

انہیں کے حق میں کہا تھا۔ بزرگ موصوف انٹرنس پاس کرنے کے بعد کلکتہ کے ایک کالج میں داخل ہوئے۔ ابھی فرسٹ ایر میں ہی تھے کہ بابو کیشب چندر سین کی جو کہ برہمو سماج کے اولین رہنماؤں میں سے اور ایک لاثانی خطیب تھے۔ طلاقتِ لسانی اور خطابت کا غلغلہ بلند ہوا۔ مولانا حسن علی صاحب کو جو اس وقت آغازِ شباب میں تھے، قدرت کی طرف سے سوچنے والا اور فکر کرنے والا اور فوراً حقیقت تک رسائی پا جانے والا دماغ عطا ہوا تھا اور جن کو ان کے سکول کے ہیڈ ماسٹر جب کہ حضرت ابھی نیچی جماعتوں میں پڑھتے تھے۔ انسپکٹر ان سکول سے یہ کہہ کر ملاتے تھے کہ ایک عجوبۂ روزگار اور فلسفی لڑکا میرے سکول میں پڑھتا ہے۔ بابو صاحب موصوف کی آتشیں اور برقی اثر تقریروں سے بہت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ برہمو سماج میں داخل ہوئے۔ اور تحصیل علم کے کام کو چھوڑ کر دن رات یادِ الٰہی میں مگن رہنے لگے۔ اسی حال میں ان کی دُور اندیش والدہ نے ان کی شادی بھاگلپور بلا کر دی۔ شادی کے بعد فکرِ معاش نے انہیں پٹنہ پہنچایا۔ وہاں نارمل ٹریننگ سکول کی ہیڈ ماسٹری کا معزز عہدہ انہیں مل گیا۔

"اس زمانہ میں دو درویش صفت رئیس یعنی قاضی سید رضا حسین صاحب مرحوم اور شمس العلماء سید محمد حسین صاحب مرحوم زندہ تھے اور ان کے ہاں قرآن مجید اور مثنوی مولانا روم کا روزانہ درس ہوا کرتا تھا۔ دورانِ درس میں اسلامی مسائل پر بحثیں ہوتی تھیں اس درس میں مولانا ممدوح بھی باقاعدہ شریک ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر شکوک ان کے دل میں اسلام کے متعلق برہمو سماج نے پیدا کر دیئے تھے ایک ایک کر کے رفع ہو گئے۔ اور وہ صدقِ دل سے علیٰ وجہ البصیرۃ، نہ تقلیدِ آباء کی بناء پر مسلمان ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ایسے مسلمان ہونے کا کیا لطف ہے۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے۔ اور نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن جاویں۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دینے کی ٹھان لی۔

ہر چند ان کے خیر خواہوں اور دوستوں نے انہیں اس سے روکا۔ لیکن وہ نہ رُکے پر نہ رُکے البتہ اپنی بیوی سے جن کی کفالت ان پر فرض تھی مشورہ کیا۔ بیوی بھی ایسی نیک خاتون تھیں کہ وہ اس بات پر راضی ہوگئیں اور مولانا نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی نوکری پر جو اس زمانہ کے پانچ چھ سو روپیہ کے برابر تھی اور جس میں آئندہ ترقی کی امیدیں تھیں لات مار کر اور اپنی ساری دنیوی ترقیات کی امیدوں پر پانی پھیر کر استعفیٰ داخل کر دیا۔ اور درویشانہ زندگی اختیار کرتے ہوئے ایک واعظ و مبلغِ اسلام کا کام کرنے لگے۔"

آپ کی کہانی آپ کی زبانی

آپ کے خاندانی کوائف آپ کی قلم سے سنیے فرماتے ہیں:۔

"اے ناظرین! اس کمترین کی حالت عجیب و غریب ہے میں حقیقت میں عجائباتِ عالم سے ہوں۔ اللہ مجھ کو ایک عجیب حیرت انگیز رحمت دکھلاتا رہا ہے۔ وہ خود میرا معلم بنا۔ اپنی رحمت و عنایات کو عجیب طور سے ظاہر کرتا رہا۔ میرے ہم وطن جب کبھی اس پر غور کرتے ہیں تو خدا کی قدرت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اکثر تو مولانا روم کا یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں ؎

شکر از نے ، میوہ از چوب آوری
از منی مُردہ بُتے خوب آوری

میری پیدائش بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۲ء مطابق ۸ محرم ۱۲۶۹ھ ہجری النبوی ایک ایسے شہر میں ہوئی جو جہالت و گمراہی میں ہندوستان کے سب شہروں پر غالباً سبقت لے گیا تھا۔ شرک و بدعت، کفر و ضلالت کا جیسا بازار یہاں گرم تھا کسی شہر میں نہ تھا۔ جس خاندان میں مجھ کو اللہ نے پیدا کیا وہ شرک و کفر، بدعت اور ہر قسم کی معصیت میں بے مثل تھا۔ جب میں نے اس جہان کو دیکھنا شروع کیا تو اپنی چاروں طرف گمراہی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ لیکن میری طبیعت میں نیک مزاجی اور ذہانت کو غیر معمولی طور پر دیکھ کر لوگوں کو ہمیشہ حیرت ہوا کرتی تھی۔ سارے خاندان میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ تھے سب نام کے مسلمان اور اسلام کی ہدایتوں سے کوسوں دُور۔ مجھ کو نہیں معلوم کس کی تحریک سے میرے رشتہ داروں نے مجھے مکتب میں بٹھا دیا۔ مکتب میں میری ذہانت کا شہرہ ہوا

اُس غیر معمولی ذہن کی وجہ سے تھوڑی بہت اُردو۔ فارسی۔ عربی سیکھی۔ پھر اسکول میں انگریزی پڑھنے لگا۔ ہر امتحان میں کامیاب ہوتا گیا۔ انعامات کے پانے میں سب سے بڑھا ہوا رہتا تھا۔ میرے کئی ساتھی سوا چند شریف طبیعت کے مجھ پر رشک اور حسد کیا کرتے تھے۔ یہ بلا ابھی تک میرے ساتھ ہے جب مرجاؤں گا تو اس بلا سے نجات ہوگی ؎

اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی"

"غرور فکر کا فطری مادہ تھا۔ انگریزی تعلیم نے اس کو اور بھی تیز کر دیا۔ دین کی باتوں کی طرف جب غور کیا تو ہزاروں اعتراض پیدا ہونے لگے۔ میں اُن بیرونی دشمنوں کے جن کا میں نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ سخت حملوں میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اگر خدا کی عنایت شامل حال نہ ہوتی تو میں کہاں سے کہاں چلا گیا ہوتا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد مجھ کو سخت بے چینی پیدا ہوئی اور کئی روز تک میرے دل سے از خود یہ دُعا نکلتی رہی کہ اے خدا! تو میری مدد کر اور میری روحانی تکلیف کو دُور کر۔ مصرعہ

ہم دُعا از تو اجابت ہم ز تو

خود مالک نے دعا کروائی اور خود قبول کی۔ ایک باخدا درویش سے ملاقات ہوئی۔ اُسکی ملاقات سے مجھ کو بہت بڑا فائدہ ہوا۔ اس بزرگ سے مجھ کو دو تین باتیں حاصل ہوئیں جس سے میں ابھی تک فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ سچی دعا کس کو کہتے ہیں، یہ میں نے عملی طور پر اُس سے سیکھا ہے۔ اللہ کے پاس رونا اور کلپنا بھی اُسی سے سیکھا ہے اور خدا کی رحمت و عنایت کا بیان اس زندہ دل درویش سے سُن کر، اس کے چہرے پر محبت کی جھلک دیکھ کر، اس کی محبت آمیز غزلوں اور گیتوں کو سُن کر میرے دل میں خدا کی محبت کا دانہ بویا گیا مجھکو ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ حیٌّ و قیوم ہر وقت میرے ساتھ ہے اور ہمیشہ اس کی عنایت میرے ساتھ ہے۔ خدا کی سچی محبت نے مجھ میں شفقت علی الخلق کا مادہ پیدا کیا۔ میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے جناب باری میں بہت الحاح و زاری کیا کرتا۔ اور اپنے کل ہم وطنوں کی حالتِ زار پر رویا کرتا تھا۔ الحمد للہ مہربان مالک نے میری دعاؤں کو قبول کیا اور میرے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اخلاقی حالت میں عجیب و غریب

تبدیلی کر دی۔ سوا ایک کے کوئی بھی ان میں نمازی نہ تھا لیکن الحمد للہ اب سات برس کی عمر کے لڑکے سے لے کر ستر اسی برس کے بڑھے تک پنجگانہ نماز کا پابند ہے اور سب کے سب گناہوں سے تائب نظر آتے ہیں۔ جہاں علم کا نام و نشان نہ تھا وہاں صبح کو ہر مکان سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آنے لگی۔ کس کس زبان سے اپنے مالک کا شکر ادا کروں۔ اس نے میری اتنی دعاؤں کو قبول کیا ہے کہ اگر میں ان کا شمار کرنا چاہوں تو ان شاء اللہ میں نہیں کر سکتا۔

" تصنیف کی خواہش میرے دل میں اسی وقت پیدا ہوئی جبکہ مجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب چھپتی کس طرح ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں میں نے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ ۱۸۷۲ء کی تصنیف کی ہوئی کتاب میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ جس کو دیکھ کر مجھ کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ خداوندا جب میں اتنا ہی تھا کہ مجھ کو مونچھ ڈاڑھی بھی نہیں نکلی تھی اسی وقت میں اپنے ہم وطنوں کے لئے روتا تھا اور ان کے ایمان کے لئے اور اخلاقی اصلاح کے لئے دعائیں کرتا تھا۔ عشق الٰہی کا مادہ مجھ میں اب تند آور ہوا کہ العلئے کا پڑھنا مجھ سے چھوٹ گیا۔ سرکار سے مجھ کو وظیفہ بھی ملتا تھا لیکن میں سب کو چھوڑ چھاڑ آزاد فقیر ہو گیا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ دو چیزیں میں نے پائی تھیں۔ خدا پر توکل اور دعا۔ بس یہ دو تو میرے بازو ہو گئے تھے ان دونوں بازوؤں کے ذریعے میں کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ بنظر تحقیقات و تجسس ہندو پنڈتوں کے ساتھ ملتا تھا۔ گرجا میں میں تھا۔ برہمو مندر میں میں تھا۔ شہر میں میں تھا۔ جنگلوں میں میں تھا۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب میرے ایمان کے بیڑے کو کسی کا خوف نہیں تھا۔ ایک برس تک میں سرگرداں پھرتا رہا۔ متفرق مذاہب کی سیر مجھے مالک نے اس لئے کرائی کہ اس کے علم میں میرے لئے واعظ کا کام مقدر تھا۔ الحمد للہ علی ذالک "

" ۱۸۷۴ء میں میں نے اپنے وطن شہر بھاگلپور میں ہی عقد شرعی کیا۔ نکاح کے بعد طلب معاش کی ضرورت ہوئی۔ پٹنہ شہر کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹری کا عہدہ ملا۔ غرض ۱۸۷۴ء میں میں پٹنہ میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے رہنے لگا۔ یہاں مجھ کو اس بزرگ سے ملاقات ہوئی جس کو صوبہ بہار کا ماہتاب کہنا بجا تھا مجھکو اس بات کا فخر ہے کہ جناب حاجی قاضی سید رضا حسین صاحب مرحوم و مغفور سا بے مثل عنایت فرما اور دوست اللہ پاک نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا جناب قاضی صاحب مجھ سے بہت راضی رہے۔ قاضی صاحب گو ظاہرا ایک زمیندار اور خوشحال رئیس تھے لیکن انہوں نے اپنی درویشی اور فقر کو بالکل چھپا رکھا تھا۔ قاضی صاحب کو علم عربی

میں اچھی لیاقت تھی۔ قرآن مجید اور مولانا رومؒ کی مثنوی سے اُن کو خاص محبت تھی۔ قرآن مجید کے درس کے لئے تو انہوں نے ایک خاص جلسہ جاری کر رکھا تھا۔ جناب قاضی صاحب نہایت ہی ذہین اور باریک فہم آدمی تھے۔ مجھ سے اور قاضی صاحب سے اکثر مسائل میں مباحثہ رہا۔ آخر ہوتے ہوتے جو اعتراض و شکوک میرے دل میں تھے سب ایک ایک کر کے میرے دل سے دُور ہوئے اور میں سچا اور پکا مسلمان ہو گیا۔ صوفیہ طریقہ کی ریاضتوں میں بھی قاضی صاحب سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا قومی ہمدردی کے کام بھی جو کچھ ممکن تھے میں اس زمانہ میں بھی کیا کرتا تھا۔ شہر پٹنہ میں رفاہ عام کا کوئی ایسا جلسہ نہ تھا جس میں میرا بیان نہ ہوتا ہو۔ کتابیں بھی میں نے بہتری تصنیف کیں جو سارے ہندوستان میں پھیلیں قوت فیصلہ، تحریک، سیر نبوی، وغیرہ اس زمانہ کی تصنیف ہیں۔ پٹنہ میں کئی اخبار کا ایڈیٹر بھی رہا۔" (تائید حق طبع اول صفحہ ۹)

روحانی انقلاب اور خدمت اسلام کے اسباب

"اسکول کی ملازمت میں رہنے سے اور قاضی صاحب کی صحبت پانے سے فائدہ تو ہوا لیکن میری محبت کا ولولہ جوش زمانے کے ساتھ تھا وہ بہت کم ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نماز کا بھی پورا پابند نہ تھا۔ پٹنہ میں میں ایک فلاسفر کی زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن اس قسم کی زندگی سے میں راضی نہ تھا۔ اندرونی پلیدی اور گناہوں سے خلصی پانے کا اضطراری جوش لاحقِ حال رہتا تھا ۱۸۸۶ء میں اللہ پاک کی عنایت خاص کا نزول ہوا میں تین دن اپنے گناہوں پر روتا رہا اور اللہ سے پکا عہد کیا کہ اب نماز پر پورے طور سے قائم رہوں گا۔ اور گناہوں سے تائب ہو گیا یہ زمانہ بھی ایک عجیب تبدیلی کا زمانہ گزرا ہے۔ میں ایسا بدلنے لگا کہ میرے ساتھیوں کو حیرت تھی ؎

رحم کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

گناہوں سے پاک ہو جانے اور رات دن ذکر الٰہی میں مشغول ہونے سے اور سچ پوچھو تو اللہ تعالےٰ کی خاص عنایت کی وجہ سے دل میں شوق ہوا کہ ایسی کتابیں تیار کروں کہ جن میں اس طور سے اسلام کی خوبیاں لکھی جائیں کہ جس سے مغربی تعلیم و جدید فلسفہ کے بداثر سے بچ کر مسلمانوں کے نوجوان تباہ ہونے سے محفوظ رہ جائیں۔ پہلی کتاب "معراج المومنین" لکھی۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ میں خدا کا کس زبان سے شکر کروں۔ انجمن حمایت اسلام کی درسی کتابوں میں اس کا انتخاب درج ہے۔ بنارس میں ایک صاحب نے اس کو چھاپ کر تقسیم کیا۔ بنگلور میں اسمٰعیل سیٹھ صاحب نے چھپوا کر مُفت تقسیم کیا۔ نماز پنجگانہ کی خوبیاں اس رسالے میں کچھ اس طرز سے

اللہ نے مجھ کو سمجھایں کہ بہت سے بے نمازی اس کو پڑھ کر نمازی ہو گئے۔

۱۹ فروری ۱۸۸۶ء کو مغرب کے وقت یکایک اللہ جلّ شانہٗ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب تو اسکول کی ملازمت سے دست بردار ہو جا اور باقی عمر واعظِ اسلام کی حیثیت میں بسر کر۔ پس میں نے اس ہدایت ربانی کے بموجب ہیڈ ماسٹری سے استعفا پیش کر دیا۔ سکول کمیٹی کے سیکرٹری میرے شاگرد دوست تھے مجھ کو بہت سمجھاتے رہے۔ پٹنہ کے کئی شفیق دوست نہایت محبت سے مجھ کو ہدایت کرتے رہے کہ لگی نوکری کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ جو لگی روزی کو لات مارتا ہے وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوتا ہے لیکن میں ان پیارے دوستوں کو کیا کہتا۔ حالت یہ تھی کہ خدا ہی کی ہدایت سے خدا کے واسطے نوکری چھوڑتا تھا تو میں کیونکر دل میں یہ شک لاتا کہ اللہ میرے رزق کو تنگ کر دے گا۔" [1]

اس بارے میں ایک نادر مکتوب

اس سلسلہ میں آپ کا ایک نادر مکتوب درج کیا جاتا ہے صفائے باطن، طہارتِ قلب، تبتّل الی اللہ، فی سبیل اللہ انتہائی قربانی اور اس کی خاطر دنیوی علائق و وسائل سے انقطاع اور بے سروسامانی اختیار کرتے ہوئے حصولِ رضائے الٰہی کے لئے توکل علی اللہ، اس میں آپ کی صالحہ رفیقۂ حیات کا تعاون۔ آپ کے واعظوں کی تاثیر، تقرب الی اللہ اور ابتداء میں ہی اللہ تعالےٰ سے "خادم المسلمین" کا خطاب پانا۔ صغائر و کبائر سے محفوظ کیا جانا اس مکتوب سے یہ امور سامنے آتے ہیں:۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کے اسوہ حسنہ کی اقتدار نظر آتی ہے۔ آپ اپنے بھائی کو رقم فرماتے ہیں:۔

برادر عزیز منشی اقبال علی سلمہ اللہ تعالےٰ!

بعد دعائے ترقی حیات و درجات کے واضح ہو کہ تمہارا خط کلکتہ کا لکھا ہوا میں نے پایا بہت خوش ہوا انشاءاللہ بہت جلد تم مشاہرہ دار مترجم ہو جاؤ گے۔ اور فی الحال ٹھیکہ میں بھی تم کو قریب تیس روپیہ کے مل رہیگا میں امید کرتا ہوں کہ زمانہ گذشتہ نے جو سبق تم کو سکھایا ہے اس کا خیال کر کے تم ہمیشہ کفایت شعاری محنت اور جفاکشی کی عادت کو ترک نہ کرو گے اور اپنے فرضوں کو بھول نہ جاؤ گے۔ اگر تم کو اس کام کا زور دار خیال بہ تمام رہے گا اور حق پرستی پر قائم رہو گے اور دن بھر میں صرف پانچ دفعہ نماز پڑھ لیا کرو گے تو خدا تم سے راضی رہے گا اور تم خدا سے تعالےٰ ...

مولوی غلام نبی خان صاحب مختار ہائی کورٹ ۱۲ ولی اللہ لین ... سٹریٹ ... میرے بیٹے ... ہیں ان سے ضرور ملاقات کرو۔ مکان وغیرہ کے بارے میں وہ صلاح نیک دیں گے۔ اور مولوی ابوالحسن خان صاحب بارسٹرایٹ لا مچھوا ٹولی ہیں ان سے بھی ملاقات کرو۔ غرض لوگوں سے ملاقات کرنے سے کوئی راہ نکل آئے گی۔ حتی الوسع ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ جس میں تم کو کرایہ کا مکان نہ لے کر اور اپنا کھانا ... وہاں نہ پکے

---

[1] حیات سرحق طبع اول ص ۴۵ و ۴۶

کلکتہ میں صرف کثیر ہوتا ہے اگر اس جانب کوشش کرو گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے فی الحال اگر کسی بھلے آدمی کے یہاں صرف رہنے کو مل جائے تو غنیمت ہے لیکن شرط بھلے آدمی کی ضرور ہے۔ خیر یہ سب تو دنیاوی تعلقات کے مطابق صلاح مشورہ دیا باقی سب ... خدا تعالیٰ جیسا مناسب ہوگا ضرور سامان کر دے گا۔ اس پر بھروسہ رکھو اور حسب الحکم اس کے ہاتھ پاؤں ہلائے جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے مصلحتاً تم سے کئی باتیں نہیں کہی ہیں ارادہ تھا کہ بوقت ملاقات کہوں گا لیکن ملاقات میں کچھ توقف معلوم ہوتا ہے اس لئے لکھتا ہوں۔

عرصہ چھ مہینے سے زیادہ ہوا کہ میری طبیعت یکایک خدا کی طرف لوٹ گئی۔ یہ تبدیلی بعد بعد بڑھتی گئی اس میں کسی کی صحبت کا اثر نہیں ہے اس تبدیلی میں خاص خدا کا ہاتھ ہے مجھ کو کوئی انسان نہیں بدلتا ہے بلکہ بعض دفعہ میرے ذریعے سے خدا دوسرے انسانوں کو بدل رہا ہے۔

شائد میرے خطوں سے اور رسالہ معراج المومنین اور نور الایمان وغیرہ کو دیکھکر تم بھی حس کرتے رہے ہو گے کہ میں کچھ بدلا جا رہا ہوں گا۔ اقبال ! میں ایک راہ میں چلا جا رہا ہوں مجھ کو خود نہیں معلوم کہ میں کدھر جا رہا ہوں اور آئندہ کیا ہوگا۔ لیکن خدا پر بھروسہ ہے کہ سب اچھا ہی ہوگا۔ صبح سے کر رات سونے کے وقت تک خدا کا خیال میرے دل میں بندھا رہتا ہے۔ جاگنا سونا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا سب میں خدا ہی خدا ہے میں ان باتوں کو دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں کہ اگر لوگوں سے کہوں تو ان کو ہرگز یقین نہ ہو۔

میرے لیکچر یا وعظ میں ایسی بہت بڑی تائید حق ہوتی جاتی ہے۔ سامعین نے تاڑ لیا ہے بونا جامع مسجد میں کبھی کبھی جمعہ کے دن جب پانچ سو آدمی کے قریب جمع ہوتے ہیں وعظ کہنے کا موقع مجھکو ملا ہے میرے وعظ سے سب کا دل ہل گیا ہے ایک عجیب اثر ہوا۔ میں نہایت خوش رہتا ہوں مجھکو خدا نے عنقریب کل گناہ کبیرہ وصغیرہ سے بچا لیا ہے۔ اسلام کی خوبیاں مجھ پر روز بروز کھلتی رہی ہیں خود جناب پیغمبر صلعم سے مجھ کو مدد پہنچتی ہے۔ بزرگان کی قبروں پر جب حاضر ہو کر فاتحہ پڑھتا ہوں اور ان کی روح سے کچھ پوچھتا ہوں تو صاف جواب ملتا ہے چنانچہ بہار مخدوم صاحب کے مزار پر گیا تھا۔ نیز ان کے والد کے مزار پر گیا تھا۔ چھپرہ ایک بزرگ آدمی کی ملاقات کو گیا تھا۔ ہر جگہ سے کچھ لے آیا۔ ایسی چیز لے آیا جس کو میں دیکھتا ہوں لیکن دوسرے صرف اس کا اثر مجھ میں پاتے ہیں۔

۶ر فروری ۱۸۹۶ء کو مغرب کے وقت مجھ ... کے خدا نے مجھ کو خادم المسلمین کا عہدہ عطا فرمایا۔ اور اب حکم ہوا ہے جس کو قریب ڈیڑھ مہینے کا عرصہ ہوا کہ کل نوکریوں کو چھوڑ کر واعظ کا کام کر اور اسلام کی خوبیوں کو جا بجا بیان کرتا پھر۔ مجھ کو بوجہ اپنی کمزوری اور نالائقی کے شبہ ہوا کہ تکلیف ہوگی اور تمہاری مدد اور ادائے قرض کے لئے کس طرح دس (۱۰) روپیہ ماہواری بھیج سکوں گا۔ اور اپنی بی بی کو کہاں سے کھلاؤں گا۔ اسی زمانہ میں تم نے ہائی کورٹ میں امتحان دیا۔ مجھ کو معلوم ہو گیا کہ تم پاس ہو گے اور تمہارے ہی ذریعہ سے والد مرحوم کا قرض سب ادا ہو جائے گا۔ میں نے اپنے گھر سے کہا کہ میں مشنری (واعظ)

اسلام مقرر ہوں۔ سب نوکریاں چھوڑ رہا ہوں۔ صرف خدا پر توکل اب میرا بھروسا ہے۔ تم میری عزت اور تکلیف کی ساتھی ہوگی رش... سے خدا اس کو اور زیادہ ایمان عطا فرماوے، میری غربت کو قبول کیا۔ قبل اس کے کہ تم پاس ہو۔ میں نے پہلے کل دنیاوی آقاؤں کو نوٹس دی کہ اب میں نوکر نہ رہوں گا۔ دوسرا آدمی رکھ لیجئے چنانچہ آجکل حکومت کے دوسرا ہیڈ ماسٹر مقرر ہوگا۔ اور میں اس کو چارج دے دوں گا۔

اوقات بسری کے لئے حکم ہوا ہے کہ ایک رسالہ ماہواری جاری کرو جس میں دینِ اسلام کی عمدہ باتیں لکھی جائیں ... سے سالانہ قیمت ایک روپیہ اور امرا اور رؤسا کے لئے کم از کم سالانہ قیمت ... روپیہ اور دلیوں سے زیادہ ... روپیہ۔ اور ہر شہر میں پھر کر رئیسوں سے ملاقات کرو۔ اور ان کو رسالہ کی خریداری پر آمادہ کرو مسجدوں میں۔ سکولوں میں وعظ کہو۔ چنانچہ رسالہ میگزین (MAGAZINE) اسلام جس کا نام نورِ اسلام ہوگا۔ ابتدائی رمضان المبارک سے جاری ہوگا۔ مجھکو نہیں معلوم کہ اس ماہواری رسالہ کے خریدار کتنے ہوں گے۔ اگر پانچ سو خریدار بھی کھڑے ہو گئے تو چالیس پچاس کا مشاہرہ مجھکو مل سکتا ہے اور اگر خریدار کم ہوں تو حاجت ... خدا خوب جانتا ہے کہ کیا ہوگا۔ پہلا نمبر رسالہ مذکور کا تمہارے پاس بھی بھیجوں گا۔

اپنے مشنری ٹور (سفر) میں کلکتہ بھی آؤں گا۔ اور دو[2] مہینے وہاں رہوں گا۔ اور کلکتہ کے مسلمانوں کو اسلام کی خوبیوں کو سمجھاؤں گا۔ اور رسالہ ماہواری کا خریدار بناؤں گا۔

اختر کو لازم ہے کہ میرے ساتھ پٹنہ میں رہے۔ پٹنہ میں ہیڈ کوارٹر ہوگا۔ ہم اس کو محمڈن اینگلو سکول سکول میں بھرتی کر دوں گا۔ یہ سکول اچھی طرح چل رہا ہے اس میں فی الحال ہزار روپیہ ماہواری مسلمان لوگ خرچ کرتے ہیں۔ نہایت لائق لائق ماسٹر مقرر ہوتے ہیں۔ پانچویں کلاس سے لے کر فرسٹ کلاس تک ہر فرسٹ لڑکے FIRST BOY کو تین چار پانچ روپیہ ماہواری کا وظیفہ بھی سکول فنڈ سے دیا جاتا ہے کیا عجب کہ اختر کو بھی اگر وہ کوشش کرے تو سکالرشپ مل جائے۔ العلم عند اللہ۔ تم سے اگر ہو سکے گا تو کچھ اختر کے خرچ تعلیم کے لئے بھیجنا۔ جو ساگ ستو میں کھاؤں گا وہ وہ بھی کھائیگا۔ اختر کے اخلاقی حالات کی اصلاح میرے یہاں رہنے سے اللہ چاہے تو ہوگی۔

اب میں نے تم سے جو باتیں کہنے کی تھیں کہہ دیں۔ میں ہرگز ان باتوں کو تم سے بھی نہ کہتا لیکن تم بوجہ ہونے میرے بھائی کے حق دار ہو کہ ان سب باتوں کو معلوم کرو۔ میرے اس خط کو حفاظت سے رکھنا۔ ایک وقت ایسا آوے گا جب اسکی ضرورت ہوگی۔ فقط

تمہارا عزیز بھائی حسن علی ملکہ لودی کٹرہ پٹنہ۔ بتاریخ ۲۱۔ مئی ۱۸۹۶ء[3]

... غبار ... ۔ بحوالہ ...)   [3] اس مکتوب کے بارے میں کچھ تذکرہ "مختصر تعارف" پر حاشیہ میں کتاب کے آغاز میں کیا ہے۔ "اختر" سے مراد جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم بہشتی مقبرہ قادیان آپ کے ہمشیرزاد ہیں اور ان کا ذکر آپ کی ازدواجی زندگی کے تعلق میں دوسری جگہ آتا ہے۔

ایک بزرگ کی بیعت

وعظ و اصلاح کے کارِ خیر میں مخالفت اور آپ کی تائید و نصرت و کامرانی کا ذکر کرنے سے پہلے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ قبولِ احمدیت سے قبل ایک بزرگ کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی تھی۔ اس بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"ابھی تک میں نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی۔ مکرمی جناب قاضی سید رضا حسین صاحب مرحوم و مغفور سے میں اکثر سوال کرتا رہا کہ حضرت بتلائیے تو سہی میں کس شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں تو قاضی صاحب مرحوم فرماتے رہے کہ جو وسیع نگاہ تیری تیز ہو گئی ہے اور اخلاقِ جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا جو اعلےٰ نقشہ تیرے دماغ میں پیدا ہو گیا ہے مجھ کو ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہندوستان میں کوئی شخص ایسا پایا جائے تو تیری نگاہ میں پورا پورا نائب رسول اللہ نظر آئے۔ اگر کسی شیخ میں تو نے علم توجہ کا بڑا کمال دیکھا بھی تو کیا اس سے تیرے دل میں اس کی کوئی عظمت و وقعت ہوگی۔ جس حال میں تو اس میں غیرتِ اسلامی، حمیتِ اسلامی کے جوش کو یکبارگی مُردہ دیکھے گا اگر کسی میں علمی کمال دیکھا اور اخلاقِ محمدی کا کوئی اثر نہ پایا تو ہرگز تو اس کو اپنا شیخ بنانے کے قابل نہ سمجھے گا۔"

"غرض قاضی صاحب مرحوم کے خیال میں میرے لئے کسی شیخ کا ملنا محال تھا۔ میں ان کی دلیلوں کو جس کا تھوڑا اختصار یہاں درج کیا جاتا ہے ...... (سمجھا) کہ ہیں بہت ضعف آمدہ لیکن دل ... کو بہت بے چینی تھی کہ خداوندا کیا کروں کیونکہ مجھ کو ایک شیخ کامل مل جاتا۔ جس کی توجہ باطنی سے میں منازلِ سلوک نہایت آسانی سے طے کرتا۔ جب میں تذکرۃ الاولیاء وغیرہ ایسی کتابوں کو پڑھتا تو نہایت صدمہ ہوتا دل میں کہتا کہ مسلمانانِ سابق کیسے خوش نصیب تھے کہ اُن کو شیخ کامل ملتے رہے۔ میں نہایت ہی بدقسمت ہوں کہ جدھر نظر اٹھاتا ہوں میدان صاف ہے۔ ہاں جا بجا لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ ایسے بزرگِ کامل رہتے تھے لیکن زمانہ ماضی سے کیا کام؟ کیا اگر کسی پیاسے سے یہ کہا جائے کہ فلاں جگہ ایک نہایت ہی شیریں کنواں تھا لیکن اب خشک ہو گیا ہے۔ تو کیا اس سے اس کی پیاس بجھ سکتی ہے!

"میں نمازوں میں ایک عرصہ دراز تک دعائیں کرتا رہا کہ خدایا مجھ کو کسی کامل ولی سے ملا دے جا بجا اس تلاش میں گیا بھی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک تکلیف مجھ کو اور بھی تھی۔ میرے وعظ کے دورے میں سارے ہندوستان میں گھومتا اور ملک بنگالہ میں خصوصاً وعظوں کو سن کر بہت سے مسلمانوں کا دل دنیا پرستی و نفس پرستی سے پھر جاتا۔ تو ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ میرے ہاتھ پر بیعت کریں چنانچہ ان مسلمانوں کی تعداد جنہوں نے اس خاکسار کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی دو ہزار سے بالا ہوگی۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اگر یہ بیعت کنندگان مجھ سے سوال کریں تیرا روحانی استاد کون ہے تو سوائے خدا کے میں کس کو بتاتا۔ عالم ظاہر میں مَیں نے کسی سلسلہ میں بیعت نہ کی تھی۔ میں نے اپنے مکرم دوست جناب

قاضی رضا حسین صاحب سے اس تکلیفِ دل کا بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک بزرگ کا نام بتاتا ہوں تم ان سے بیعت کر لو میں سفارش کر دوں گا وہ تم کو فوراً سندِ خلافت بھی دے دیں گے۔ غرض انہوں نے جناب حضرت سید شاہ عزیز الدین حسین صاحب قمری الوالعلائی کا نام بتایا۔ میں نے کہا بے شک سجادہ نشینوں میں ان کی ذات غنیمت ہے۔ عالی خاندان ہیں۔ سلسلہ بہت درست ہے۔ آدمی باخدا ہیں۔

"جب میں کٹک گیا تو جناب قاضی صاحب بیمار پڑے ہوئے تھے۔ حالتِ بیماری میں انہوں نے حضرت شاہ عزیز الدین صاحب کو بلا کر ساری کیفیت کہی۔ وہ راضی ہو گئے۔ قاضی صاحب نے مجھ کو خط لکھ کر کٹک روانہ کیا کہ پٹنہ آ کر بیعت کر لینا اور سندِ خلافت بھی لے لینا۔ الحمد للہ تم ہمارے ہی سلسلہ میں بیعت کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے اس بیماری میں انتقال فرمایا میں ... (لے) پٹنہ جا کر حضرت ممدوح سے بیعت کر لی اور حسب الارشاد اپنے مرحوم دوست کے شاہ صاحب نے مجھ کو سندِ خلافت بھی عنایت فرمائی۔ میں نے جناب حضرت سید شاہ عزیز الدین صاحب سے عرض کیا کہ میں سیاح ہوں۔ اگر سیاحت میں کسی کامل شیخ سے مجھ کو ملاقات ہو جائے تو مجھ کو اجازت دیجیے کہ میں اس سے بھی فیض حاصل کر دوں۔ شاہ صاحب نے نہایت کشادہ پیشانی سے اجازت ... دی اور چند نہایت خوبصورت کلمات فرمائے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت کے جتنے جانشین ہیں وہ سب ایک ہیں ان کو غیر سمجھنا ہی غلط ہے۔ فی الحقیقت جو دنیا دار مشائخ ہیں اور جنہوں نے پیری مریدی کو پیشہ مقرر کر لیا ہے ان کو یہ برا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرید کبھی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرے۔ اگلے زمانے میں تو برابر ایسا ہوتا تھا کہ اپنے مریدوں کو کاملین کی خدمت میں تحصیلِ ریاضتِ باطنی کے واسطے روانہ کرتے تھے شریعت و طریقت کو دو سمجھنے والے سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ شریعت راسخہ کا نام طریقت ہے۔ پس علم شریعت اگر کوئی استاد سے حاصل کرتا ہو تو کیا وہ اگر کسی لائق تر استاد کو پاوے تو اس سے اکتساب علم نہ کرے؟ اجی بھلی بات اور حکمت تو مومن کی گمشدہ دولت ہے۔ جہاں اور جس کے پاس ملے اس کو ضرور حاصل کرے۔ بقول سعدی ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم ؎ ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم"[1]

ایک با اثر و مقتدر رہنما کا ذکر

آپ نے کہولت سے قبل گویا شباب میں ۲۴ سال کی عمر میں بطور واعظ اسلام خدمات کا آغاز کیا تھا۔ اس کارِ خیر میں بھی جو بلا سرِ قوم مسلم کی بھلائی اور اصلاح کے لئے تھا آپ کی مخالفت ہوئی۔ سر سید احمد خان کا مسلمانوں میں بہت شہرہ تھا اس میں کیا شک ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی بہبودی کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا۔ لیکن انہوں نے ایک نیا دینی مسلک اپنایا

---

[1] تائید حق طبع اول ص: ۶۱ تا ۶۳

اور اسکی تدریجاً تعلیم یافتہ طبقہ میں ہوئی جو در اصل صحیح نہ تھا۔ اس بارے میں مولوی حسن علی صاحب کی بحث بھی سر سید احمد خان صاحب سے ہوئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی خدمتِ اسلام محض رضائے الٰہی کے لئے تھی۔ اور اللہ کی راہ میں وہ کسی سے نہ مرعوب ہوتے تھے نہ کلمۂ حق کہنے سے رُکتے تھے آپ کے جلالتِ مرتبہ اور اس وقت کے حالات کی خاطر اس بارے میں آپ کا بیان درج کرنا ضروری ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

" پانچواں دشمن جو قلعہ کے اندر تشریف رکھنا چاہتا ہے نیچری مذہب ہے۔ اس کے بانی سر سید احمد خان کے سی۔ ایس آئی ہیں۔ سید احمد خان کی تصانیف کو دیکھ کر، سید صاحب کے لیکچروں کو سُن کر، سید صاحب سے خود بحث کر کے جو کچھ مجھ کو اس مذہب جدید کے بارے میں معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ سید صاحب پر یورپ کے فلسفے کا خوب گہرا اثر ہوا ہے ان کی روح اس فلسفۂ جدیدہ کو پوجتی ہے سید صاحب کی سمجھ میں یہ بات طے ہو گئی ہے کہ نہ صرف اسلام بلکہ ہر دین و مذہب انسانی ترقی کا ہارج ہے۔ بس اس کو مٹانا چاہیئے لیکن چونکہ یک بارگی اسلام پر حملہ کرنے سے کچھ اثر نہ ہوگا اس لئے آہستہ آہستہ اسلام کی ایک ایک اینٹ کو اکھاڑنا چاہیئے۔ اپنے زعم میں بہت کچھ اکھاڑ چلے۔ اب تھوڑی کسر باقی رہ گئی ہے بہت کچھ بہت کر کے کہے جاتے ہیں۔ 'تہذیب الاخلاق' میں یہاں تک کہہ گئے کہ منکرِ خدا بھی مسلمان ہے لیکن پھر بھی خوف معلوم ہوتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی کہتے جاتے ہیں۔

" سید احمد خان صاحب کو اس خاکسار کے ساتھ پرلے درجے کی نفرت و عداوت ہے وہ دیکھتے ہیں کہ یہ ناچیز انگریزی جانتا ہے۔ اسپیچ بھی کر لیتا ہے۔ اسپیچ دیکھو اس کا اثر دل میں ہوتا ہے اس کا انگریزی لیکچر اس درجہ اور رتبہ کا ہوتا ہے کہ ایک بار گورنر مدراس بھی شریک ہو کر صدر جلسہ رہا ہے۔ ایسے انگریزی داں کا طلبہ پر ضرور اثر ہوگا۔ پھر افسوس یہ ہے کہ یہ کم بخت نا شدنی خدا و رسول صلعم کی محبت ہی کا واعظ کہتا ہے۔ پھر لوگوں کو دوزخ وہشت کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ پھر یہ چاہتا ہے کہ مغربی فلسفے کی روشنی سے دماغ منور ہونے کے بعد بھی مسلمانوں کے نوجوان ایسے غیر مہذب ہو جائیں کہ لنگیں اٹھا بیٹھی کرنے اور خدا کے پاس رونے۔ میں پکار پکار کر سید صاحب سے کہتا ہی رہا کہ میں آپ کے پیارے کالج کا دوست ہوں لیکن سید صاحب نے اس خاکسار کو باوجود باضابطہ ممبر ہونے کے بھی کانفرنس کے جلسے میں تقریر کرنے سے نہایت غیر موزوں طور پر روک دیا۔ یہ واقعہ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء الہ آباد کے کانفرنس میں ہوا ۔ ؎

کچھ مجھ کو دیکھ کے ساقی کے یہ حواس گئے

شراب سیخ پہ ڈالی کباب بوتل میں

میری پگڑی اور جبہ وغیرہ " وحشیانہ اور غیر مہذب لباس کو دیکھکر سیّد صاحب کی گھبراہٹ اور بدحواسی . . . . . قابل یادگار تھی۔

۱۸۹۲ء کے ایجوکیشنل کانفرنس میں مجھ کو ایک دوست کی خاطر بے حیا بن کر شریک ہونا ہی پڑا۔ چاہا کہ کانفرنس میں زبان بند رکھوں لیکن مدرستہ العلوم علی گڑھ کی مسجد میں کانفرنس کے خلاف وقت میں وعظ بیان کردں۔ لیکن سیّد صاحب کو جو یہ خبر پہنچی تو سانس نیچے اوپر آنے لگا۔ بارے خوف کے بدحواس ہو گئے کہ اس شخص نے وعظ کہا اور نیچری طلسم ٹوٹا۔ فوراً مجھ پر حکم نامہ صادر ہوا کہ خبردار! وعظ نہ کہنا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر خدا کی مسجد ہے تو رد کنے والا کون ہے۔ اس خیال کو میں نے پکار کر کہہ دیا۔ چند نیچری صاحبان۔ خصوصاً چند عاشقانِ سیّد برافروختہ ہوئے۔ بلکہ میاں برکت علی خاںؒ صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ لاہور لپک کر میری طرف بڑھے اگر دو ایک بھلے مانس بیچ بچاؤ نہ کرتے تو وہ مجھ پر ضرور ہاتھ چھوڑتے۔ یہ غیظ و غضب کیوں؟ صرف اس لئے کہ میں خدا کی مسجد میں خدا و رسولؐ کے فرمودہ کا بیان کرنا چاہتا تھا۔ اے خدا! میری قوم کی روحانی تباہی کس درجے کو پہنچ گئی ہے۔ اے پیارے ناظرین! ذرا سوچو! اور غور کرو۔ سیّد صاحب کے عزت و رتبے کا آدمی اس غریب فقیر سے اس قدر کیوں ڈرتا ہے سیّد صاحب کے ایسا آزادی کا دم بھرنے والا کیوں اس عاجز اسلامی واعظ کے منہ میں لگام چڑھانا چاہتا ہے۔ سیّد صاحب ہیں بڑے روپے والے۔ میں ہوں نہایت ہی مفلس و غریب۔ سیّد صاحب ہیں اہلِ زبان اور میں ہوں بنگالی۔ سیّد صاحب کو ہے عربی فارسی میں عمدہ لیاقت اور میں ہوں ایک اُمّی محض۔ سیّد صاحب ہیں نامی فلاسفر اور میں ہوں ایک نہایت معمولی سمجھ کا آدمی۔ پھر کس چیز کا یہ خوف ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ یاد رکھو ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

آج سیّد صاحب اللہ کی طرف رجوع کریں تو واللہ وہ مجھ کو بہت پیار کرنے لگیں۔ وہ مجھ سے منتیں کریں گے تو ضرور ایک دو ماہ کالج میں رہ کر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے طالب علموں کو دینی لیکچر انگریزی و اردو میں سنایا کروں۔ اے خدا تو سیّد صاحب کو سچی توبہ نصیب کر۔"

" اس نیچری مذہب سے بھی اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ سینکڑوں نوجوان اس جدید مذہب کے رنگ میں رنگین ہو کر اسلام سے دور جا پڑے ہیں نہ اللہ کی عظمت ان کے دل میں رہی۔ نہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت، نماز و روزہ سے بالکل ناآشنا۔ اس دنیا کے کیڑے اور انگریزوں کے مہمل نقّال بن گئے۔ خدا رحم کرے۔"

(۶ ص ۲۵ تا ۲۷)

اثمارِ خدمتِ اسلام و تائیداتِ ربِّ ذی الاکرام

آپ نے جب بطور واعظِ خدمتِ اسلام کا بیڑا اٹھایا تو بظاہر یہ کام از حد کٹھن تھا۔ چنانچہ اخبار "الپنچ" بانکی پور نے ۲۳ اگست ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں آپ کے عزم کا کہ ایک اس قسم کا رسالہ جاری کریں گے اور شہروں میں وعظ کہتے پھریں گے اور اس خاطر وہ دنیوی امور سے دستبردار ہو گئے ہیں ذکر کر کے لکھا ہے۔ (اور اس کا مکمل متن مقالہ میں جلد ہذا میں درج ہے):

"اس میں کیا شبہ ہے کہ ایک ایسے رسالہ اور خاص کر ایک ایسے واعظ کی ضرورت ہم مسلمانوں کو بدرجہ غایت ہے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ خود منشی صاحب میں اس کام کے کرنے کی قابلیت کافی طور پر موجود ہے لیکن قومی خدمت کی یہ صورت بجائے خود کچھ ایسی مشکل اور بے ڈھب ہے کہ ہم سرِ دست اس کی نسبت اپنی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ خدا ہمارے منشی صاحب کو اس ارادہ میں استقلال بخشے اور ان کی کوششیں خدا کرے استقلال کے ساتھ بار بار کامیاب ہوتی رہیں۔ کوئی کام ہو ..... اس کا شروع کر دینا ہی خوشی کی بات نہیں ہے بلکہ تحمل اور استقلال و خوش سلیقگی و محنت و بے غرضی کے ساتھ شروع کریں گے اور جاری رکھیں گے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ استقلال وغیرہ کے متعلق اس اخبار کو کامل یقین نہ تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی یہ خدمات جلیلہ مثمر ثمرات حسنہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی عظیم قربانی اور توکل علی اللہ مقبول ہوئے چنانچہ حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری جن کی ولادت ۱۸۷۷ء کی ہے۔ آپ کے اس عرصۂ خدمت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:-

• غالباً میں نویں یا دسویں جماعت میں تھا کہ حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض و برکاتِ صحبت سے متاثر ہو کر بعض نوجوان طلباء کالج اور ایک نوجوان شیعہ رئیسِ شہر نے ایک انجمن بنام "انجمن تہذیب الاسلام" قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو دینیات کا علم حاصل کرنے کا وقت اور موقعہ نہیں ملتا اس لئے ہر ماہ میں دو مرتبہ شہر اور بیرون جات کے عالموں اور شیریں مقال واعظوں کو بلا کر جلسے کئے جائیں۔ جن میں بزرگانِ دین وعظ فرمایا کریں اور دینی و اسلامی علوم سے نوجوان مسلمانوں کو واقف کر کے ان کے دل میں نورِ ایمان پیدا کریں۔ اور ان میں روحِ عمل پھونک کر اعمالِ صالحہ بجا لانے پر انہیں آمادہ کریں۔ ان واعظوں کے وعظوں کو بانیانِ انجمن نے اس شرط سے مشروط کر دیا تھا کہ مختلف فرقہائے اسلام میں جو مسائل مابہ النزاع اور باعث انشقاق و افتراق ہو سکیں وہ نہ بیان کئے

جائیں۔ بلکہ مختلف پیرایوں میں طلباء کو صلاح و تقویٰ اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور فرقہ ہائے اسلام میں اتحاد و اتفاق و یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ایک متحدہ محاذ قائم کر کے اسلام کی غیر مسلموں میں تبلیغ کی جا سکے۔"

"انجمن تہذیب الاسلام کے جلسے سالہائے دراز تک کبھی کالج ہال میں اور کبھی مسجد جامع میں ہوتے رہے اور شہر کے مسلمان ان سے مستفید ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں بیشتر علمائے شہر کے دو مشہور واعظ یعنی مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت مولانا عبدالماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خسر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی علیہما الصلوٰۃ والسلام نیز بہار کے دوسرے شہروں کے نامی علماء مثلاً مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی و مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری طوطیٔ ہند وغیرہ اور بیرون بہار کے علماء میں سے مولانا امانت اللہ صاحب غازی پوری اور مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی اپنے اپنے مواعظ حسنہ سے ہم لوگوں کو مستفیض فرماتے رہے چونکہ ہم طلباء میں زیادہ تر تعداد غریب لڑکوں کی تھی جلسوں کے پوسٹر و ہینڈ بل خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر جلسوں کا اعلان کیا کرتے تھے۔ بھاگلپور کے دولت مند مسلمانوں کو بالکل اس طرف توجہ نہیں تھی۔ اس لئے ان سے مالی امداد بھی گویا بالکل نہیں ملتی تھی۔"[1]

"تقریباً برصغیر ہندوستان کے کل مشہور شہروں نیز دیہاتوں کا انہوں نے دورہ کیا۔ جا بجا۔ شہر بہ شہر انہوں نے مدرسے اور یتیم خانے قائم کئے یتیموں کا اس قدر خیال انہیں رہتا تھا کہ ان کے احباب انہیں یتیموں کا باپ کہا کرتے تھے۔ سینکڑوں ہندو ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان جو الحاد و دہریت کی رو میں بہہ رہے تھے ان کے پرتاثیر وعظوں کو سن کر اسلام پر دلی استقامت کے ساتھ قائم ہو گئے"

حضرت سید وزارت حسین صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کا بھی حصہ معروف "انجمن حمایت اسلام"

---

[1] حضرت سید وزارت حسین صاحب نے ۱۹۶۲ء میں لکھوائے ہوئے اپنے سوانح میں ذکر کیا ہے کہ مولوی حسن علی صاحب خود بھی اور باہر سے بھی علماء کرام کو بلوا کر ٹی این جوبلی کالج بھاگلپور میں حقیقت اسلام پر تقاریر کرواتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی محمد ابراہیم صاحب آروی ایک مرتبہ مولوی صاحب کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس کالج میں تقریر کی تھی۔

لاہور کی بنا دی تھا۔ اور مونگھیر میں جو مدرسہ حمایت اسلام ہے وہ آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ ہے اور اس کے لئے آپ نے اپنا مونگھیر کا دو منزلہ مکان ہبہ کر دیا تھا اور بعض اور مقامات پر بھی آپ نے اس نام کے مدارس کھلوائے تھے۔ اسی طرح احمدیت سے قبل ہی بھاگلپور کی فاحشہ عورتوں کے خاندانوں کی اصلاح کر کے آپ نے ان سے توبہ کرائی اور ان کی بچیوں کی شادی کرا کے اُن کا یہ گھناؤنا کسب ختم کروا دیا تھا۔

اس خدمت میں تائیداتِ الٰہیہ اور اپنی کامرانی کا تذکرہ آپ کی اپنی قلم سے سنئیے :-

" حالت یہ تھی کہ خدا ہی کی ہدایت سے خدا کے واسطے نوکری چھوڑتا تھا تو میں کیونکر دل میں یہ شک لاتا کہ اللہ میرے رزق کو بند کر دے گا۔ میں نے ایک ماہوار رسالہ بنام 'نور الاسلام' جاری کیا پہلے تو پٹنہ میں کئی وعظ بیان کئے اس کے بعد کلکتہ گیا یہاں پہلا انگریزی وعظ ہوا جس میں ایک نامی شخص بپن چندر پال پروفیسر سٹی کالج قریب تھا کہ دین اسلام قبول کرے اور انگریز پادریوں نے بڑے جوش کے ساتھ اسلامی صداقت کی تائید کی۔ اس دھوم کے جلسہ کا شہرہ ہوا۔ انگریزی اخباروں میں اس کا چرچا ہوا۔ ڈھاکہ کے نوجوان مسلمانوں نے مجھ کو ڈھاکہ بلوایا۔ ڈھاکہ میں ایسی نصرت الٰہی میرے ساتھ ہوئی اور لکچروں کا اب اثر ہوا کہ ہمیشہ کے لئے اس شہر میں یادگار ہے۔ اس زمانہ میں روحانی برکات کا نزول تھا لیکن میری حالت نہایت بُری تھی واعظ کی نئی زندگی میں مجھ کو پہلے سال پندرہ روپیہ ماہوار ملا۔ بھلا جس شخص کی ماہوار آمدنی سو روپیہ ہو وہ پندرہ روپیہ ماہواری میں کیا کر سکتا۔ قرضدار ہو گیا یہ میرے اوپر خدائی امتحان کا زمانہ تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ نے مجھ کو اس امتحان میں پاس کیا۔ خدا کی ایک عنایت کو بیان کر کے اس کے شکر کرنے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ میرے نکاح کو ۱۲ برس گزر چکے تھے۔ لیکن مجھ کو ایک اولاد بھی نہ ہوئی۔ میری اہل خانہ کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ عاقرہ ہیں لیکن جب میں نے اللہ کی نوکری اختیار کی تو اس نے پہلے سال میں ہی ایک لڑکا عنایت کیا جس کا نام احمد رکھا ہے اور اس وقت سات برس کا ہے۔ اردو فارسی پڑھتا ہے اور قرآن مجید حفظ کرتا ہے۔ رسالہ نور اسلام کے خریدار بڑھتے گئے قریب پانسو کے خریدار ہو گئے۔ میرے رسالوں کے مضامین پڑھ کر، میرے وعظوں کو سن کر پٹنہ کے کئی صاحب کہنے لگے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ حسن علی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مجدد پیدا ہوا ہے۔"

(ء ص ۴۶ - ۴۷)

" غرض وعظ و لیکچر، اشاعتِ اسلام، حمایت اسلام کے کاموں میں برابر سرگرم رہا۔ الحمد للہ۔ اللہ پاک نے مجھ کو میرے وہم و گمان سے بڑھ کر کامیابی عطا فرمائی۔ کئی سو ہنود تو اس کمترین کے ہاتھ پر توبہ کر کے دین اسلام میں داخل ہوئے

ان طالب علموں کی تعداد اللہ ہی خوب جانتا ہے دو ہزار سے غالباً زیادہ ہوں گے جو مغربی تعلیم و تسلط کے اثرات سے دہریہ، گمراہ اور شکستہ عقیدہ ہو گئے تھے۔ وہ اِس ناچیز کے انگریزی لیکچروں کو سن کر اسلام پر مضبوط ہو گئے۔ ہندوستان کے مشہور شہروں میں میرا عرصے تک قیام رہا اور وعظ و لیکچر کا دھوم رہا۔"

کلکتہ۔ بمبئی۔ الہ آباد، مدراس، حیدر آباد دکن، رام پور، بھوپال۔ ڈھاکہ وغیرہ بیالیس بڑے شہروں کا نام مثالاً گنوا کر آپ تحریر کرتے ہیں:

"ان شہروں میں اکثر شہر ایسے بھی ہیں جن میں یتیم خانے جاری کئے گئے اور جہاں مدرسے نہ تھے وہاں مدرسے قائم ہوئے۔ بعض بعض یتیم خانوں کے لئے اس کمترین نے وہاں کے رئیسوں کی امداد سے پانچ پانچ چھ چھ ہزار روپیہ چندہ جمع کیا" [1]

"غرض اس سات برس کے عرصے میں سارے ہند میں میرا شہرہ ہو گیا۔ ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے لئے یہ کیا کم بات تھی کہ کبھی مہاراج میسور کا مہمان تھا اور ان سے ہاتھ ملا کر باتیں کرتا۔ کبھی جناب نواب وقار الامرا بہادر وزیر اعظم .... حیدر آباد دکن کا مہمان ہوتا۔ اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتا۔ اور کبھی نواب سر آسمان جاہ کے ساتھ بغل میں بیٹھ کر کھاتا اور ہاتھ ملا کر باتیں کرتا۔ اور کبھی سینٹ ہال مدراس میں انگریزی میں لیکچر دیتا اور جلسے میں صدارت کی کرسی پر لارڈ ویلنگٹن گورنر مدراس بیٹھتے۔ میں اس موقع پر اپنے ملنے کے ان دوستوں سے کہتا ہوں جو مجھ کو نوکری چھوڑنے کے وقت سمجھاتے تھے کہ خیال کریں کہ اگر اللہ کے واسطے کوئی نقصان اٹھاتا ہے تو وہ غیور خدا کبھی اس کو نقصان ہونے نہیں دیتا۔ کیا اسکول کے ایک ہیڈ ماسٹر کے لئے یہ عزتیں بہت نہ تھیں۔ رہی مالی حالت اس کو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہیڈ ماسٹری کے زمانے سے میری مالی حالت جو کبھی عمدہ رہی۔ اور کسی طرح کبھی انسان کی کبھی غلامی نہ کرنی پڑی۔ اللہ خود اپنے خزانے سے ایسا دیتا رہا کہ کیا کہوں اور کس زبان سے اس کا شکر ادا کروں۔ ؎

اے خدا احسانِ تو اندر شمار   نیستم بازبانِ صد ہزار

ہیڈ ماسٹری کے زمانہ میں کبھی دس روپیہ ماہوار خیرات کی بھی ہمت نہ ہوئی لیکن اللہ کی

---

[1] آپ نے مثالاً ایک وہ جن شہروں میں جو یتیم خانے اور مدارس قائم کئے اور امداد حاصل کر کے دی اس کا ذکر کیا ہے اس نقشہ اور ان بیالیس شہروں کے نام دیکھنے سے (جو سب مثالاً ہیں) یہ ظاہر ہے کہ آپ ہندوستان بھر میں وعظ وغیرہ کا کام کرتے رہے۔

غلامی کے زمانے میں یکمشت پانسو روپیہ تک خیرات کیا اگر کسی کو میرے اس بیان میں شبہ ہو تو وہ محمد رحمت اللہ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام منگلور اور اس انجمن کے کل ممبروں سے دریافت کر لے۔ مجھ کو اشاعتِ اسلام کے کام پر انگلستان روانہ کرنے کے لئے انجمن حمایت اسلام حیدرآباد دکن میں پانچ ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا۔ لیکن کوئلم صاحب جنہوں نے شہر لیورپول میں اسلامی جھنڈا گاڑا ہے نہ معلوم کیوں سخت مزاحمت کرتے رہے حتیٰ کہ انجمن نے میرے انگلستان کے سفر کو ایک غیر معین زمانے تک ملتوی کر دیا۔ حیدرآباد دکن کی انجمن حمایت اسلام کے ممبر جو سلطنت حیدرآباد کے چلانے والے تھے اگر مجھ میں قابلیت نہ پاتے تو انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں کامیابی کے ساتھ اشاعتِ اسلام کرنے کے لئے مجھ ناچیز کو تجویز نہ کرتے۔"

"لیکن کیا حقیقت میں میں ایسا ہی قابل شخص ہوں استغفر اللہ ربی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ انگریزی مجھ کو آتی ہے نہ عربی، نہ فارسی نہ اردو۔ مجھ کو حیرت پر حیرت ہے کہ میں آٹھ برس تک کیا کرتا رہا۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے وہ ایک امی محض سے بھی جو چاہے وہ کام لے لے۔ ایک ادنیٰ و ذلیل کو چاہے تو اعلیٰ رتبہ کو پہنچا دے۔ اے میرے دوستو! خدا کے لئے مجھکو جھوٹا مت سمجھو۔ میں جھوٹی انکساری کرنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مجھ میں کچھ قابلیت نہیں ہے۔ صرف منکروں کا کفر توڑنے کے لئے مالک نے مجھ سے عجیب عجیب کام لئے ہیں۔ اور آئندہ بہت کچھ امید ہے جب میں اپنی واعظانہ زندگی پر غور کرتا ہوں اور جس جس طور سے اللہ نے میری امداد فرمائی اس پر سوچتا ہوں تو اب معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ زندہ جیتا جاگتا خدا ان ظاہری آنکھوں سے تو دکھائی نہیں دیتا لیکن افسوس ان پر جو اس کو اس کھلم کھلا نشان کے بعد بھی نہیں پہچانتے۔ مجھ سے میری عربی فارسی کی لیاقت کا پورا پورا اندازہ لے لو۔ پھر میرا وعظ سنو۔ مجھ سے میری انگریزی لیاقت کا سچا اندازہ لے لو۔ پھر مجھ سے انگریزی لیکچر سنو۔ اگر اس کرامت کو دیکھ کر بھی خدا کے قائل نہ ہو تو پتھر پڑے تمہاری سمجھ پر۔ حیدرآباد دکن میں مجھ کو ضیق النفس کا عارضہ ہو گیا۔ دو منٹ تک بے کھانسی لئے کلام نہیں کر سکتا تھا جس دن بشیر باغ میں وعظ تھا۔ کھانسی کی شدت کے مارے مجھ کو رات بھر نیند نہ آئی۔ صبح کو دو لیکچر اردو اور انگریزی میں دو گھنٹوں تک باآواز بلند بیان کئے اور کسی کو معلوم تک نہ ہوا کہ میں بیمار تھا۔ اور بیماری دو گھنٹہ کیونکر موقوف رہی؟ اجابتِ دعا

ہے۔ سید احمد خان صاحب نہ مانیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں اور مانتا ہوں۔ گورنر صاحب مدراس کے سامنے جو لیکچر دیا تھا اسکی عبارت کو پڑھ کر کئی دوست بولے کہ تیری انگریزی لیاقت اس قدر عالی کیونکر ہوگئی تو میں کیا جواب دوں! کسی غیر شخص سے واللہ میں نے مدد نہ لی۔ سارے لیکچر کو خود لکھا، خود پڑھا۔ لیکن شانِ خدا تھی۔ میں نہ تھا۔ وہ میرا لیکچر نہیں ہے یہ معمّا ہے۔ لیکن جب پہ دعا کے باب کو اللہ کھول دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سچ ہے اور سراسر سچ ہے۔" (ص ۵۵ تا ۶۱)

ازدواجی زندگی

آپ نے ۱۸۷۸ء میں شادی کی۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ خاتون تعاون علی البرّ کرنے والی تھیں اور جس وقت آپ نے رضائے الٰہی کی خاطر ہیڈ ماسٹری ترک کر کے وعظ اور تبلیغ اسلام کی خدمت کرنے کا عزم کیا تو موصوفہ نے ہر تنگی کو برداشت کرنے سے اتفاق کر کے ایک شاندار اسوہ پیش کیا۔ خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم اے بتلاتے ہیں کہ تایا جان کا ایک ہی بیٹا تھا جو مجھ سے ایک سال بڑا تھا۔ اور میرا ہم جماعت تھا۔ لیکن چودہ سال کی عمر میں غالباً ۱۹۰۲ء میں داغ مفارقت دے گیا۔ [1]

---

[1] خدمت اسلام کی ایک برکت اس بچے کا دیا جانا مولوی صاحب نے لکھا ہے گو بچہ صغر سنی میں فوت ہوا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ شادی کے چودہ سال بعد یہ بچہ عطا ہوا ... اور کم و بیش چودہ سال تک اس خاندان کے لئے باعث سرور و قرۃ عین رہا۔ اور مولوی صاحب کی وفات کے بعد ان کی وفات ہوئی مولوی صاحب کے مقام جلیل کے باعث ان کے اقارب کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ کے بعض اعزہ سے خط و کتابت میں اس سلسلہ میں جواب کا انتظار ہے۔ اس لئے یہ تفصیل تشنہ رہ گئی ہے

(۱) آپ کے بھائی اقبال علی صاحب کی اولاد (جس کا مجھے یقینی علم ہے) :-

(الف) خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدراس۔ وفات بتاریخ ۲۱ راکتوبر بعمر ۸۲ سال۔ پچاس سال بطور صدر خدمت سلسلہ کی۔ (بدر مورخہ ۱۲ رنومبر ۱۹۷۰ء)

اس تاریخ کو آپ کی وفات کا ذکر کر کے ہفت روزہ "آزاد نوجوان" مدراس مورخہ ۲۳ راکتوبر ۱۹۷۰ء نے لکھا:-

"علی گڑھ کے جن طلبار کو احمدیت نے اپنے ابتدائی زمانہ میں جیتا اُن میں پروفیسر صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مرحوم سنایا کرتے تھے کہ آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں ہی احمدیت سے پیار ہو گیا تھا۔ اور شرف بیعت خلیفہ اوّل مولوی نورالدین صاحبؓ کے زمانہ میں حاصل ہوا۔ گو آپ بہار کے ایک مخلص خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر قدرت نے انہیں ملازمت کے سلسلہ میں مدراس لا بسایا۔ محمد صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴ پر)

اعلیٰ پایہ کا مصنف ہونا اور اس بارے میں تحقیقاتی مقالہ

آپ اعلےٰ پایہ کے مصنف تھے۔ پہلی کتاب آپ نے تیرہ سال کی عمر میں تالیف کی تھی (جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے) آپ کی تالیفات کے بارے میں قریب میں تحقیقاتی مقالہ لکھا گیا ہے

بقیہ حاشیہ صـــ۲۳ :۔ کی زندگی کے بہترین سال مدراس میں گئے۔ مولوی صاحب کے آج بھی مدراس اور دیگر علاقوں میں کئی شاگرد ہیں جو پروفیسر صاحب کے اخلاق فاضلہ کے آج تک قائل ہیں۔ اور مولوی صاحب کے قدر دانوں میں سے ہیں مولوی صاحب کو لوگوں نے احمدی اور اول درجہ کا قادیانی تو قرار دیا مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ مولوی صاحب نے کبھی اپنی احمدیت کو چھپایا ہے۔ مولوی صاحب کو ہر ایک نے با اخلاق اور باخدا شخص قرار دیا۔ مدرسہ اعظم کی ہیڈ ماسٹری۔ محمڈن کالج کی پروفیسری اور پبلک انسٹرکشن کی ڈپٹی ڈائرکٹری کا شرف بھی مولوی صاحب کو حاصل تھا۔ کرنول کالج کی پرنسپلی بھی مولوی صاحب کو ہی سونپی گئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب پر جب اس سلسلہ میں اعتراض ہوا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ :۔

• مجھے اس قادیانی کی دیانتداری اور ایمانداری پر پورا اعتماد ہے اور میں اس دیانتداری اور ایمانداری کو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز سمجھتا ہوں۔ "

" مولوی صاحب نے گو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے مگر کبھی کسی پر بے جا طور پر زور نہیں ڈالا۔ آپ کا رگ و ریشہ سادگی سے بنا ہوا تھا۔ اور معصومیت اس قدر رچی ہوئی تھی کہ آپ کو کبھی کسی کی بُرائی نظر نہ آئی۔ بہتوں نے آپ کی اس خوبی سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا مگر ایسے بچھڑے گئے کہ مولوی صاحب کے معاف کرنے کے باوجود بھی سنبھلنے نہ پائے۔

" مولوی صاحب کے چہرہ پر ہمیشہ ایک قسم کی مسکراہٹ ہوتی۔ ہمیشہ ہنستے ہنستے بولتے۔ لب و لہجہ اتنا دلبر ہوتا کہ سننے والے کا من موہ لیتا ہم نے اپنے بچپن میں بھی مولوی صاحب کو دیکھا ہے اور اس زمانہ میں بھی دیکھا جب ہم ابھی لاہوری قسم کے احمدی تھے کوئی چھوٹی بات ہوتی مگر مولوی صاحب کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتے جو ہمیں ٹھیس پہنچانے والی ہو۔ مولوی صاحب کی اردو زبان کا لب و لہجہ اس قدر میٹھا تھا کہ جب بولتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ آپ موتی بکھیر رہے ہیں۔ ..... جماعتی امور میں جب اختلاف رائے آن پڑتی تو بحیثیت صدر آپ علیحدگی میں ہم سے صلاح و مشورہ کرتے اور ایک ایسا سلوک اختیار کرتے جس سے جماعتی کام اپنی جگہ بحال ہو جاتا۔ ... مولوی صاحب کے خطبے بھی بڑے سبق آموز ہوتے تھے۔ عیدین کو مولوی صاحب اپنے مکان میں دوستوں کی خاطر تواضع، سویاں۔ شربت۔ چائے اور پان سے کرتے ....."

نومبر ۱۹۰ء میں مرحوم نے خاکسار مولف کو بتایا تھا کہ مدراس کی حکومت نے مدراس کے ایک قدیمی مدرسہ کے لئے جو بعد میں محمڈن کالج بن گیا علی گڑھ سے ایک ہیڈ ماسٹر مانگا۔ پہلے اس کا ہیڈ ماسٹر ہمیشہ

(بقیہ حاشیہ صـــ۲۵ پر)

قبول احمدیت کی تفصیل سے پہلے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ یہ مقالہ جناب سید حسن صاحب ڈاکٹر و پروفیسر فارسی عربی و پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کا ہے جو انشاء پٹنہ مورخہ مئی ۱۹۶۲ء میں (ص ۵ تا ۱۴ پر) شائع شدہ ہے۔ یہ مطبوعہ مقالہ خاکسار نے جناب مولوی محمد صاحب مرحوم کے پاس سے نومبر ۱۹۷۰ء میں نقل کیا تھا

بقیہ حاشیہ ص ۲۴ :۔ کوئی انگریز ہوتا تھا۔ میں اس وقت علی گڑھ میں پروفیسر تھا۔ میں نے خیال کیا کہ پہلے بھی تو میں وطن سے چھ سو میل دور رہا۔ کچھ اور دوری ہو گی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اور میں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ۱۹۲۰ء میں یہاں چلا آیا۔ اور مجھے یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ منشائے الٰہی ہو گا کیونکہ اس وقت جماعت سے اس کے ایک نہایت مخلص رکن حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب وفات پا چکے تھے۔ البتہ تین سو تیرہ صحابہ میں سے ایک اور مخلص حضرت حکیم محمد سعید صاحب ابھی زندہ تھے۔

(ب) محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ جو بیوہ ہیں اور اس وقت بھاگلپور میں ہیں ان کا نام پانچ ہزاری مجاہدین تحریک جدید دفتر اول کے صفحہ ۲۸۴ پر مرقوم ہے (موصوفہ کی اولاد محمد یعقوب صاحب حال مقیم ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) اور سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ دارو غا احمد رضا خان صاحب (ولد ڈاکٹر قیاض الدین صاحب مرحوم مقیم بھاگلپور ہیں)

(۲) مولوی حسن علی صاحب کی ایک ہمشیرہ صاحبہ اہلیہ شاہ بندل الحسن صاحب بھاگلپور تھیں ان کی اولاد میں سے یقینی طور پر مجھے صرف جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس کا علم ہے (محلہ رام سر بھاگلپور موصی نمبر ۲۱۹۱ صفحہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۷ء وفات ۲۲ جنوری ۱۹۵۰ء بمر ۶۰ سال مدفون بہشتی مقبرہ قادیان) مولوی اختر علی صاحب نے ۵ جنوری ۱۹۴۰ء کو تحریر کیا ہے۔ میری بیعت کا قصہ یہ ہے کہ ہمارے ماموں جناب مولوی حسن علی صاحب مرحوم ۱۸۹۴ء میں بیعت کر کے جب مکان واپس آئے تو اسی وقت ہم لوگوں کے سامنے حضرت اقدس کے دعوے کو پیش کیا۔ اور میں اسی وقت حضرت اقدس کے دعویٰ کو تسلیم کر کے احمدی ہو گیا۔ بعدہٗ ۱۹۰۷ء میں پھر ایک دوست نے کہا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں لکھ کر بیعت بھی کر لو۔ چنانچہ اسی وقت میں نے تحریری بیعت بھی کر لی۔ چنانچہ اسوقت میں نے تحریری بیعت بھی کر لی جس کی منظوری بھی حضرت اقدس کے یہاں سے آ گئی لہذا اگرچہ مجھ کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔۔۔"

۱۷ جون ۱۹۴۰ء میں بھی بیعت ۱۹۰۷ء میں کرنے اور ایمان ۱۸۹۴ء میں لانے کا اور اولاد محمد عیسٰی اور محمد اسمٰعیل، محمد ایوب صاحب اور سکینہ خاتون صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کا ذکر کیا ہے۔ اور تصدیق وصیت میں مُصدِّق نے تحریر کیا ہے :۔

"تبلیغی کاموں میں نہایت شوق اور اخلاص سے حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اور رات دن ان کا یہی (جذبہ) رہتا ہے کہ کم از کم بھاگلپور کے تمام لوگ احمدی ہو جائیں" (مسل وصیت) خطوط وحدانی کا لفظ خاکسار مؤلف کی طرف سے ہے۔ ڈپٹی محمد عیسٰی صاحب کراچی میں فوت ہوئے

(باقی حاشیہ ص ۲۶ پر)

موصوف کے نام پروفیسر صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ جون ۱۹۶۲ء میں یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کے مرسلہ معلومات و دیگر مآخذ سے مواد فراہم کر کے میں نے یہ مقالہ مرتب کیا جو رسالہ "اشارہ" پٹنہ میں طبع ہوا۔ اس کا کچھ حصہ ایک ادبی صحبت میں جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق گورنر بہار (بعدہ صدر جمہوریہ ہند۔ ناقل) مہمان خصوصی تھے سنایا گیا تھا۔ مولوی حسن علی صاحب کے جاری کردہ رسالہ "نور الاسلام" کے چند شمارے جناب بشیر الحق صاحب دسنوی کے پاس محفوظ ہیں۔ پروفیسر صاحب کی اس تفصیل سے حضرت مولوی صاحب کے بطور مصنف اعلیٰ مقام کا اظہار ہوتا ہے۔

عنوان "بہار کا ایک گمنام مصنف (مولوی حسن علیؓ" کے تحت ذیل کا مقالہ شائع ہوا ہے:۔

"اردو زبان اور ادب کی تاریخ میں جن محسنوں کے ناموں کو لوگوں نے فراموش کر دیا ہے ان میں سے ایک مولوی حسن علی بھی ہیں۔ اُن کے بھلا دینے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے بعض ادبی کارنامے جو کئی اعتبار سے اہم ہیں۔ غیروں کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنی بعض قابل قدر تالیفات کو دوسروں کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ مولوی صاحب کے نتیجہ کاوش اور تلاش فکر کو اپنی تخلیق بتا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور اس طرح ایسی شہرت حاصل کریں جس کے وہ مستحق نہ تھے۔"

"مولوی حسن علی صاحب کے حالات زندگی کے بارے میں راقم الحروف کو بہت دنوں سے جستجو تھی۔ لیکن تلاش و تجسس کے باوجود عرصے تک کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ محلہ لودھی کٹرہ پٹنہ کے بعض بڑے بوڑھے بھی ان کے نام سے قطعی ناواقف نکلے۔ حالانکہ مولوی حسن علی نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ اسی محلے میں بسر کیا تھا۔ مزید انتظار کو بے سود جان کر اور جو کچھ مواد میرے پاس پہلے سے فراہم ہو گیا تھا۔ اُسی پر قناعت کر کے مضمون لکھنا شروع کیا تھا کہ مولوی صاحب کی تصنیف "تائید حق" دستیاب ہو گئی۔ جس کے مطالعہ سے نہ تنہا ان کے بارے میں بہت سے حالات معلوم ہوئے۔ بلکہ مزید جستجو کی راہیں بھی نکل آئیں۔ چنانچہ آئندہ سطور میں جو کچھ سپرد قلم ہوا ہے وہ کتاب مذکور، رسالہ الینبج بانکی پور، ہندی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵:۔ میجر محمد اسماعیل صاحب۔ ماڈل ٹاؤن لاہور میں مقیم ہیں۔ ڈپٹی محمد ایوب صاحب ریٹائرڈ اے ڈی ایم بھوا گلبرگہ میں مقیم ہیں۔

(۲) مولوی حسن علی صاحب کی ایک بہن کے نواسے کا پتہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ایک ہی بہن مراد ہیں یعنی والدہ مولوی محمد صاحب مرحوم یا دیگر ہمشیرہ میں کرنل سعید احمد صاحب لندن اور رشید صاحب مع والدہ فاطمہ خاتون صاحبہ کراچی میں مقیم ہیں۔

کتاب بھولتی بھاگتی یادیں' مصنفہ شری کملا پرشاد دریا۔ رسالہ معاصر۔

۲- خط جناب سید وزارت حسین صاحب اور نیز خط جناب خان بہادر مولوی محمد صاحب[۴] (ایم اے ایل ایل بی ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدراس) برادر زادہ جناب مولوی حسن علی صاحب اور شادی کی کہانی شادی کی زبانی کے حوالے سے مرقوم ہوا ہے۔

"مولوی حسن علی صاحب مرحوم تاریخ ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۲ء (۸ محرم ۱۲۶۹ھ) کو بھاگلپور میں پیدا ہوئے تھے[۵]۔ ان کے والد کا نام محمد علی تھا۔ جو ایک صوفی منش بزرگ تھے مولوی حسن علی مرحوم نے بچپن میں مکتب میں تعلیم پائی۔ عربی، فارسی، اور اردو سیکھی پھر انگریزی پڑھنے کو اسکول میں داخل کئے گئے۔ فطری ذہانت کے باعث امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے یہاں تک کہ انٹرنس پاس کر لیا اور سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ ایف۔ اے کلاس میں بھی داخلہ لیا لیکن مذہبی رجحان کے باعث تعلیم ترک کر دی۔ اور ایک آزاد خیال فقیر کی طرح آوارہ پھرنے لگے۔ کچھ دنوں تک مذہبی تحقیقات اور تلاش کی خاطر ہندو پنڈتوں کی صحبت اختیار کی۔ ایک برس کی سرگردانی کے بعد ۱۸۷۲ء میں بھاگلپور میں شادی کر لی۔ اب ذریعہ معاش کی جستجو ہوئی اور اس سلسلے میں پٹنہ آئے جہاں وہ پٹنہ نارمل اسکول میں ٹیچر ہو گئے اس زمانہ میں ان کی ملاقات دو معزز شخصوں سے ہوئی جن کی سیرت و شخصیت نے انہیں بہت متاثر کیا۔ ایک تو پنڈت کیشو رام بھٹ جو مہاراشٹری برہمن تھے لیکن ان کے آباؤ اجداد بہار شریف میں آکر بس گئے تھے۔ پنڈت کیشو رام بھٹ کے بھائی پنڈت بال کرشن بھٹ نے ۱۸۷۲ء میں کلکتہ سے ایک ہندی اخبار بنام 'بہار بندھو' نکالا تھا۔ ۱۸۷۴ء میں یہ اخبار پٹنہ سے نکلنے لگا۔ پنڈت کیشو رام کی صحبت میں مولوی حسن علی نے ہندی اور بنگلہ زبانوں میں مہارت پیدا کی۔ اور کچھ دنوں تک 'بہار بندھو' کی ایڈیٹری کا کام بھی کرتے رہے[۱]۔ ان دنوں پنڈت کیشو رام بھٹ سررشتہ تعلیم کے ڈپٹی انسپکٹر کے عہدے پر مامور ہو گئے تھے۔ اور پٹنہ نارمل سکول کے ہیڈ ماسٹر رائے موہن لال تھے۔ ہندی کی ترویج و اشاعت کی تحریک شروع ہو چکی تھی اور راجپوتانہ سے ہندی و فارسی کے ماہر منشی رادھے لال تبلیغی کام کے لیے پٹنہ بلائے گئے تھے۔"

"دوسرے بزرگ جن کی صحبت سے مولوی حسن علی صاحب مرحوم نے بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا پٹنہ کے مشہور علم پرور اور محب قوم رئیس جناب قاضی سید رضا حسین مرحوم تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی کتاب 'تائید حق' میں ان کے علم و فضل اور دینداری کی بڑی تعریف

۱؎ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء ۲؎ محررہ ۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء ۳؎ تائید حق ص ۵۵

۴؎ خط مولوی سید محمد صاحب ۵؎ بھولتی بھاگتی تصویریں (ہندی) ص ۱۶۹

لکھی ہے قاضی صاحب گو بظاہر ایک زمیندار اور خوشحال رئیس تھے لیکن انہوں نے اپنی درویشی اور فقر کو بالکل چھپا رکھا تھا۔ قاضی صاحب کو علم عربی میں اچھی لیاقت تھی۔ قرآن مجید اور مولانا روم کی مثنوی سے ان کو خاص محبت تھی ... وہ نہایت ہی ذہین اور باریک فہم آدمی تھے[1] قاضی صاحب اور مولوی حسن علی کے درمیان اکثر دینی مسائل کے متعلق مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنی عالمانہ گفتگو سے مولوی صاحب کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کر دیا تھا۔ مولوی حسن علی سچے اور پکے مسلمان ہو گئے۔ اور قاضی صاحب کے زیر اثر قومی ہمدردی کے کاموں میں شریک ہونے لگے۔ شہر پٹنہ میں رفاہ عام کا کوئی ایسا جلسہ نہ تھا جس میں وہ تقریر نہ کرتے۔ مغربی تعلیم اور یورپین فلسفہ کے مضر اثرات سے مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ رکھنے کے لیے انہوں نے زبردست جد و جہد کی۔ رفتہ رفتہ ان کے دل و دماغ پر ایسا انقلاب طاری ہوا کہ ۶ فروری ۱۸۸۶ء کو انہوں نے اسکول کی ملازمت سے دست بردار ہو کر بقیہ عمر واعظ اسلام کی حیثیت سے بسر کرنے کا تہیہ کر لیا اس غرض کے تحت ایک ماہوار رسالہ "نور الاسلام" نامی بھی جاری کیا۔ اخبار "الپنچ" بانکی پور نے اپنی اشاعت مورخہ ۲ اگست ۱۸۸۶ء میں اس رسالہ کے اجراء اور مولوی صاحب کی نئی سرگرمی کے متعلق ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:۔

"نور الاسلام۔ ہمارے شہر کے ایک تعلیم یافتہ شخص جناب منشی حسن علی صاحب نے بالفعل ایک اشتہار شائع کیا ہے، اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مذہبی ماہوار رسالہ جس کا نام "نور الاسلام" ہوگا شائع کرنا چاہتے ہیں۔ وعدہ کیا گیا ہے کہ اس رسالہ میں اسلام کی خوبیاں اور بزرگوں کے اقوال و حالات نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں لکھے جائیں گے مذہبی جھگڑوں سے متعلق بحث نہ ہوگی ہاں اس کا بھی اقرار ہے کہ وہ متفرق شہروں میں مذہبی وعظ کہتے پھریں گے اور اس غرض سے وہ ہر قسم کی دنیاوی خدمتوں سے دستبردار بھی ہو گئے۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک مذہبی اور خدائی کام اپنے ذمہ لیا ہے اس میں کیا شبہ ہے کہ ایک ایسے رسالہ اور خاص کر ایک ایسے واعظ کی ضرورت ہم مسلمانوں کو بدرجہ غایت ہے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ خود منشی صاحب میں اس کام کے کرنے کی قابلیت کافی طور پر موجود ہے۔ لیکن قومی خدمت کی یہ صورت بجائے خود کچھ ایسی مشکل اور بے ڈھب ہے کہ ہم سر دست اس کی نسبت اپنی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ خدا ہمارے منشی صاحب کو اس ارادہ میں استقلال بخشے اور ان کی کوششیں

---

[1] تائید حق ص ۵۸

خدا کرے استقلال کے ساتھ برابر کامیاب ہوتی رہیں۔ کوئی کام بڑا ہو یا چھوٹا۔ اس کا شروع کر دینا ہی خوشی کی بات نہیں ہے بلکہ تحمل اور استقلال و خوش سلیقگی و محنت و بے غرضی کے ساتھ شروع کریں گے اور جاری رکھیں گے۔"

"اس رسالے کی سالانہ قیمت امراء سے کم سے کم عہ اور غرباء سے عہ۔ باہر والوں سے محصول ڈاک وغیرہ اس کے علاوہ۔ قیمت سب سے پیشگی۔ منشی حسن علی ساکن محلہ لودی کٹرہ شہر پٹنہ سے۔"

"ملازمت ترک کر دینے کے بعد مولوی حسن علی مرحوم نے تبلیغی دورے شروع کر دیئے۔ ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اشاعت حمایت اسلام کے لئے پرجوش انداز میں تقریریں کیں خداداد ذہانت اور لیاقت اور پرخلوص جذبے کی وجہ سے ان کو اپنے مشن میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قوم نے ان کو شمس الواعظین کا لقب عطا کیا۔ سات سال تک مبلغ اسلام کی حیثیت سے انہوں نے سیر و گردش میں زندگی گزاری۔ اس اثنا میں انہیں ایک روحانی رہنما کی تلاش کا خیال پیدا ہوا۔ جس کی رہبری میں وہ منازل سلوک طے کر سکیں۔ قاضی رضا حسین صاحب مرحوم نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت سید شاہ عزیز الدین صاحب قمر العلائی سجادہ نشین سے بیعت کر لیں۔ چنانچہ مولوی صاحب شاہ صاحب کے حلقۂ مریدی میں شامل ہو گئے لیکن اپنے مرشد سے یہ اجازت بھی حاصل کر لی کہ اگر دوران سیاحت میں کسی اور شیخ کامل سے ملاقات ہو جائے تو اس سے بھی فیض حاصل کریں۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں جب مولوی صاحب "حمایت اسلام" لاہور کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لئے گئے تو مشہور قادیانی عالم حکیم نور الدین صاحب سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ حکیم صاحب نے ان کو جناب مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات کی غرض سے قادیان لے جانا چاہا مگر مولوی صاحب نے اس وقت حیلہ کر دیا[1] آخر دوسرے سال سیٹھ حاجی عبدالرحمٰن کی ترغیب پر ان کے ساتھ قادیان گئے اور یہاں تیرہ دن رہے۔ اس اقامت اور مرزا صاحب کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ . . . . وہ مرزا صاحب مرحوم کے حلقہ پیروان میں شامل ہو گئے قادیانی مذہب قبول کرتے ہی مولوی صاحب کی مقبولیت عامہ کو سخت دھکا لگا۔ اب وہ صرف

---

[1] خاکسار مؤلف اصحاب احمد عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب خود لکھتے ہیں کہ جناب مولوی حکیم نور الدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر کچھ خاص اثر ہوا۔ حکیم صاحب مجھ سے فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن میں نہ گیا" گویا کسی حیلہ کا ذکر نہیں نیز یہ سنہ ۱۸۹۳ء کی بات ہے۔ (تائید حق طبع اول ص: ۶۵)

مبلغ احمدیت ہو کر رہ گئے۔ عام مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کیا اور ان کو مسجدوں میں تقریر کرنے کی اجازت نہ دی۔

"تبلیغی دورے کے سلسلہ میں مولوی حسن علی صاحب مرحوم کو دمہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس مرض نے شدت اختیار کی اور غالباً یہی ان کی وفات کا سبب بنا۔ ان کا انتقال کب ہوا اس بارے میں صحیح علم نہ ہو گا۔ مولوی صاحب کے برادر زادہ مولوی سید محمد صاحب کا خیال ہے کہ ان کی وفات ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ جناب مولوی سید وزارت حسین صاحب ادریوی کا جنہوں نے مولوی حسن علی مرحوم کو اپنے پڑھنے کے زمانہ میں بھاگلپور میں دیکھا تھا خیال ہے کہ انھوں نے ۱۸۹۷ء میں وفات پائی۔ لیکن مشہور مصنف آرنلڈ کی کتاب "دی پریچنگ آف اسلام" میں ان کا سال وفات ۱۸۹۶ء ہے "مسلم کرانیکل" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲ راپریل ۱۸۹۶ء میں ان کی وفات پر ایک ماتمی اداریہ لکھا۔"

"مولوی حسن علی صاحب کو پڑھنے لکھنے اور تصنیف وتالیف کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ پٹنہ کی صحبتوں نے اس کا شوق اور آگے بڑھا دیا تھا۔ تبلیغ مذہب کا جذبہ پیدا ہونے سے پہلے ان کا رجحان قصہ اور افسانہ کی طرف تھا۔ لیکن جب مذہب سے شغف پیدا ہوا تو تبلیغی نقطۂ نظر سے دینی و مذہبی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تالیفات کو ہم تین دستوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

۱۔ وہ تصانیف جو تنہا مولوی صاحب کے نام سے شائع ہوئیں۔

۲۔ وہ تصنیف جو اصلاً مولوی صاحب کی لکھی ہوئی ہے لیکن انہوں نے اپنے ساتھ اور شخص کو بھی شریک کر لیا ہے۔

۳۔ وہ کتابیں جنھیں مولوی صاحب نے لکھ کر دوسروں کو بخش دیں یا دوسروں نے سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیں۔

پہلے دستہ میں یہ کتابیں شامل ہیں :-

قوت فیصلہ۔ تحریک سیر نبوی۔ معراج المومنین اور تائید حق۔ مقدم الذکر دو کتابیں اس دور میں لکھی گئی ہیں۔ جب مولوی حسن علی مرحوم اسکول میں ملازم تھے لیکن رفاہ عام کے کاموں میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ "قوت فیصلہ" ایک انگریزی کتاب (دی ڈسیژن آف کیریکٹر) مولفہ جان فاسٹر کا اردو ترجمہ ہے[1] اس کی تاریخ اشاعت ۲۰ رجولائی ۱۸۸۰ء ہے مطبع صادق پور

---

[1] رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۷ ص ۸

ملا گزری میں چھپی تھی۔ "معراج المومنین" اس زمانے کی تصنیف ہے جب مولوی صاحب ملازمت ترک کر کے پورے انہماک کے ساتھ تبلیغی کام میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس کتاب کا مقصد اسلام کی خوبیاں کو واضح کرنا تھا کہ مسلمان مغربی تعلیم اور یورپین فلسفہ کے گمراہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

"تائید حق" ان کی زندگی کے آخری دور کا کارنامہ ہے۔ ایک تبلیغی رسالہ جسے وہ بشدت مرض اور ضعف کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔ اس میں انہوں نے کچھ اپنے حالات، جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کے فضائل اور ان کی تصنیف "براہین احمدیہ" کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۱۲ء الحق پریس دہلی میں طبع ہوا تھا"

"نقش طاؤس" مولوی حسن علی مرحوم کی وہ تالیف ہے جس کے مولفوں میں اُن کے نام کے ساتھ مولوی محمد اعظم کا نام بھی شامل ہے۔ یہ ایک ناول ہے جو سنہ ۱۸۹۱ء میں مطبع قیصری پٹنہ میں طبع ہوا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے:۔

"جلالنگی" بنگلہ زبان کا ناول اس نئے اور خوبصورت لباس میں منشی حسن علی صاحب اور منشی محمد اعظم صاحب کی کوشش سے ناظرین کی خدمت میں ہدیہ ہے۔

"نقش طاؤس" اپنی قدامت کی وجہ سے اردو کی ایک اہم تصنیف ہے۔ یہ ناول اس زمانے میں لکھا گیا ہے جب "داستان امیر حمزہ" اور "بوستان خیال" وغیرہ کا زور کم ہو چلا تھا۔ اور اردو خوانوں میں ایسی کہانیوں کی مانگ پیدا ہو چلی تھی جن میں انوکھا پن تو ہو لیکن روزمرہ کی زندگی سے بہت زیادہ دوری نہ ہو۔[1]

"جن کتابوں کے متعلق راقم السطور کو یقین ہے کہ ان کے مصنف یا مولف اصل میں مولوی حسن علی مرحوم ہیں لیکن وہ غیروں کے نام سے منسوب ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) سجادہ سنبل (۲) ناول صورۃ الخیال"

"سجادہ سنبل" ایک ڈرامہ ہے جو پنڈت کیشو رام بھٹ کے نام سے سنہ ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا اس کتاب کی زبان صاف اور سلیس اردو ہے۔ البتہ رسم الخط ہندی۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے یہ کتاب کبھی اردو رسم خط میں نہیں چھپی۔ یہ کتاب فی الحال کمیاب ہے۔ اس کا واحد نسخہ بہار ہندی ساہتیہ سمیلن لائبریری، پٹنہ میں موجود ہے۔ راقم السطور نے اس کو دیکھا ہے اور اس کے متعلق ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ جو رسالہ "اشارہ" پٹنہ کے دو شماروں اکتوبر و نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا ہے۔ پنڈت کیشو رام بھٹ کا لکھا ہوا دوسرا ڈرامہ شمشاد و سوسن بھی ہے جس کا کوئی نسخہ اب شاید موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔

---

[1] رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۲ ص ۹

'صورۃ الخیال' (عرف ولایتی کی آپ بیتی کا پہلا حصہ) ناول ہے۔ جسے شاد عظیم آبادی نے سنہ ۱۸۸۱ء میں اپنے نام سے شائع کرایا تھا۔

"یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ مذکورالصدر دونوں کتابیں یعنی 'سجاد سنبل' اور ناول 'صورۃ الخیال' کے اصلی مصنف مولوی حسن علی مرحوم ہیں اور جن دو قول اصحاب کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس انتساب کے مستحق نہیں ہیں۔"

"راقم السطور کے خیال میں بعض ایسے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں جن پر غور کرنے سے حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ شہادتیں خارجی بھی ہیں اور داخلی بھی اور اس سلسلہ میں 'نقش طاؤس' ایک بہت ہی اہم کڑی ہے کیونکہ اس کے متعلق تو یہ بات بالکل متیقن ہے کہ وہ مولوی حسن علی کی تالیف ہے۔

"'نقش طاؤس' اور 'سجاد سنبل' دونوں کے پلاٹ بنگالی زبان کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ 'نقش طاؤس' کے سرورق پر اس امر کی صاف لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ ایک بنگلا ناول 'جگلانگری' کا ترجمہ ہے۔ 'سجاد سنبل' کے متعلق بھی یہ بات معلوم ہے کہ وہ بنگلہ زبان کے ناٹک سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس ڈراما کے مقدمہ نگار شری برج بھوشن شرما نے اس حقیقت کو اپنے مقدمہ میں واضح کر دیا ہے (ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون مطبوعہ رسالہ 'اشارہ') 'صورۃ الخیال' کے نقادوں کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ بنکم چندر چٹرجی کے ناول 'اندرا' سے مستعار ہے۔ اسی طرح تینوں کتابوں کی بنیاد بنگلہ زبان کی کتابوں پر قائم کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں کتابیں جو تقریباً ہم زمان ہیں ایک شخص کی کوشش کی تالیف کا نتیجہ ہیں۔"

"مولوی حسن علی مرحوم بھاگلپور کے باشندے تھے جو ان کے زمانے میں صوبہ بنگال کے حدود میں شامل تھا۔ اور آج کل بھی وہ بنگال کی سرحد سے بہت متصل ہے۔ 'تائید حق' میں انہوں نے اپنے کو بنگالی بتایا ہے[1] اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بنگلہ زبان سے واقف ہوں گے۔ 'نقش طاؤس' اس بات کی روشن دلیل ہے۔ پنڈت کیشو رام بھٹ بھی بنگالی زبان جانتے تھے۔ کیونکہ وہ شروع میں کلکتہ سے اپنا اخبار 'بہار بندھو' نکالا کرتے تھے۔ وہ ہندی کے زبردست پرچارک تھے۔ اردو زبان میں ڈراما لکھنا ان کی پالیسی کے خلاف تھا۔ شاد کو بنگالی زبان سے واقفیت کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔ 'صورۃ الخیال' کے دیباچہ میں شاد نے اس امر

---

[1] اس زمانہ میں بہار کا صوبہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ موجودہ بہار کے بہت سے اضلاع صوبہ بنگال میں شامل تھے۔

کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اس کا قصہ بنگالی زبان کے کسی ناول سے ماخوذ ہے۔ بلکہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ قصہ کا منصوبہ (پلاٹ) میں نے باندھا ہے۔[1]

"صورۃ الخیال کی اشاعت کے بعد ہی لوگوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ یہ شاد کی نہیں بلکہ مولوی محمد اعظم کی تصنیف ہے۔ مولوی محمد اعظم نے اس کتاب کا مسودہ شاد کو نظر ثانی کے لئے دیا تھا لیکن شاد نے اسے واپس نہیں کیا اور کتاب اپنے نام سے شائع کر دی! البنچ بانکی پور نے ناول کی تیسری جلد 'حلیۃ الکمال' پر تبصرہ کرتے وقت اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ 'صورۃ الخیال' کے اصلی مصنف مولوی محمد اعظم ہیں:

"حیدرآباد کے دو چار شخصوں نے صرف 'صورۃ الخیال' کے صلے میں ان (یعنی شاد) کو تمغہ بھیجا تھا اور جو کچھ تعریف ہوئی تھی وہ اسی کی تھی اور اسکی وجہ ظاہر ہے کہ وہ نتیجۂ طبع وقاد اعظم اور تہنیۃ المعالی (یعنی [illegible] دوسری جلد) کو کسی نے پوچھا تک نہیں بلکہ اس کتاب کو نہایت ناپسند کیا۔[2]

"یہ مولوی محمد اعظم وہی ہیں جن کا نام 'نقش طاؤس' کے مؤلف کی حیثیت سے مولوی حسن علی کے نام کے ساتھ درج ہے۔ میرا گمان ہے کہ 'نقش طاؤس' یا 'صورۃ الخیال' دونوں کے حق تالیف کو مولوی محمد اعظم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ مولوی محمد اعظم لودیکڑہ پٹنہ کے ایک زمیندار رئیس تھے۔ مولوی حسن علی مرحوم ایک سکول کے معمولی ٹیچر۔ کیا عجب ہے کہ دونوں میں دوستی ہو یا یہ کہ مولوی حسن علی کو مولوی محمد اعظم کی سرپرستی حاصل ہو۔ اور مولوی حسن علی نے دوست نوازی یا احسان شناسی کے طور پر 'نقش طاؤس' کے مصنف کی حیثیت سے اپنے دوست یا مربی کو بھی شریک کر لیا ہو۔ مولوی حسن علی عرصہ تک پنڈت کیشورام بھٹ کے ساتھ رہے تھے اور ان کے اخبار میں کام کرتے تھے جس کے لئے ان کو کوئی معاوضہ ملتا ہوگا۔ پنڈت جی کے نیک سلوک کا بدلہ اس طرح ادا کیا کہ ایک پورا ڈرامہ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا اور ان کو اس کا مصنف یا مؤلف بنا دیا۔ پنڈت جی کے نام کی طرف "سجاد سنبل" کی تصنیف کے انتساب کا راز غالباً یہی ہے۔

"شاد کی خود نوشت سوانح عمری "شاد کی کہانی شاد کی زبانی" کے چھپ جانے سے بہت سے متنازعہ فیہ مسئلے جن پر معترضین اور حامیانِ شاد کے درمیان مدتوں بحث ہوتی رہی ہے تقریباً طے ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک معاملہ ناول 'صورۃ الخیال' کی تالیف کا بھی ہے۔ اس قضیہ کا شاد نے جن الفاظ میں تذکرہ کیا ہے ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب شاد کی

١۔ دیباچہ 'صورۃ الخیال' (پہلا دیباچہ) اشاعت ١٨٩٣ء مطبع قیصری پٹنہ

٢۔ "البنچ" شمارہ ٢٣ سال اول مورخہ ١٧ ستمبر ١٨٨٦ء۔ راقم السطور کے مضمون "اخبار البنچ بانکی پور کا پہلا سال" مطبوعہ "ہمارا بہار" آزادی نمبر مورخہ ١٥ اگست ١٩٦١ء کی طرف رجوع کریں۔

تالیف نہیں ہے۔ شاد نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ یہ ناول ۱۸۷۶ء میں حسب ایما منشی حسن علی مرحوم مسلم مشنری لکھا گیا[1] اور دوسری جگہ یہ اقرار کر لیا کہ مولوی حسن علی مرحوم مسلم مشنری بھاگلپور ایک زمانہ میں برسوں تک ان کے پاس آیا کرتے تھے[2] ان کے ترغیب دینے اور اسلوب بتاتے پر اور اندھرا (اندرا) نام بنگلہ ناول سنانے پر انہوں نے (یعنی شاد نے) بھی ۱۸۷۶ء میں ایک ناول لکھا۔ اب 'صورۃ الخیال' کے دیباچہ میں پلاٹ کے متعلق دعویٰ اور مذکورہ بالا ارشادات کو سامنے رکھکر غور فرمایئے تو دونوں بیانات کے تضاد سے حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ اس الزام کے بارے میں کہ شاد نے کسی دوسرے شخص کا مسودہ اپنے نام سے چھپوایا شاد نے یہ جواب دیا ہے "بات اتنی تھی کہ بلاشبہ قبل اس ناول کے چھپنے کے ایک صاحب کوئی قصہ لکھکر اصلاح زبان کے لئے لائے تھے۔ سید صاحب (یعنی شاد) نے جو ایک دو صفحے پڑھوا کر سنے تو دیکھا کہ انتہا سے زیادہ زبان اصلاح طلب ہے صاف انکار کر دیا کہ مجھ سے یہ درد سر نہ ہو سکے گا[3] جو لوگ مفہوم بین السطور سمجھ سکتے ہیں ان کو یہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ شاد کے خلاف "صورۃ الخیال" کے تصنیف کے بارے میں ان کے معترضین کی رائے کس قدر صداقت کے قریب تھی۔"

"اگر اوپر کی سطروں میں پیش کردہ خارجی شہادتوں سے صرف نظر بھی کر لیں تو اس بات کے متعدد داخلی شواہد موجود ہیں کہ 'نقش طاؤس'، 'سجاد سنبل' اور 'صورۃ الخیال' تینوں ایک ہی شخص کے قلم کی پیداوار ہیں۔ آیئے ان شواہد کا بھی جائزہ لیں۔"

"مولوی حسن علی کی قصہ نگاری کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ بنگلہ زبان کے قصوں کو اخذ کر کے ان پر اس طرح رنگ چڑھاتے اور اشخاص اور مقامات کے نام کو اس طور پر بدل دیتے ہیں کہ وہ عین بہار کی سرزمین اور ماحول کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ 'نقش طاؤس' کے واقعات پٹنہ شہر کے محلہ خواجہ کلاں اور کوا کھوہ (کنواں شکوہ کا عامیانہ تلفظ) اور قصبہ منیر میں رونما ہوتے ہیں یہ خصوصیت 'سجاد سنبل' اور 'صورۃ الخیال' میں بھی موجود ہے۔ 'سجاد سنبل' کا قصہ بہار شریف امیر محلہ اور مراد محلہ پٹنہ (باقر گنج اور صدر سڑک) اور راج محل سے تعلق رکھتا ہے۔ 'صورۃ الخیال' کے واقعات پٹنہ (کوا کھوہ) صاحب گنج۔ نیماندان اور راج محل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ بات معنی خیز ہے کہ 'کوا کھوہ' کا نام 'نقش طاؤس' اور 'صورۃ الخیال' میں مشترک ہے۔ راج محل بھاگلپور سے نزدیک ہے اور اس لحاظ سے مولوی حسن علی مرحوم سے اس کا جو تعلق

---

[1] شاد کی کہانی شاد کی زبانی ص ۱۰

[2] شاد کی کہانی شاد کی زبانی ص ۵۱

[3] شاد کی کہانی شاد کی زبانی ص ۵۲

ہوسکتا ہے۔ وہ ظاہر ہے ’’مصورۃ الخیال‘‘ کا ’صاحب گنج‘ درحقیقت وہ قصبہ ’صاحب گنج‘ ہے جو بھاگلپور سے قریب ہے رہ کہ گیا۔ جسے عرف عام میں اس وقت ’صاحب گنج‘ بھی کہا جاتا تھا۔ ارشاد نے اپنی اصلاع سے صاحب گنج کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ گیا معلوم ہوتا ہے پھر بھی بعض واضح قرائن موجود ہیں۔ جن سے حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے۔

مولوی حسن علی مرحوم کی تحریر کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ افراد داستان کی گفتگو خود ان کی زبان میں پیش کرتے ہیں۔ جو شخص جس مقام اور طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اس کی گفتگو کی زبان اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ گنواروں اور جاہلوں کی باتوں میں ان ہی کی نمایاں زبان استعمال ہوئی ہے یہ وصف بھی تینوں کتابوں میں مشترک ہے۔ پہلے ’نقش طاؤس‘ میں سے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں :-

’’ کوالکھوہ کی رہنے والی بیوہ تمباکو فروش نصیبن کی زبان :- بہن یہ کا گجب ہوا؟ اب کا ہوگا؟ کوئی گریب دکھیا اب کاہے کو جیئے گا‘‘ ’ نہیں بہن ساری ہوگئی ہوتی، تب کا بات تھا‘ اپسوس تو اسے ہی کا ہے کہ سب کر کھانا (یعنی کارخانہ) مردانا ہے۔‘‘

ایک دائی کی گفتگو :-

’’ اے بی بی، احمد میاں کہن ہیں کہ ہم کو ترا ای طرح سے اچھا نہ معلوم ہوے ہم اور تم اِکے محلے کے رہنے والے ہیں۔ ہم نہیں کہیں ہیں کہ تم میرے گھر رہو۔ تمرے باپ کا گھر ہم مہاجن سب کو رہا دے کے لیا ہے سو تم اپنے گھر میں جاکے رہو اور گھر ہم تم کو لے دیا۔‘‘

’’ ڈراما ’سجاد سنبل‘ میں ایک دائی کی زبان ملاحظہ ہو۔

’’ بی بی دیوان جی کہن ہیں کہ ہم تو چھٹی بھی لکھ چکے پر تب بھی یہاں نہ آئے۔ اب ہم کا کریں اور کہن ہیں کہ ہمارے کہے سے نہیں آدیں تو ایک بیر تم بھی لکھ کے دیکھو۔‘‘

حسینی ملازم کی گفتگو سنئے :- ’’ ہیاں اوے کھاتر کال تین بجے سپر جکے تھے، بلکہ اسٹیشن بھی جا چکے تھے۔ اسٹیشن پہ پہنچ کر جبھی میاں ٹکس لیوے کو بڑھے ہیں تیوں ہی کیا دیکھیں کہ ایک نگوڑی بڑھیا ٹھکار پار کے رو رہی ہے۔ ...‘‘

ایک بنگالی سائنس دان کی زبان :-

’’ تو ایش میں کیا آپ کو آبی تک سندیہ ہائے ؟ (تو اس میں کیا آپ کو ابھی تک سندیہہ یعنی شک ہے) تو شن البت باندور کالیٹر کا بلا ہے۔ ایشی بات کے واسطے ہم ہمار ہا جار پران دینے پارتا ہامے۔‘‘

’’ مصورۃ الخیال‘‘ میں بھی مکالمے کا یہی رنگ ہے۔ حسینی ملازم کی گفتگو سنئے :-

"مگر دولہا میاں سے تو ملاقات تک نہیں ہوئی۔ کل سے رُکا ئے ہوئے بیٹھا بیچا مجبور کے پاس چلا آیا۔ سرکار نواں کا تو حال ہی دوسرا ہو گیا۔ نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ کوئی کھاتو کرنے والا ہے"

ایک بنگالی وکیل کا لب و لہجہ ملاحظہ ہو۔

"کیوں بابو یہ بارٹی آپ خریدا، اچھا اگر آپ کو ناپسند ہو تو ہوم کو دے دیجئے۔"

انگریز صاحب ہندوستانی بولنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی زبان کا حال دیکھئے:

"ٹومارا کیسٹ بھوت اچھا تھا۔ دیکھو ہم کیسا جوان آدمی تم کو ملا ہے اب تم ہماری کوٹھی میں رہو۔ ہم تم کو لیڈی بنا دے گا۔"

آغا سلیمان کی بیوی کا (جو ایرانی تھی) طرزِ گفتگو ملاحظہ کیجئے۔

"ہمارا آغا بڈّھا ہونے کو آیا ہے۔ مگر اب تک پدر سگ بدنیتی کرتا ہے ای خدا اِس جہنم میں ڈالے گا۔"

قارئین کرام نے یہاں یہ بات ضرور ملاحظہ کی ہوگی کہ حسینی میاں ملازم "سجاد سنبل" اور "صورۃ الخیال" دونوں میں موجود ہیں۔ اس طرح بنگالی بابو بھی دونوں ہی میں نظر آتے ہیں۔ "سجاد سنبل" میں محمودہ، ہیرو سجاد کی سوتیلی ماں ہے اور نقش طاؤس قصے کی ہیروئن کا نام بھی محمودہ ہی ہے"

"تینوں کتابوں کے قصوں کا موضوع بھی تقریباً مشترک ہے شریف عورت ناساعد حالات اور مخالف ماحول میں اپنے گوہرِ عصمت کی ہر طرح حفاظت اور اپنی پاکدامنی کو برقرار رکھنے کے لئے تمام خطرات کا مقابلہ کرتی ہے۔ بلکہ جان تک قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتی۔ اس (کی) شرافت خدا ترس لوگوں کو متاثر کرتی اور تائید غیبی اس کے شامل ہوتی ہے "سجاد سنبل" میں شمشیر بہادر گلشن کی عصمت کے درپے ہوتا ہے۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ سنبل بھی چند نشہ خواروں کے پنجے میں پھنس جاتی ہے۔ لیکن اپنے خدا پس بھار کھ کر ایک حیلے سے اپنا دامنِ عصمت بے داغ رکھتی ہے۔ "نقش طاؤس" کی ہیروئن محمودہ کی پاکدامنی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جس میں وہ سو فیصد کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ "صورۃ الخیال" میں بھی دلاری کے لئے متعدد مقامات پر ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس کی آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ لیکن وہ ہر موقع پر اپنی ثابت قدمی اور صادق محبت کے باعث مصیبتوں سے نجات حاصل کر لیتی ہے اور اسکی عزت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ درحقیقت یہ تینوں تالیفات کا مقصد عورتوں کی اخلاقی تعلیم اور سماج کی اصلاح ہے"۔

"ماخذ داستان، مقصد و موضوعِ قصہ۔ طرزِ تحریر و انداز بیان اور اشخاص و اماکن کے نام کے لحاظ سے تینوں کتابوں میں جب اس قدر اشتراک پایا جاتا ہے تو ہم یہ مان لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کا مؤلف ایک ہی شخص ہے"۔

"شاد کے ناول کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس پہ غور کرنے سے ان کا "صورۃ الخیال" کا مصنف ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے۔ "صورۃ الخیال" کی شہرت و مقبولیت کو دیکھ کر شاد نے قصے میں اضافہ کر کے اسکی دو اور جلدیں تصنیف کر دیں۔ یعنی "ہیئتہ المقال" اور "حلیتہ الکمال"، لیکن قصے کی دلکشی اور زبان و بیان کے لحاظ سے یہ دونوں حصے "صورۃ الخیال" کے مقابلے میں بہت کمتر ثابت ہوئے اصل قصے میں اضافہ تو کم ہوا ہے البتہ بہت سی غیر متعلق باتیں داخل کر دی گئی ہیں۔ جن سے قصہ خشک اور بے لطف ہو گیا ہے۔ جغرافیائی معلومات، قانون کے نکات اور کچہری کے معاملات، تعلیم نسواں کے برکات، حفظان صحت کے اصول کی تصریحات، معالجے کی ترکیبیں اور نسخے، اخلاقی موعظت اور مذہبی مباحث کا حصہ اتنا زیادہ ہے کہ ان دونوں میں "مرآۃ العروس" اور "بنات النعش" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

"صورۃ الخیال" اور اسکی دوسری جلدوں میں طرز تحریر کے اعتبار سے بھی نمایاں فرق ہے۔ زبان کی فطری سادگی اور سلاست جو "صورۃ الخیال" کی ہر سطر سے ظاہر ہے وہ "ہیئتہ المقال" اور "حلیتہ الکمال" کی عبارت میں گویا مفقود ہے۔ ان دونوں کی طرز تحریر سے تصنع اور تکلف صاف طور پر عیاں ہے۔ چونکہ ساری داستان ولایتی خود کہتی ہے کتاب میں عورتوں کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ لیکن "صورۃ الخیال" میں یہ استعمال بہت بے ساختہ ہے۔ اس کے برعکس "ہیئتہ المقال" اور "حلیتہ الکمال" میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کوشش کر کے عورتوں کے محاورے زیادہ سے زیادہ استعمال کئے ہیں۔ "صورۃ الخیال" میں ولایتی نے ایک خط اپنے شوہر کو لکھوایا ہے۔ اور "حلیتہ الکمال" میں اسی نے ایک دوسرا خط اپنے باپ کو تحریر کرایا ہے۔ دونوں کی عبارت ہندی کا مقابلہ کرنے سے ان کا فرق واضح ہو جاتا ہے اول الذکر خط سادہ و بیساختہ عبارت میں ہے۔ لیکن دوسرے خط کی تحریر میں فارسیت زیادہ نمایاں ہے۔ ولایتی جب سفر کی صعوبتیں سہہ کر آخر میں اپنے گھر پہنچی ہے تو اس نے خدا سے دعا مانگی ہے یہ دعا بہت طول طویل اور پر تکلف ہے۔ اس میں پارلیمنٹ، غنیم کی لشکر کشی وغیرہ کے اتنے استعارے استعمال کئے گئے ہیں جو ولایتی ایسی معمولی پڑھی لکھی عورت سے مستبعد ہے۔ اس دعا کے بارے میں اخبار "الپنچ" کا یہ اعتراض حق بجانب ہے کہ عورت تو کیا کوئی مرد بھی ارتجالاً اور نماز کے بعد ایسی دعا کبھی بھی نہیں مانگ سکتا۔ اس کا ہر جملہ پیچیدہ اور محض بناوٹ کے استعارات و تشبیہات سے بھرا ہوا ہے۔"

"ناول کے آخری دو حصوں میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو پہلے حصہ کے بیانات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ولایتی بیگم جب ایک ایرانی آغا سلیمان کے گھر دعوت کو گئیں تو یہ فارسی نہیں بول سکتی تھیں۔ آغا کی بیوی نے اُن سے بگڑی ہوئی ہندوستانی میں باتیں کیں۔ لیکن حصہ سوم میں جب سفر حج میں ولایتی کی ملاقات ایک ایرانی عورت سے ہوئی تو دونوں میں گفتگو فارسی زبان میں

ہوئی۔ یہاں ولایتی کی زبان بہت صاف و صحیح اور بامحاورہ فارسی تھی"۔ "صورۃ الخیال" میں حسینی ملازم ان پڑھ شخصیت کی حیثیت سے پیش ہوا ہے۔ لیکن تیسرے حصہ میں جب وہ ولایتی کے ساتھ سفر حج میں جاتا ہے تو اسکی گفتگو نہایت صاف اور خواندہ لوگوں کی طرح ہے"۔

"مذکورہ صدر تمام اوصاف اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ 'صورۃ الخیال' کا مصنف کوئی دوسرا شخص ہے اور ناول کے باقی دو حصے جناب شاد عظیم آبادی کی تصنیف ہیں۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'صورۃ الخیال' کی اشاعت کے بعد اصلی مصنف نے شاد کے دعوی کو چیلنج کیوں نہیں کیا۔ اور شاد وہ تمام تحسین و آفرین اور انعام و تمغہ حاصل کرتے رہے جس کے وہ مستحق نہ تھے اور اصلی مصنف نے اپنی حق تلفی کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہ کی یہ بات پہلے لکھی جاچکی ہے کہ 'صورۃ الخیال' کی اشاعت کے فوراً بعد واقف کار حلقوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ بلکہ مولوی محمد اعظم نے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے شاد کو زبان کی اصلاح کے لئے ناول کا مسودہ دیا تھا۔ لیکن شاد نے اس کو واپس کرنے کی بجائے اسے اپنے نام سے شائع کر دیا۔ اصلی مصنف کے پاس کوئی تحریری ثبوت موجود نہ تھا کہ وہ اس سرقہ کو ثابت کرتا۔ مولوی حسن علی مرحوم نے بھی اس امر کو زیادہ اہمیت نہ دی ہوگی۔ کیونکہ ان کے دل و دماغ میں ایک انقلاب آرہا تھا وہ روز بروز مذہبی معاملات اور دینی تبلیغ کی طرف مائل ہوتے جارہے تھے۔ اور اس میں ان کا انہماک بڑھتا جارہا تھا۔ ایسی صورت میں ان کو ناول اور افسانہ وغیرہ کی لغو کتابوں سے کوئی دلچسپی نہ رہی ہوگی۔

"مولوی حسن علی مرحوم یورپین فلسفہ اور سائنس جدید کے سخت مخالف تھے ان کا خیال تھا کہ دونوں چیزیں اسلام کی سخت دشمن ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں رخنہ اندازی کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ انگریزی تعلیم کو بھی ناپسند کرتے اور سرسید احمد خان کی تعلیمی کوششوں کو مضرت رساں سمجھتے تھے۔ ان کے اس عقیدہ کی جھلک ڈراما 'سجاد سنبل' (میں) نمایاں ہے اس زمانہ میں ڈارون کے نظریہ ہبوط آدم اور تنازع للبقاء کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا مولوی حسن علی مرحوم نے اکبر احمد آبادی کی طرح 'سجاد سنبل' میں اس نظریے کا خوب مضحکہ اڑایا ہے"۔

"راقم السطور کے تمام بیانات کا مقصد اور ماحصل یہ ہے کہ) مولوی حسن علی مرحوم اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہ 'نقش طاؤس'، 'سجاد سنبل' اور 'صورۃ الخیال' کے مؤلف ہیں جو اردو ادب کے جادۂ ارتقا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱؎ - از مؤلف اصحاب احمد: مولوی حسن علی صاحب اس رنگ میں سائنس اور فلسفہ کے اور سرسید احمد خان کے مخالف نہ تھے جو صاحب مقالہ نے سمجھا ہے۔

ایک قابلِ قدر شہادت

امریکہ کے جناب الیگزنڈر ویب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔ اس بارے میں مولوی صاحب رقم فرماتے ہیں:۔

"ملک امریکہ میں اسلام کیونکر پھیل رہا ہے اس قصہ سے بہت حضرات پورے واقف نہیں ہونگے۔ ملک امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں ۱۸۴۶ء میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام الگزنڈر رسل ویب رکھا گیا۔ اس شخص کا باپ ایک نامی و مشہور اخبار کا ایڈیٹر و مالک تھا۔ ویب صاحب نے کالج میں پوری تعلیم پائی اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ ویب صاحب کی لیاقت علمی طرز تحریر کا شہرہ دور دور ہوا ایک روزانہ اخبار سینٹ جوزف میسوری ڈیلی گزٹ کی ایڈیٹری کے معزز عہدہ پر ویب صاحب کی دعوت کی گئی۔ پھر اس کے بعد اور کئی اخباروں کی ایڈیٹری کا کام ویب صاحب کے سپرد ہوتا رہا۔ کوئی صاحب لفظ اخبار کے کہنے سے کہیں رفیق ہند علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، اخبار عام کی ایڈیٹری نہ سمجھ لیں۔ ہندوستان کے دیسی اخباروں کو امریکہ کے اخباروں سے وہی نسبت ہے جو ایک تین چار برس کے لڑکے کو ایک چالیس پچاس برس کے ذی علم و تجربہ کار شخص کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ امریکہ کے اخباروں کی تعداد کا حساب ہزاروں سے نہیں ہوتا بلکہ لاکھوں سے پھر ایڈیٹر بھی ایسی لیاقت و دماغ کا آدمی ہوتا ہے جو اگر ضرورت ہو تو وزارت کے کام کو بھی انجام دے سکے۔ جس اخبار کے ویب صاحب ایڈیٹر تھے وہ امریکہ میں دوسرے نمبر کا اخبار گنا جاتا تھا۔ یعنی ایک ہی اخبار ساری قلمرو میں ایسا تھا جو ویب صاحب کے اخبار سے زیادہ درجہ اور رتبہ کا تھا۔ ویب صاحب کی قابلیت اور لیاقت کا ایسا شہرہ ہوا کہ پریزیڈنٹ صدر امریکہ نے ان کو سفارت کے معزز عہدہ پر مقرر کرکے جزیرہ فلپائن کے پایہ تخت منیلا کو روانہ کیا۔ سفیر سلطنت گورنر کا ہم رتبہ ہوتا ہے۔

"۸۷۲ء میں مسٹر ویب نے دین عیسوی کو ترک کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب سراسر خلاف عقل و عدل ہے کئی برس تک ویب صاحب کا کوئی دین نہ تھا لیکن ان کو ایک قسم کی بے چینی تھی۔ دل میں خیال کیا کہ اس جہان کے سارے ادیان پر غور کروں شاید ان میں سے کوئی سچا مذہب ہو پہلے پہل بدھ مذہب کی تحقیقات شروع کی تحقیقات کامل کے بعد اس مذہب کو تشفی بخش نہ پایا۔ اسی زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان کے انگریزی اشتہارات کی یورپ و امریکہ میں خوب اشاعت ہو رہی تھی۔ ویب صاحب نے اس اشتہار کو دیکھا اور مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ویب صاحب نے دین اسلام قبول کر لیا۔

حاجی عبداللہ عرب ایک میمن تاجر ہیں جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا سامان کر دیا تو ہجرت کرکے مدینہ میں جا بسے۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تو تیار ہو گئے۔ لیکن عرب کے بدوؤں کے ہاتھوں پھل ملنا مشکل آخر بیچارے پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ جدہ میں آکر ایک مختصر پونجی سے تجارت شروع کر دی۔ بمبئی سے تجارتی تعلق ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آ جاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو مادرزاد ولی بنایا ہے۔ اس کمال و خوبی کا مسلمان میری نظر سے بہت ہی کم گزرا مثل بچوں کے دل گناہوں سے پاک و صاف۔ خدا پر بہت ہی بڑا توکل۔ ہمت نہایت ہی بلند۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا وہ جوش کہ صحابہ یاد پڑ جائیں۔ اے خدا! اگر عبداللہ عرب کے ایسے پانچ سو مسلمانوں کی جماعت بھی قائم کر دے تو ابھی مسلمانوں کی دنیا ہی بدل جائے۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بھی تھوڑا سا جوش اہل اسلام کی خیر خواہی کا عنایت فرمایا ہے لیکن جب میں عبداللہ عرب کے جوش پر غور کرتا ہوں تو سر نیچا کر لیتا ہوں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ بڑا نیک ظن ہے اور وہ بھی مجھ سے محبت سے ملتے ہیں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقع ملا ہے۔ اگر میں ان کی روحانی خوبیوں کو لکھوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ مکہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اصلاح کے لئے قریب چار لاکھ روپیہ چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا۔ بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے انگریز مسٹر رسل ویب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سنا۔ فوراً انگریزی میں خط لکھا کر ویب صاحب کے پاس روانہ کیا۔ ویب صاحب نے بھی ویسے ہی گرم جوشی کے ساتھ جواب دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلا آ سکتے تو امریکہ میں اشاعت اسلام کے کام میں کچھ صلاح و مشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر صاحب سید اشہد الدین جھنڈے[۱] والے سے بیعت ہے۔ شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب کے دل میں ہے مجھ سے اس قدر تعریف ان کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے۔ ایک بار حضرت پیر سید اشہد الدین صاحب کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیر و مرشد سے صلاح ضرور ہی لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد سے منیلا جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ اس سفر میں کچھ خیر ہے۔ عبداللہ عرب

۱؎ پیر صاحب ضلع حیدرآباد سندھ تحصیل ہالہ میں رہتے ہیں ان کے لاکھوں لاکھ مرید ہیں اور علاقہ سندھ میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ ان کی کرامات و بزرگی کے سب قائل ہیں۔

صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تو بھی منیلا چل۔ میں انگریزی نہیں جانتا اور ویب صاحب اردو نہیں جانتے ایک مترجم ضرور چاہیے اور ایک نومسلم سے ملنا ہے نہ معلوم اس بیچارہ کو دین اسلام کے بارہ میں کیا کچھ پوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اس زمانہ میں کٹک میں تھا کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار کرتے رہے مسلمانانِ کٹک نے مجھکو جلد رخصت نہ دی آخر وہ ایک لیڈیشین نومسلم کو لے کر منیلا چلے گئے اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ بالاصرف ہوا۔ ویب صاحب سے ملاقات ہوئی یہ بات طے پائی کہ ویب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفا داخل کریں اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے ہندوستان آکر مجھ سے ملاقات کی اور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدرآباد میں قائم ہوا جس میں پانچ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہہ دیا کہ ابھی ویب صاحب کو عہدہ سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو جب تک چندہ پورا جمع نہ ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری دلسوزی اور ممبئی سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے تم نوکری سے استعفا داخل کر دو۔ چنانچہ ویب صاحب نے ویسا ہی کیا اور ہندوستان آئے میں ممبئی سے ساتھ ہوا۔ ممبئی۔ پونہ۔ حیدرآباد مدراس میں ساتھ رہا۔ حیدرآباد میں ویب صاحب نے مجھ سے کہا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے انہیں کی وجہ سے میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی بدنامی وغیرہ کا جو قصہ میں نے سنا تھا ان کو سنایا۔ ویب صاحب نے ایک خط مرزا صاحب کو لکھوایا جس کا جواب آٹھ صفحہ کا حضرت نے لکھ بھیجا۔ اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کر کے ویب صاحب کو سنا دینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ویب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت اقدس کا خط سنتے رہے۔ خط میں حضرت نے اپنے اس دعوے کو مع دلیل کے لکھا تھا پنجاب کے علماء کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا حضرت نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے (یعنی ویب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ ویب صاحب حاجی عبداللہ عرب اور میری ایک کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہئے رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں چندہ جمع کرنا ہے ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام میں نقصان پہنچایا جائے اب اس بدفیصلہ پر افسوس آتا ہے۔ ویب صاحب لاہور گئے تو اسی خیال سے قادیان نہ گئے لیکن بڑے افسوس کی بات یہ ہوئی کہ ایک شخص نے ویب صاحب سے پوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے تو انہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہے۔ لوگوں نے ویب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا۔

"غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کر کے ویب صاحب تو امریکہ جا کر اشاعت اسلام کے

کام میں سرگرم ہو گئے۔ دو ماہ تک میں دب صاحب کے ساتھ رہا۔ وب صاحب حقیقت میں آدمی معقول ہے اور اسلام کی سچی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا ان کے معلومات بڑھانے خیالات کو درست کرنے اور مسائل صوم و صلوٰۃ کی تعلیم میں کوشش کی۔ اور شیخ محمد میرا ہی رکھا ہوا نام ہے جیسا میں نے لکھا تھا طلب اسلام۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا لیکن ادا ہوتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن نہ دیکھا اپنی دورنگ۔ لاکھوں روپیہ خلاف شرع شریف خرچ کرنے میں مسلمان مستعد و سرگرم ہی رہے اور اس بہت بڑے کام میں کچھ بھی نہ دیا۔ صرف رنگون اور حیدرآباد دکن سے تو کچھ کیا گیا کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے وہ تیس ہزار ہوں گے۔ جس میں حاجی عبداللہ صاحب عرب کا شاید ہزار رہا ہوگا۔ بیچارہ غریب حاجی اس نیک کام میں پس گیا۔

جب حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بے چینی میں مبتلا ہوئے تو اپنے پیر کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سید شاہد الدین صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی تصرفات کی وجہ سے اشاعت ہو رہی ہے۔ ان سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہوگا۔ دوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی۔ اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کی علمائے پنجاب و ہند نے تکفیر کی ہے۔ ان سے کیونکر اس بارہ میں کہا جائے۔ اس بات کو سن کر شاہ صاحب نے بہت تعجب کیا اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور استخارہ کیا خواب میں جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضور نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اٹھ کر شاہ صاحب نے کہا اب میری حالت یہ ہے کہ میں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا۔ اور اگر وہ مجھکو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جب کہ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اور دوسرے صاحبوں نے خواب کا حال سنا اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں سب نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں آپ کی طرف سے کوئی دوسرے صاحب حضرت مرزا صاحب کے پاس جا سکتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ عرب صاحب قادیان گئے اور سارا قصہ بیان کر کے خواستگار ہوئے کہ حضرت اقدس اس طرف متوجہ ہوں تاکہ اشاعتِ اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔ بیان مذکور بالا میں نے خود حاجی عبداللہ عرب صاحب سے سنا ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں حاجی صاحب کو میں ایک نہایت ہی اعلےٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس خبر کو جھوٹ سمجھنے کی

کوئی وجہ نہیں ہے جس حالت میں مرزا صاحب ایک بد نام شخص ہو رہے ہیں اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں۔ عبداللہ عرب صاحب کو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے بارے میں ایک ایسا قصہ تصنیف کریں جس سے ظاہراً اُن کا نقصان ہی نقصان ہے۔"

ویب صاحب کی ہندوستان میں آمد اور مولوی حسن علی صاحب کا مشورہ حضرت اقدس سے ملاقات نہ کرنے کے بارے میں اس وقت کی بات ہے جب آپ نے ابھی حضرت اقدس کی ملاقات (جو ۱۸۸۷ء میں کی) ابھی نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ضائع ہونے سے محفوظ کر لیا اور جسے اپنی ہدایت سے خدمت دین کے لئے دنیوی علائق سے علیحدہ کر دا کے بہت مفید کام لیا تھا اور "خادم المسلمین" کا لقب دیا تھا۔ اور اسے اپنی بے نظیر تائیدات سے مؤید کیا اور اس کے قلب صافی کو اپنے نور سے منور کیا تھا اسے حضور کے خدام کے زمرہ میں لے آیا۔ اور حاجی صاحب پر بھی انکشاف ان کے پیر صاحب کے ذریعہ ہو گیا اور ویب صاحب پر بھی حقیقت واضح ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں اپنی زیارت کی محرومی پر اظہار ندامت و تاسف کیا اور آپ کی تبلیغ سے ایک امریکی مسٹر اینڈرسن نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے خط و کتابت کر کے ۲۶ ستمبر ۱۹۰۱ء کو اسلام قبول کیا۔ اور حضرت اقدس نے ان کا نام احمد رکھا۔ ویب صاحب کو ہمیشہ حضور سے عقیدت رہی انہوں نے حضور کے وصال پر لکھا:۔

"مرزا صاحب نے ایک بڑا کام پورا کیا اور سینکڑوں کے دلوں میں نور صداقت پھیلایا جن تک غالباً صداقت کسی طرح نہ پہنچ سکتی تھی ۔۔۔۔ لاریب اس شخص کو خدا تعالیٰ نے اس بڑے کام کے واسطے برگزیدہ کیا تھا۔ جو انہوں نے پیدا کر دکھایا ہے اور مجھے اس میں شک نہیں کہ وہ فردوس بریں میں اولیاء و انبیاء کی رفاقت سے لطف اندوز ہوگا۔"

جستجوئے امام الزمان

آپ یہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمانانِ ہند کی نصرت کے لئے اللہ کسی عظیم الشان شخص کو پیدا کرے گا۔ چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں:۔

"میرے رسالوں کے مضامین پڑھ کر، میرے دعظوں کو سن کر پٹنہ کے کئی صاحب کہنے لگے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ جس علی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجدد پیدا ہوا ہے۔ ہگلی مدرسہ سے ایک مشہور عالم نے مجھ کو لکھا کہ حضرت امام غزالی نے جو کام اپنے زمانہ کے لئے کیا وہ کام تم اس زمانہ کیلئے کر رہا ہے۔ گویا چاروں طرف سے تحسین و آفرین کی صدا میرے کانوں میں

ذکر حبیبؓ مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ص ۲۸۱ تا ۲۹۰) و حیات احمد جلد سوم جز سوم ص ۱۹۵ تا ۲۰۸)

آئی تھی لیکن میں خوب سمجھتا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں جس کو یہ لوگ تلاش کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے میرے دل پر اس بات کو کھول دیا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی بہت بڑے رتبہ اور پایہ کا مجدد ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جب میں لاہور گیا اور میرے لاہور کے دوستوں نے مجھ کو ایک منصف صاحب کے مکان پر اتارا تھا تو میں ایک شب ..... (ان) سے کہنے لگا کہ مجھکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کی امداد و اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے شخص کو پیدا کرنے والا ہے۔ میرے خیال میں اُس شخص کو مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا چاہیئے۔

۱۔ عالی خاندان ہو۔ ۲۔ خوشحال یعنی رزق کے لئے غیر کا محتاج نہ ہو۔

(۳) صورت و شکل میں بھی اچھی وجاہت رکھتا ہو۔ ۴۔ بہت بڑا اسپیکر ہو۔

(۵) عربی میں بہت بڑی لیاقت رکھتا ہو۔ ۶۔ مغربی علوم سے واقفیت رکھتا ہو اور زبان انگریزی میں خوب کمال رکھتا ہو۔ اور انگریزی تحریروں اور تقریروں سے سارے یورپ اور امریکہ کو ہلا سکتا ہو۔ ۷۔ صاحب کرامات ہو تاکہ وہ موجودہ دہریت اور باطل فلسفے کے زور کو خدائی نشان دکھا کر توڑ سکے۔

میں نے اپنے لاہور کے دوستوں سے کہا تھا کہ معلوم نہیں کہ ایسے بزرگ کے ظہور تک زندہ رہ سکوں گا اگر سامعین میں سے کوئی صاحب ایسے ہادی کے حضور میں حاضر ہوں تو اُس کو میرا سلام ضرور عرض کریں۔

بعض نوجوان تعلیم یافتہ صاحبوں نے مجھے کہا کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے اور زمانہ حال کے مجدد سر سید احمد خان بہادر کے سی ایس آئی۔ ہیں جن کی عالی خاندانی میں کیا شک ہے۔ سادات ہی سے ہیں۔ وجاہتِ ظاہری بھی ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے۔ مقرر ایسے ہیں کہ سارے ہند میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عربی میں گو فاضل نہیں لیکن معلومات دینیہ و تجسس و تحقیقاتِ مسائلِ دینی میں کوئی مولوی فاضل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریر ایسی زبردست ہے کہ باریک سے باریک باتوں کو ایسا صاف و آئینے کی طرح لکھ کر دکھاتے ہیں کہ کسی اور سے ہونا مشکل ہے۔ وہ ہندوستان میں ایک نئی طرزِ تحریر کے موجد ہیں۔ کل ایڈیٹرانِ اخبار سید صاحب کے نقال معلوم ہوتے ہیں۔ دماغ ایسا جامع پایا ہے کہ کوئی علم ایسا جہان میں نہیں ہے کہ جس سے مناسبت نہ ہو۔ باوجود قانون دان نہ ہونے کے گورنر جنرل کے بڑے بڑے لائق ممبرانِ کونسل کو قانونی اعتراضات دکھا کر دنگ کر دیا۔ گورنر جنرل صاحب بھی قائل ہو گئے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسا عالی دماغ شخص موجود ہے جو وزارتِ انگلستان کے عہدے کو بھی انجام دے سکتا ہے۔ ہمت ایسی بلند ہے کہ سارے ہندوستان کے مسلمان بگڑ گئے لیکن کسی کی پرواہ نہ کی۔ ایک کالج قائم ہی کر کے چھوڑا۔ وہ کالج

بنایا جو شاہان وقت سے ہونا مشکل ہے۔ عجیب دماغ ہے کالج کے انجنیر بھی آپ ہی۔ حضرت کو بلاغت میں بھی بڑا دخل ہے۔ دل ایسا نرم ہے کہ ہزاروں لاکھوں کو رلاتے رلاتے بیہوش کر دیں۔ گو انگریزی نہیں جانتے لیکن محرروں سے ترجمہ کروا کر یورپ کے کل خیالات سے واقف ہیں۔ سید صاحب کے سیکڑوں ہمیشہ لائق اور بی اے پاس کئے ہوئے اشخاص رہے ہیں۔ گو سید صاحب انگریزی میں تحریر نہیں کر سکتے لیکن انگریزی میں ترجمہ کروا کر خطبات احمدیہ ایک ایسی کتاب چھاپی ہے کہ سارے یورپ میں اس کا شہرہ ہے۔ پادریوں کا ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ انہیں سر اٹھانا مشکل ہے۔ جاں نثار قوم ایسے ہیں کہ کاسۂ گدائی لئے ہوئے باوجود بڑھاپے کے سارے ہندوستان میں قوم کے لئے بھیک مانگتے پھرے۔ پھر ایسا جاں نثار قوم، ایسے دل و دماغ کا آدمی اگر مجدد الوقت نہ کہا جائے تو کون مجدد ہونے کے لائق ہے"

میرا جواب یہی ہے کہ ہاں سب ٹھیک، لیکن افسوس ہماری بدقسمتی پر سید صاحب میں ایک ایسی چیز نہیں ہے جس سے ساری خوبیاں دھری جاتی ہیں۔ تقویٰ، سچا خوف خدا۔ سید صاحب کی عقلی آنکھیں تیز ہیں لیکن ایمان و عرفان کی آنکھیں یکبارگی اندھی ہیں اگر ان کے دل میں رتی بھر بھی زندہ ایمان ہوتا تو وہ کبھی منکر خدا کو اپنے 'تہذیب الاخلاق' میں مسلمان نہ کہتے۔ اگر منکر خدا و رسول بھی مسلمان ہے تو اہل اسلام کے لئے آٹھ آٹھ آنسو رونے کی کیا ضرورت ہے۔ سارا یورپ تو ایسے مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے۔ افسوس صد افسوس ہماری بدقسمتی پر کہ سید صاحب کا سا عمدہ قابلیت کا آدمی دہریہ فلسفے کے اگر چاہیں سمجھا لے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جو اخیر رات کو یاد الٰہی میں روتی ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ سید صاحب اس سجدے سے بے خبر ہو گئے ہیں جس میں عجیب پیاری فروتنی و انکساری ہوتی ہے کہ بندہ اپنے مالک سے گویا مل ہی تو جاتا ہے۔ اگر سید صاحب میں وہ ایمانی خلوص، خدا و رسول کی محبت ہوتی تو عجب نور ان کے چہرے پر نمایاں ہوتا۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر بھٹکے ہوئے راہ پر آتے۔ گنہگار تائب ہو جاتے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سید صاحب کا جو جس قدر رشید و عاشق ہوتا ہے۔ اتنا ہی وہ نماز روزے سے متنفر اور تلاوت قرآن مجید سے کارہ ہوتا ہے۔ سید صاحب کے معتقدوں کی فاسقانہ زندگی کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ سید صاحب کا علم کون ہے۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ نہیں ایک مسلمان شرابی سے سید صاحب شراب نہیں چھڑا سکے۔ سید صاحب کی تحریروں اور تقریروں اور صحبت کا اثر تو البتہ ہوا ہے کہ سیکڑوں نوجوان شرابی بدچلن، بے نمازی، مسخرے، انگریزوں کے نقال بنے ہیں۔ انگریزوں میں جتنی خرابیاں ہیں وہ سب نہایت آسانی سے حاصل کر لیں۔ کیا قومی ترقی اسی کا نام ہے! اگر یہ ترقی ہے تو اس ترقی کو میرا سات سلام"

"کیا یہ ممکن ہے کہ جس شخص کو اس صدی کا مجدد اور نائب رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہونا ہے اس میں سچے اور زندہ ایمان کی کچھ بو نہ ہو۔ اور ایمان کی روح کا منکر ہو۔ یعنی کیا وہ کل انبیاء، کل

اولیاء۔ کل صلحائے جہان کے خلاف دُعا کی اجابت کا منکر ہو سکتا ہے! کیا اس پائے اور رُتبے کا شخص جو ہم مسلمانوں کے چار دشمنوں کو شکست دے کر گھر کے تین دشمنوں کو راہ پر لانے والا ہے وہ خود ایسا گمراہ ہوگا (کہ) کہے کہ وحیِ نبوت ایک ملکہ ہے یعنی نبی جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے دل سے کہتا ہے، خدا کا زندہ کلام اس پر نازل نہیں ہوتا اور اس میں غیب کی کوئی بات نہیں ہو سکتی! کیا ایسا شخص کل انبیاء کے تجربہ کے خلاف ملائکہ کے وجودِ خارجی کا منکر ہو سکتا ہے! غرض میں سید احمد خاں صاحب کے بدعقیدوں کو کہاں تک گنتا چلا جاؤں۔ مختصر یہ ہے کہ ایک سچے ایماندار، خدا ترس آدمی کا دل کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ ایک دینی مصلح اور مجدد کے عقاید خلافِ اصولِ اسلام ہوں[1]

"میرا یہ پکا خیال ہے کہ موجودہ صدی کے مجدد کو اعلیٰ سے اعلیٰ روحانیت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کو بہت بڑی دہریت کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس کو ایسے لوگوں میں روحانی زندگی کی رُوح کو پھونکنا ہے جو زر پرستی، نفس پرستی کے گہرے کنوئیں میں گرے ہوئے ہیں۔ بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی صاحبِ ایمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید صاحب کی صحبت میں رہ کر دل میں خوفِ خدا پیدا ہونے لگتا ہے، دُنیا فانی معلوم ہونے لگتی ہے۔ موت ہر وقت پیشِ نظر ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے؟ میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ کوئی ایماندار اس بات کا اقرار نہیں کر سکتا۔ ہاں سید صاحب کی صحبت میں بیٹھ کر روپیہ کمانے کا، نام پیدا کرنے کا، خطاب پانے کا، انگریزوں سے رسوخ حاصل کرنے کا حوصلہ البتہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ راہ نہیں جو خدا کی طرف جاتی ہے۔ غرض مجھ پر یہ بات کھل چکی تھی کہ جناب سر سید احمد خان بہادر بالقابہ گو بڑے مصنف، مقرر، مقنن، فلاسفر ایک عظیم الشان کالج کے بانی ہوں، لیکن وہ ہندوستان کے اہلِ اسلام کے دینی مصلح اور اس صدی کے مجدد تو نہیں ہیں۔ پھر میں سوچ میں تھا کہ یا خدا! اگر سید صاحب دینِ اسلام کی ڈوبتی کشتی کے بچانے والے نہیں ہیں تو پھر کون اس کام کا کرنے والا ہے۔ دل برابر اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ کوئی ہونا تو ضرور ہے۔

"جب میں بڑے بڑے شان و عزت کے سجادہ نشینوں اور مولوی صاحبوں کی طرف خیال

---

[1] ... میں سید صاحب کا مکفر نہیں ہوں جب تک سید احمد خان صاحب کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکار پکار کر کہے جاتے ہیں میری ہمت نہیں پڑتی کہ ان کو کافر بناؤں جب تک سید صاحب کے پاس اس پاک کلمہ کا ٹکٹ ہے میں اُن کو اسلام کی گاڑی میں سوار ہونے سے روک نہیں سکتا۔ اگر ٹکٹ جعلی ہے تو وہ آخری سٹیشن پر ضرور پکڑے جائیں گے اور جعلی ٹکٹ والوں کی جو گت بنتی ہے وہ بنے گی ......،

دورا تا تھا تو بالکل مایوسی معلوم ہوتی تھی کیونکہ میں نے تجربہ سے دیکھ لیا تھا کہ یہ حضرات زمانے کی ضرورتوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر کوئی کشتی لڑنا اچھا جانتا ہو۔ پنجہ لڑانے میں بے مثل ہو۔ تیر کا نشان بھی اچھا لگاتا ہو۔ تلوار چلانے میں اچھی مشاقی رکھتا ہو لیکن موجودہ زمانے کے طریقہ جنگ و جدال سے ناواقف ہو تو کیا وہ سپہ سالاری کا کام انجام دے سکتا ہے؟ کیا اگر کوئی گھوڑ سواری میں بڑا مشاق ہو اور استاد تو کیا وہ ریل گاڑی بھی عمدہ چلا سکتا ہے؟ جو حضرات ان اعتراضات سے ہی ناواقف ہوں جو اس زمانے میں چاروں طرف سے اسلام پر مثل بارش کے آ رہے ہیں۔ وہ اسلامی حمایت کا کام کیا خاک کر سکتے ہیں! میں بلا فخر کہہ سکتا ہوں کہ گو سجادہ نشین اور مولوی لوگ مجھ سے علم عربی میں زیادہ لیاقت رکھتے ہوں۔ لیکن جس خوبی سے میں چار بیرونی دشمن سے مقابلہ کر کے اسلام کی صداقت کی چمکار کو دکھا سکتا ہوں۔ ان بیچارے اللہ کے بھولے بھالے، زمانے کی نیرنگیوں سے ناواقف بزرگوں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ جس آنکھ سے ایک ادنےٰ تعلیم دان حوالدار فوج انگریزی اس پہلوان کو جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے دیکھے گا جس طرح ریل گاڑی کا ڈرائیور اس گھوڑ سوار کو دیکھے گا اسطرح میں ان مقدس بزرگوں کو دیکھتا تھا۔" (ر ء ص ۴۷ تا ۵۲)

پنجاب سے مولانا صاحب کی توقعات اور حضرت مسیح موعودؑ کی اوّلیں ملاقات

آپ پنجاب کو سارے ہند کا سر تاج سمجھتے تھے اس کا ذکر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کا تذکرہ آپ کے الفاظ میں یوں بیان ہوا ہے:۔

"جب میں لاہور کے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں شریک ہونے گیا تھا۔ تو اس انجمن کے نفع کے لئے میں نے دو ماہ کے واسطے پنجاب کے چند شہروں کا مثلاً امرتسر، ملتان، گوجرانوالہ، سیالکوٹ وغیرہ کا دورہ کیا۔ مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ سارے ہندوستان میں مذہبی لحاظ سے اگر کوئی زرخیز زمین ہے تو پنجاب ہے۔ عجیب جوشیلا ملک ہے۔ میں نے اپنے لاہور کے دوستوں سے پکار کر کہہ دیا کہ پنجاب کی خبر لو۔ اگر سدھر اور اسلام پرست قائم رہا۔ تو پنجاب سارے ہند کا سرتاج ہوگا۔ ورنہ اگر بگڑا تو سارے ہند میں کسی جگہ کے مسلمان ایسے نہ بگڑے ہوں گے جیسے پنجابی۔ حالت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونا بھی بہت جلد ہی ہے پنجاب کی فطرت ریل گاڑی کی طرح تیز ہے۔ لوگوں نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب کوئی نوجوان نہایت ذہین اور جوشیلا ہوتا ہے تو سب ہی کہنے لگتے ہیں کہ خدا خیر کرے۔ اگر یہ شخص سنبھل گیا تو ولی ہوگا ورنہ شیطان۔ جو بات ایک شخص کے لئے وہی ایک قوم اور ایک ملک کے لئے بھی ہے۔ اگر اس ملک اور قوم میں اس قسم کے آدمی کثرت سے بھی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے اپنا پورا زور یہیں صرف کیا ہے اور ان کو کسی قدر کامیابی ہوئی ہے۔ آریہ سماج کا اکھاڑہ یہیں

بجا ہوگا ہے برہمو سماج والوں کا زور شور نہیں پایا۔ حضرات نیچری صاحبوں کو بعض بعض ٹھ ہنے نہیں دیکھا۔ جناب سید احمد خان صاحب نے اپنے عقیدت مندوں کو پنجاب میں کثرت سے دیکھکر پنجاب کا نام زندہ دل پنجاب رکھا۔ غرض جس طرح اگلے زمانہ میں ہندوستان کے فتح کرنے والے پنجاب ہی سے فتح کی کارروائی شروع کرتے تھے۔ اسیطرح دین اسلام کے دشمنوں نے بھی اس پنجاب میں اپنا زور صرف کرنا شروع کیا ہے۔"

"جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سُنا جو مرزا غلام احمد کہلاتے ہیں ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں اور عیسائیوں برہمو سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ ان کا بہت بڑا دعوے یہ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے کچھ تعجب نہ ہُوا۔ گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں۔ جو نبی کے بعد محدث کو ہوتا ہے۔ لیکن میں اس بات کو بہت عجیب نہیں سمجھتا تھا مجھکو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگانِ خدا ایسے گزرے ہیں جو شرفِ مکالمۂ الہٰی سے ممتاز ہوا کئے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرتسر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ ریل پر سوار ہو کر بٹالہ پہنچا۔ ایک دن بٹالہ میں رہا۔ پھر بٹالہ سے یکّے کی سواری ملی ہے اس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا انجمن حمایت اسلام کے لئے کچھ چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے۔ اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے مل کر اُن کے سارے خیالات بدل گئے اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی۔

"مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا۔ ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بُری عادت تھی امرتسر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو پان کہیں نہ ملا۔ ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بُری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا۔

"مرزا صاحب نے مجھکو الگزنڈر ویب صاحب کا خط دکھایا۔ میں نے اس انگریزی خط کو پڑھا۔ اس خط میں ویب صاحب نے اپنے تحقیقات دینی کے جوش کو ظاہر کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ میں نے ترک حیوانات کر دیا ہے۔" میں نے مرزا صاحب سے کچھ دینی باتیں پوچھی تھیں۔ قادیان کے رہنے والوں سے بھی ملا۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب کے ایک سخت مخالف سے ملا۔ جو رشتہ میں ان کے چچا

تھے یا کون۔ میں نے بوڑھے میاں سے سوال کیا کہ آپ مرزا صاحب کو کیسا سمجھتے ہیں تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہم ان کے دعویٰ الہام کو جھوٹا سمجھتے ہیں لیکن ایک بات ضرور کہیں گے کہ یہ لڑکا (یعنی جناب مرزا صاحب) شروع سے ہی نیک چلن تھا اور کتابوں کے پڑھنے کا اس کو بہت شوق تھا۔ اور عبادت الٰہی کا اس کو بچپن ہی سے ذوق تھا۔ غرض میں مرزا صاحب سے رخصت ہوا۔ چلتے وقت انہوں نے اس کمترین کو 'براہین احمدیہ' اور 'سرمہ چشم آریہ' کی ایک ایک جلد عنایت کی۔ انہیں میں نے پڑھا۔ ان کے پڑھنے سے مجھکو معلوم ہوا کہ جناب مرزا صاحب بہت بڑے رتبے کے مصنف ہیں۔ خاص کر 'براہین احمدیہ' میں سورہ فاتحہ کی تفسیر دیکھ کر مجھ کو کمال درجہ کی حیرت مرزا صاحب کی ذہانت پر ہوئی۔ الہامات جو میں نے 'براہین احمدیہ' میں دیکھے ان پر مجھکو یقین نہ ہوا۔ لیکن چونکہ میں مرزا صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا، میرے دل میں کسی وقت یہ خیال نہیں آیا کہ معاذ اللہ مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے بلکہ خیال بد آیا اگر تو یہ آیا کہ خود حضرت مرزا صاحب کو دھوکا ہو گیا ہے لیکن چونکہ (جیسا کہ میں سابق میں بیان کر چکا ہوں) میرے خیال میں اس صدی کے مجدد کا ایک نقشہ تھا اور اس نقشے کے مطابق مرزا صاحب میں کئی باتیں نہیں پاتا تھا۔ اس لئے میرا خیال یہ نہیں ہوا کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔" (ص ۵۲ تا ۵۵)

علاماتِ ولایت

آپ علاماتِ ولایت یہ بیان کرتے ہیں :۔

"اے ناظرین! ولایت کی شناخت لوگوں کے ذہن میں علیحدہ علیحدہ ہے۔ بعض آدمی سمجھتے ہیں کہ جو ولی اللہ اور فقیر کامل ہوتا ہے وہ لوگوں کے دلوں کی باتوں کو سمجھنے لگتا ہے یعنی لوگوں کے مافی الضمیر اس پر منکشف ہو جاتے ہیں لیکن یہ کمال میری نگاہ میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا۔ میرے مدراس، احمد آباد اور کلکتہ کے سینکڑوں دوست گواہی دینے کو موجود ہیں کہ ایک انگریز تماشہ کرنے والا آیا تھا۔ وہ سب کے دل کی باتوں کو دعویٰ کر کے سمجھ جاتا تھا۔ لوگوں نے ہر طور سے اس کو آزما کر دیکھا اور اپنے فن میں پکا پایا۔ جس طور سے انگریز نے مافی الضمیر دریافت کرنے کی ترکیب نکالی تھی اس کو اس نے اخبار میں چھاپا تھا۔ وہ اس خاکسار کو معلوم ہے لیکن اس کو یہاں بیان کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ پس جس حالت میں ایک بے ایمان کافر دل کی بات کو آسانی سے معلوم کر سکتا ہے تو اس کو معیار الاخیار قرار دینا سخت غلطی ہے۔ ولی میں تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جو کافر میں ممکن نہ ہو۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ولی اس کو کہتے ہیں جو توجہ میں ایسا زور آور ہو کہ جس کی طرف دیکھے اس کو مرغ بسمل کر دے۔ بے ہوش کر دے۔ اور بیہوشی کی حالت میں بڑے بڑے بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کرا دے۔ میری نظر میں اس کرشمہ کی بھی خاک وقعت نہیں۔ انگلستان میں کارڈنیل نامی ایک مسمریزم میں کمال رکھنے والا

انگریز ہے اس کے حالات کو کمترین نے اخبار میں پڑھا ہے۔ اس کو اپنے فن میں ایسی مشاقی تھی کہ ٹاؤن ہال میں تماشہ دیکھنے والوں سے جس کو چاہتا اس کو عجیب و غریب تماشا دکھا دیتا۔ مقناطیسی عمل کر کے اس شخص کو کہتا کہ کیسی شدت کی گرمی ہے وہ بیچارہ معمول اس مقناطیسی اثر کی وجہ سے اُف اُف کرنے لگتا اور کپڑے اتارنا شروع کرتا۔ پھر وہ انگریز کہتا کہ آہا کس بلا کی سردی ہے۔ وہ بیچارہ مارے سردی کے کانپنے لگتا۔ وہ انگریز کہتا کہ سمندر موج مارتا ہوا چلا آتا ہے۔ معمول کی آنکھ میں دریا ہی معلوم ہونے لگتا۔ غرض اس شخص نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ نظر کی تاثیر کامل طور پر پہنچا کر اپنے معمول پر جس قسم کے تصور کو منعکس کرنا چاہتا کرتا۔ غرض جب یہ بھی ایک عمل ہے تو ممکن ہے کہ ایسے ہی بے ایمان اس عمل میں کمال حاصل کر کے کسی کو مقناطیسی اثر سے معمول کر کے ایک خیالی صورت کا خدا و رسول دکھا دے۔ تو کیا اس سے اس بے ایمان فریبی و مکار کی ولایت ثابت ہوگی۔ ولی میں تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جو کافر میں ہونا ناممکن ہے۔ بعض آدمی کا یہ خیال ہے کہ اولیاء اللہ بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔ دیکھئے فلاں شخص اتنے دنوں سے بیمار تھا۔ فلاں بزرگ کے پاس گیا۔ انہوں نے صرف دست مبارک پھیرا۔ اور کچھ پڑھ کر پھونک دیا۔ وہ بیچارا برسوں کا بیمار اچھا ہو گیا۔ غرض بعض کے خیال میں اولیاء اللہ اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن اس خاک کی نگاہ میں یہ بھی ولایت کی اصل کسوٹی نہیں۔ میسمریزم کے ذریعہ بیماروں کا علاج ہوتا ہے سر چارلس بیڈ لفٹننٹ گورنر بنگال کے زمانے میں تو میسمریزم کا ایک ہسپتال (شفاخانہ) جاری کیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے اس فن کی کتابوں کو پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کا علاج کرنا ایک عمل ہے جس کو ہر کافر بے ایمان سیکھ سکتا ہے۔ تھیوزافیکل سوسائٹی کے صدر انجمن کرنل ارکاٹ جو مدراس میں رہتے ہیں سنا ہے کہ اس فن میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ مجھ سے خود کرنل مذکور نے بیان کیا کہ اس نے صرف ہاتھ کے اشارہ سے مفلوج وغیرہ سخت بیمار کو اچھا کیا ہے بلکہ ایک شخص کے ضعفِ بصارت کو بھی دور کیا ہے۔ مسلمانوں میں اس فن میں کمال رکھنے والے ایک بزرگ احمد جان صوفی صاحب گزرے ہیں جن کی کتاب طب روحانی کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس فن میں کیسے کیسے عارضے صرف توجہ کے ذریعہ سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ خاکسار نے بھی تجربہ کے طور پر کچھ آزمایا ہے اور صحیح پایا ہے۔ غرض یہ کمال بھی کوئی ایسا کمال نہیں جو خصوصیت کے ساتھ ولایت کے لئے معیار مقرر کیا جائے۔"

"ولایت کی شناخت اللہ تعالےٰ نے خود اپنے کلام میں بیان فرمائی ہے ... اللہ نے حضرت موسےٰ کو ایک ولی کامل کی خدمت میں روانہ کیا.... ... اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فوجدا عبدًا من عبادنا اتیناہ رحمۃً من عندنا و علمناہ من لدنا علما۔ یعنی حضرت

موسیٰ علیہ السلام ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ملے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی تھی۔ اور اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کے لئے پہلی چیز جو درکار ہے وہ یہ ہے کہ آدمی خدا کا بندہ ہو جائے۔ بندۂ خلق، بندۂ نفس، بندۂ شیطان نہ رہے خاص خدا کا ہی ہو جائے۔ اپنی ساری قوت سے اللہ جل شانہٗ کا تابعدار ہو جائے پھر صفات بشری سے ایسا پاک و صاف ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ سے بے واسطہ رحمت و فضل روحانی یا انکشاف معارف وغیرہ حاصل کر سکے اور اس کے علوم کا سرچشمہ خود جناب باری تعالےٰ ہو جاوے اور وہ کہہ سکے کہ عس فنت ربی بربی

بے صحیحین و حدیث و رُواۃ
بلکہ اندر مشرب آبِ حیات

ایک بار حضرت خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے سوال کیا کہ جب آپ وعظ بیان فرماتے ہیں اس وقت آپ کی زبان سے ایسے معارف نکلتے جاتے ہیں کہ جو کسی کتاب کے صفحوں میں دیکھے نہیں جاتے ہیں تو پھر آپ کہاں سے ان کو لاتے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ میں ان کو وہاں سے لاتا ہوں جہاں سے سب علوم اس جہان میں آئے ہیں حقیقت میں وہ شخص جو صرف دوسروں کے اقوال کا ناقل ہے وہ ایک قسم کی لُغت ہے اور بس۔ مبارک ہیں وہ بندے جن کے دل کو اللہ تعالےٰ نے کھول دیا ہے اور جن کا قلب نورِ بصیرت سے منوّر ہو گیا ہے ... بہتیرے خدا کے بندے ایسے ہیں جن کو اللہ نے کمالات بالا میں سے وافر حصہ عطا کیا ہے۔ جو اپنے رنگ میں اوروں کو بھی رنگ سکتے ہیں اور یہ شان مجھ کو بہت پسند ہے۔"

"اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم میں حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا تعریف بیان فرمائی ہے ..... کہ حضور قرآن مجید کی آیات سناتے، دلوں کو گناہوں سے پاک و صاف کرتے۔ اور کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔ اب اگر حضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا جانشین ہونا ہے تو ضرور ہے اللہ اس کو اخلاقِ احمدی سے کچھ حصہ عنایت فرما دے۔ اس کے کلام میں اثر ہو۔ اس کی دعا اور اس کی باطنی توجہ کا یہ اثر ہو کہ اس کے معتقدین کے دلوں سے گناہ دور ہوں۔ اور گناہوں سے پاک ہونے کی وجہ سے دل اس قابل ہو جائے کہ علم و حکمت کی باتیں اس پر کھول جائیں۔ میں معجزہ کا منکر نہیں ہوں کرامت اولیاء کو حق مانتا ہوں لیکن میں سب سے بڑھ کر کرامت یہی چاہتا ہوں کہ بگڑے ہوئے دل کو کوئی سنوارے تو بس میاں ہم تو اس کے قائل ہیں ؎

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب اگر جناب مرزا غلام احمد صاحب کی کرامات اور پیش گوئیوں کا ذکر کرتے تو مجھ نالائق پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ لیکن بات انہوں نے کہی ایسی کہ کھٹ سے دل میں لگی۔"

(صفحہ ۶۵ تا ۶۹)

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے شرفِ ملاقات

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح اوّلؓ) سے آپ کی جو اوّلیں ملاقات ہوئی اور حضرت مسیح موعودؑ کے تعلق میں آپ پر اثر ہوا اس سلسلے میں آپ تحریر کرتے ہیں:۔

"۱۸۹۳ء میں انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اس عالم و مفسرِ قرآن سے ملا جو اپنی نظیر اس وقت سارے ہند کیا بلکہ دُور دُور تک نہیں رکھتا یعنی مولوی نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۷ء کے سفرِ پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سُن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسے میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے ان کے معانی و مطالب کو بیان کرنا شروع کیا۔ کیا کہوں اس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسّر کو دیکھا اور اہلِ اسلام کو جائے فخر ہے ہمارے درمیان میں اس زمانے میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔

"جب رات کو میں اپنے قیام گاہ پر آیا تو وہاں ایک نامی لکچرار صاحب بھی قیام پذیر تھے اُن کی ملاقات کو بہت سے حضرات جمع تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعوئے مسیحیت کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ موافقین اس جلسے میں بہت کم تھے۔ زیادہ مخالفین ہی تھے۔ مخالفین نے بہت سے الزامات حضرت مرزا صاحب کے بارے میں پیش کئے مگر میں چپ چاپ سنتا رہا۔ جب رات کو نماز کے لئے اٹھا۔ میں نے دعا کی کہ خداوندا! مجھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیسا ہے اس میں آنکھ لگ گئی۔ تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں۔ اور مجھ سے سوال کیا "کیا تم مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں پوچھتے ہو؟" میں نے کہا "ہاں" تو انہوں نے کہا "ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی" اتنا سننا تھا کہ میری نیند کھل گئی۔ صبح کو میں نے احباب سے تذکرہ کیا اور خواب کا حال سُنایا۔ مجھ کو اس خواب کی کئی تعبیریں بتائی گئیں۔ کسی نے کہا کہ تمہاری روح کی بناوٹ اور جناب مرزا صاحب کی روح کی بناوٹ ایک طرح کی ہی ہے۔ صرف درجے کا فرق ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب اور مخالفین مرزا صاحب دونوں مسلمان ہیں۔ ناحق تکفیر کر رہے ہیں۔ روٹی سے مراد مسلمان ہوتا ہے چھوٹا اور موٹا ہونا صرف فرقِ مراتب کا بتانا منظور ہے۔ ایک تعبیر یہ بتائی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مثیلِ عیسیٰ دونو ایک ہی ڈھنگ کے

کے ہیں۔ گویا ایک تو ے کی دو روٹی ہیں۔ یعنی مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نورالدین سے ملاقات کرتا۔ لیکن مولوی صاحب ازراہ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آئے۔ میں نے ان سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پہ ایک خاص اثر ہوا حکیم صاحب مجھ سے فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن میں نہ گیا"۔

دردِ پنہانی خود اپنی زبانی

"اے ناظرین! اس وقت ایک دردِ پنہانی کا بیان کیا چاہتا ہوں اگر آپ میں سے کسی کا دل بنی آدم کی غمخواری کے لئے بنایا گیا ہے تو میری مغموم حالت کو سن کر مجھ پہ رحم کیجیے گا۔

"اے حضرات! یہ سچ ہے کہ اس کمترین پہ اللہ نے اپنی بڑی وسیع رحمت ظاہر کی ہے۔ میں نیست تھا مجھ کو ہستی کا لباس پہنایا ہے۔ میں گمراہ تھا مجھ کو راہ دکھائی ہے۔ میں یتیم تھا میری تعلیم و پرورش کا عجیب و غریب بندوبست کیا ہے۔ میں نہایت غریب تھا مجھکو خوشحالی اور توانگری عنایت کی ہے۔ میں کم علم تھا مجھ کو اپنے پاس سے علم دیا ہے۔ میں گنہگار تھا مجھکو اپنے پاس سے علم دیا ہے۔ میں گنہگار تھا لیکن مجھ سے واعظِ اسلام کا کام لیا اور میرے کلام میں تاثیر بخشی ہے۔ باوجود نہایت ہی کم لیاقت ہونے کے صاحب تصنیف بنایا ہے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ علاوہ ان تمام عنایتوں کے جو سب مسلمانوں میں اور مجھ میں مشترک ہیں۔ میں ان خاص عنایتوں کو شمار کر سکوں جو اللہ جل شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ نالائق پر ظاہر فرمائی ہیں لیکن جب میں ان عنایتوں کے مقابلے میں ان گناہوں کا خیال کرتا ہوں جو میں نے رحمٰن و رحیم خدا کے خلافِ مرضی کئے ہیں تو کیسی سخت نفرت مجھکو اپنے وجود سے آپ ہوتی ہے۔ اے حضرات! میں معصوم و بے گناہ نہیں۔ بلکہ حیرت تو یہی ہے کہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ نے کام تو مجھ سے ولیوں کا لیا ہے۔ لیکن میں ایسا ہوں کہ شیطان کو بھی مجھ سے شرمندہ ہونا چاہیئے۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اگر کسی جلسے میں جہاں ہزار پانسو مسلمان جمع ہوں۔ میں بجائے وعظ کہنے کے اپنے گناہوں کو کھول کھول کر بیان کر دوں۔ تو مجھ کو ایسا معلوم

لہ تائیدِ حق طبع اول (ص ۶۴، ۶۵) نیز لکھتے ہیں کہ آپ جناب مرزا صاحب کی کرامات اور پیشگوئیوں کا ذکر کرتے تو مجھ پر اثر نہ ہوتا۔ انہوں نے ایسی بات کہی کہ کھٹ سے دل میں لگی۔ (ص ۶۹)

ہوتا ہے کہ سامعین میں سے ایک شخص بھی شدتِ نفرت سے وہاں بیٹھا نہ رہے گا۔ تعجب ہے کہ اس ستار و غفار نے کئی چھپے ہوئے گناہوں کے جاننے کے باوجود ابھی تک مجھکو زندہ رکھا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات جب میں اپنے گناہوں کا خیال کرتا ہوں تو خوف ہوتا ہے کہ شاید میں قطعی جہنمی ہوں۔ میری ظاہری قدوسیت ایک قسم کی مکاری و ریاکاری ہے۔ افسوس! مجھ سے ابھی تک کوئی ایک نیکی بھی نہ ہو سکی۔ جب میں نے کوئی خیرِ کار کیا ہے تو اُس کے ساتھ ہی شیطانِ ملعون کی صلاح اور مشورہ سے ایک گناہ بھی ایسا کر لیا ہے کہ اُس نے ضرور اُس نیکی کو غارت کر دیا ہوگا اگر خدانخواستہ آج میں مر جاؤں تو بجز رحمتِ الٰہی کے جہنم سے بچانے والی ایک نیکی بھی میرے پاس نہیں ہے۔ اے حضرات! جب میں اپنی باطنی پلیدی کو خیال کرتا ہوں تو بعض اوقات ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ اگر خودکشی گناہ نہ ہوتا تو کر جاتا۔ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا۔ مجھ کو سینکڑوں نے ولیِ کامل سمجھا اور اللہ نے اُن کو اپنے خیال کے مطابق فائدہ بھی پہنچا دیا۔ لیکن افسوس کہ وہ بڑے دھوکے میں رہے۔ میں ولیِ کامل تو نہیں شیطانِ کامل تو البتہ تھا۔ حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے نہایت سچ فرمایا ہے کہ اخیر زمانے میں واعظین بدترین خلائق سے ہوں گے۔ وہ قرآن تلاوت کریں گے۔ لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ میں حقیقت میں بدترین خلائق تھا۔ وعظ پند صرف میری زبان پر تھا۔ میرا عمل ٹھیک اُس کے برخلاف تھا۔ جب میں وعظ بیان کرتا تھا۔ تو اکثر مجھ کو معلوم ہوتا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ کہ او کمبخت! ان باتوں کے کہنے میں تجھے شرم نہیں آتی! کیا تو اس قابل ہے کہ لوگوں کو ہدایت کرے۔ واللہ ان ہی تکلیفوں کی وجہ سے کئی بار میرا خیال ہوا کہ میں وعظ کا کام چھوڑ دوں اور کسی دوسرے دھندے میں لگ جاؤں۔ خدا کا اتنا ہی شکر ہے کہ گو میں گناہوں کی سخت تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ لیکن نیک۔ مخلص۔ بے ریا۔ خدا کا سچا بندہ بننے کی دل کی خواہش دل سے مردہ نہیں ہوئی تھی۔ دل میں اکثر یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوندا! کوئی ایسا ولیِ کامل مجھ کو مل جاتا جس کی باطنی توجہ سے مجھ مردے میں جان آجاتی۔ میں پورا مسلمان ہو جاتا۔ اللہ پاک نے میری اس دعا کو بھی محض اپنے فضل و کرم سے قبول کیا ہے اور مجھکو اس بزرگ کے پاس پہنچایا ہے جو واللہ مردے کو زندہ کرتے اور فی الواقع مسیحائے وقت ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جِلایا ہوا مردہ تو مر جایا کرتا تھا لیکن جس شیخ کامل سے مجھ کو ملاقات ہوئی ہے ان کا جِلایا ہوا کبھی نہیں مرتا ہے۔"[1]

قبولِ احمدیت

دوسری بار حضرت اقدس کی زیارت اور قبولِ احمدیت کے تعلق میں

---

[1] تائیدِ حق طبع اوّل (ص ۶۹ تا ۷۱)

لکھتے ہیں:۔ (دیکھیں ص۱ تا ص۵ کتاب تائید حق[1])

اس درویش کو شدید مخالفت پیش آئی

حضرت مولوی صاحب جو قوم کی نظر میں شمس الواعظین تھے اور حد درجہ معزز و محترم۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کا جو حال ہوا اس بارے میں حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگل پوری بیان کرتے ہیں کہ آپ مدراس لوٹے تو سارے علمائے مدراس نے آپ کی تکفیر کی اور آپ کو دجّال اور کرشتان کہنے لگے۔ جس کی تفصیل خود آپ کے قلم سے آگے آ رہی ہے۔[2]

---

[1] حضرت سید وزارت حسین صاحب مولوی صاحب کو بنگال و بہار کا اولین احمدی قرار دیتے ہیں اور بحوالہ الحکم ۱۸ مارچ ۱۹۰۸ء (ص ۱) حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری حال کراچی ایک چندہ کی تحریک میں "مولانا حسن علی رحمۃ اللہ علیہ" کا ذکر بطور "قوم کا فدائی بنگال و بہار کا پہلا احمدی" کرتے ہیں۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم کی روایت ۷۲۲ کے تعلق میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ آپ کی بیعت کا ذکر "سلطنت ہندوستان کا مشہور واعظ" کرتے ہیں۔

[2] آپ کے برادر زادہ مولوی محمد صاحب ایم اے کے پاس ایک انگریزی اشتہار موجود تھا جس کی نقل یہ ہے:۔

Lecture ! Lecture ! Lecture !

Moulvi Hassan Ali, the well known moslem missionery (who sometime ago delivered a lecture in the Senate Hall when His Excellency the Governor of Madras presided) will deliver a lecture in english on Saturday, the 24th instant, at 6-30 P.M in the PACHAIYAPPA HALL.

Subject

The life of the greatest man of this age — Mirza Golam Ahmad of Kadian.

The public are cordially invited to attend.

MADRAS 21st February, 1894

بیعت سے منفعتِ بے حساب

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے خطاب کر کے حضرت اقدس کو قبول کرنے کے فوائد یوں بیان کرتے ہیں :-

"اے شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب! میں آپ سے نہایت دلسوزی سے کہتا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں ہوا۔ تھوڑی ہی سیڑھی اُتر جائے گی۔ توبہ کرو۔ جس کو اللہ تعالیٰ بڑھانا چاہتا ہے اس کی مخالفت چھوڑ دو۔ ورنہ آئندہ چل کر بڑی ذلت کا سامنا ہوگا۔ میں آپ کو خوشخبری سُناتا ہوں کہ صوبہ بہار و بنگالہ سے ایک گروہ عالموں کا حضرت مرزا صاحب کا بڑے جوش کے ساتھ شریک ہونے والا ہے ابھی میں نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ کب تک زبردست عالموں کو منشی منشی کہہ کر دل ٹھنڈا کرو گے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔

"پوچھو کہ مرزا صاحب سے مِل کر کیا نفع ہُوا۔ اجی! بے نفع ہوئے کیا میں دیوانہ ہو گیا تھا کہ ناحق بدنامی کا ٹوکرا سر پر اُٹھا لیتا اور مالی حالت کو سخت پریشانی میں ڈال دیتا۔ کیا کہوں۔ کیا ہوا۔ مُردہ تھا زندہ ہو چلا ہوں۔ گناہوں کا اعلانیہ ذکر کرنا اچھا نہیں۔ ایک چھوٹی سی بات سناتا ہوں۔ اس نالائق کو تیس برس سے ایک قابلِ نفرت یہ بات تھی کہ حقہ پیا کرتا تھا۔ بارہا دوستوں نے سمجھایا۔ خود بھی کئی بار قصد کیا لیکن روحانی قوتی کمزور ہونے کی وجہ سے اس پرانی زبردست عادت پر قادر نہ ہو سکا۔ الحمدللہ حضرت مرزا صاحب کی باطنی توجہ کا یہ اثر ہُوا کہ آج قریب ایک برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ پھر اس کمبخت کو مونہہ نہیں لگایا۔

"قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت جو میرے دل میں اب ہے پہلے نہ تھی۔ یہ سب حضرت مرزا صاحب کی بدولت۔ گو میرا جسم بھاگلپور یا بنگالہ میں ہوتا ہے لیکن میری روح قادیان ہی میں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک (ص ۸-۷، ۹، طبع اوّل)

حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے بارے میں مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سید فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں۔ جن کو سلطان روم بہت پیار کرتے ہیں۔ سید فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گزرے ہیں (میں ان کا نام وغیرہ آئندہ دریافت کر کے کسی دوسرے رسالہ میں درج کروں گا) جو صاحب کشف و کرامات تھے۔ وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لاویں گے تو مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت

مہدی علیہ السلام کی پُرجوش معین و مددگار ہوگی۔ اور وہ سب داخل اسلام ہوگی واللہ اعلم بالصواب (تائید حق ص ۹۶ طبع اول)

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر ابتداء میں آپ سے سُن کر حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری ایم اے اور حضرت سید وزارت حسین صاحب اورینوی اور مؤخر الذکر کے ذریعہ ان کے بعض احباب شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے آپ کے ہمشیرزاد جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم اور دیگر بہت سے اقارب احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"اگر کوئی شخص سچا طالبِ حق حضرت مرزا صاحب کے بارے میں سچے دل سے استخارہ کرے تو ایک نہ ایک دن اللہ پاک اُس پر ضرور فضل کرے گا۔ میرے کئی ایک دوست جن کی ولایت کا مجھ کو پکا یقین ہے میرے کہنے کے مطابق استخارہ کر کے بشارت ربانی سے مستفیض ہوئے۔ اور اب الحمد للہ حضرت کے ہی خادموں میں داخل ہیں"۔ (ر د ص ۸۶ - ۸۷ طبع اول)

استجابت دعا

حضرت مولوی صاحب مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی برادر زادی محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ دو باتیں بیان کرتی ہیں :۔

۱۔ میں بچپن میں شدید طور پر بعارضہ ٹٹنس (کزاز) بیمار ہو گئی۔ عزیز و اقارب پریشان تھے مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے دعا کی درخواست کی گئی۔ انہوں نے دعا کی اور فرمایا کہ مریضہ صاحب اولاد ہوں گی۔ چنانچہ میں اب تک زندہ ہوں میری عمر اس وقت تہتر سال کی ہے اس وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی اولاد میں زندہ موجود ہیں۔ لڑکے پارٹیشن (تقسیم برصغیر) کے بعد چاٹگام چلے گئے۔

۲۔ بھاگلپور میں احمدیہ بلڈنگ سے سرکاری سڑک تک آمد و رفت کے لئے جو پل ہے وہ مولوی حسن علی صاحبؓ کا بنایا ہوا ہے۔ جب یہ پل بن کر تیار ہوا یا بن رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس پل کے اطراف میں اختر علی ہی کو دیکھتا ہوں۔ مولوی صاحب کی کوئی اولاد عرصہ سے زندہ نہیں اور ان کے بھائی کی اولاد دوسری جگہ جا بسی اور اس جگہ مولوی اختر علی صاحب نے مکان بنایا اور وہاں عرصہ تک مع اپنی اولاد کے سکونت پذیر رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ڈپٹی محمد ایوب صاحب مع اپنی اولاد کے رہ رہے ہیں۔[2]

---

[1] حضرت مولوی صاحب کی وفات پر پون صدی گزرنے پر زیادہ واقعات استجابت دعا وغیرہ کے محفوظ ہونے ممکن نہیں۔

[2] اپریل ۱۹۶۸ء میں خاکسار نے بھاگلپور میں اس بزرگ خاتون سے استفسار کرنے پر پہلا واقعہ سنایا تھا۔ خاکسار ۱۵/۵/۶۸ء

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے ذکرِ خیر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳ رصلح ۱۳۳۷ھ (جنوری ۱۹۵۸ء) کو وقفِ زندگی کی نئی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنا پڑیں گے۔ اور چاروں طرف رُشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا۔"

اور اس کی تفصیل میں بتایا کہ وقفِ جدید کے کیا فوائد ہیں اور ہمیں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور فرمایا:۔

"جتنے مبلغ اس ملک کو ملے ہیں دوسرے ممالک کو نہیں ملے۔ ...... پرانے زمانہ میں قاضی امیر حسین صاحبؓ تھے۔ مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب تھےؓ۔ اور شیخ غلام احمد صاحبؓ تھے۔ یہ لوگ باہر جاتے تھے اور تبلیغ احمدیت کرتے تھے پھر پروفیسر عبدالقادر صاحب[۱] کے چچا مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری تھے ان کی تعلیم صرف مڈل تک تھی۔ مگر انگریزی زبان میں انہیں اتنی مہارت تھی کہ ایک دفعہ مدراس میں ان کا لیکچر ہوا تو گورنر ان کا لیکچر سننے کے لئے آیا۔ اور بعد میں اس گورنر نے کہا کہ ہم بھی اتنی اچھی انگریزی نہیں بول سکتے جتنی اچھی انگریزی مولوی صاحب نے بولی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب 'تائیدِ حق' بھی لکھی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میں اس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے۔ پھر احمدیت کی تبلیغ کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔ ان کی تعلیم معمولی تھی مگر ذاتی مطالعہ سے انہوں نے اپنی لیاقت بڑھائی تھی اسی طرح دوسرے لوگ بھی ذاتی مطالعہ سے اپنی قابلیت بڑھا سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہمت ہو کئی بی اے بی ٹی ہوتے ہیں مگر جب اُن کے سپرد کوئی کام کیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ ہماری طبیعت کا اس کام سے کوئی لگاؤ نہیں۔ لیکن مولوی حسن علی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷ :- کی خواہش پر محترم ڈپٹی محمد ایوب صاحب موصوف سے دریافت کر کے یہ واقعات ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء کو تحریر کر کے ارسال فرمائے جس پر موصوف نے تصدیقی دستخط ثبت کئے ہیں۔ مولوی اختر علی صاحب مرحوم حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کے ہمشیر زاد ہیں۔ حضرت سید وزارت حسین صاحب سے اوڑیسہ میں ملاقات میں حضرت مولوی صاحب کی جائے قیام بھی بھاگلپور ہی معلوم ہوئی جس کا موصوف ذکر کرتی ہیں۔

[۱] سہو ہوا ہے۔ پروفیسر محمد ... صاحب مراد ہیں۔

صاحب صرف مڈل پاس تھے اور انہوں نے وہ کام کیا جو آج کل بی اے بی ٹی بھی نہیں کر سکتے .....
پس ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اپنے اندر روحانیت پیدا کرو۔ اور تقویٰ پیدا کرو" ۱؎
"تبلیغ کے لئے درویشی اختیار کرو" کے عنوان کے تحت ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء بعد عصر کی ڈائری میں مرقوم ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تبلیغی ضروریات اور مبلغوں کے متعلق فرمایا:-

"میرا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے دوست تبلیغ کے لئے اس طرح نکلیں جس طرح فقیر ہوتے ہیں ان کا کھانا مانگنا سوال نہیں ہو گا۔ ایک مبلغ جہاں جائے تین دن تک اس کا حق ہے کہ وہاں کے لوگوں سے روٹی لے۔ اور تین دن کے بعد وہاں سے کسی اور جگہ چلا جائے۔ پھر خواہ پندرہ سولہ روز ہی کے بعد واپس آجائے۔ نہ اس کے پاس بڑا سامان ہو نہ بہت زیادہ کتب خانہ۔ صرف قرآن کریم ہو اور ایک آدھ کپڑا .....
حضرت صاحب نے مبلغین کے لئے جو شرائط تجویز فرمائے تھے اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مبلغ کو اقرار کرنا ہو گا کہ میں کوئی اجرت یا معاوضہ نہ لوں گا۔ جہاں کچھ میسر نہ ہو گا وہاں درخت کے پتے کھاؤں گا۔ اور آسمان کے نیچے سوؤں گا۔ یہ شرائط میر حامد شاہ صاحبؓ مرحوم نے حضرت مسیح موعودؑ کے ایما سے لکھے تھے اور میں نے ہی حضرت مسیح موعودؑ کو سنائے تھے۔ جنہیں آپ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ چوہدری فتح محمد صاحب مبلغ انگلستان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے بھی تو اس وقت زندگی وقف کی تھی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جن نوجوانوں نے زندگی وقف کی ہے اور اب اُن میں سے بعض تعلیم سے فارغ ہونے والے ہیں ان کے سامنے یہی صورت پیش کروں اور کہوں کہ یہ بوجھ ہے جو تمہیں اٹھانا ہے۔ اس صورت کے سوا اور کوئی صورت نہیں جس سے ہم تمام دنیا میں کام کر سکیں۔"

"یہ ایسی حالت ہو گی کہ ان کو اپنی عزت کا خیال ہی نہیں آئے گا۔ وہ تکلیف برداشت کرنے کے عادی ہوں گے۔ اگر بھوکا رہنا پڑے گا تو رہیں گے۔ کیونکہ رہنے کی عادت ہو گی۔ اور ان کی یہ حالت ہو گی جیسا کہ کسی نے کہا ہے مِل گئی تو روزی نہ ملی تو روزہ" ..... پھر دیر سلسلہ کلام جاری رکھ کے کہ مبلغین کو پیادہ چلنا

۱؎ الفضل ۱۱ صلح ۱۳۳۷ ہش (جنوری ۱۹۵۸ء ص ۲ کالم) و مؤرخہ ۱۶ صلح ص ۶) یہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ نے ایف اے میں تعلیم ترک کی تھی۔ اور پروفیسر مولوی محمد صاحبؓ مرحوم مدراس والے آپ کے برادر زادہ تھے۔

اور بغیر معاوضہ کام کرنا اور اپنا گزارہ آپ کرنا چاہیے فرمایا " مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری گریجویٹ نہ تھے مگر انگریزی کی ان میں اتنی قابلیت تھی کہ ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے اور ان کی تقریر سنتے تھے وہ اسیطرح بغیر کسی معاوضہ کے دین کی خدمت کے لئے پھرتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کے لئے بطور شاھد تھے " ۔ لہ

انتقال پر ملال

حضرت مولوی حسن علی صاحب نے فروری ۱۸۹۶ء میں انتقال فرمایا ۔ مرحوم مولوی محمد صاحب ایم اے بیان کرتے تھے کہ میرے نانا حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپور شہر کے " شاہ جنگی " نام قبرستان میں مدفون تھے آپ کی اہلیہ محترمہ اور آپ کا بیٹا اور میرے والدین بھی وہیں دفن تھے ۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں وہاں جانے پر میں نے دیکھا کہ چار دیواری کی اینٹیں لوگ اٹھا لے گئے تھے ۔ اور قبروں کے نشان بھی باقی نہیں رہے ۔

مشہور مصنف پروفیسر ڈاکٹر سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب " پریچنگ آف اسلام " میں موجودہ زمانے میں دعوت اسلام کی تحریکات کے بیان میں لکھتے ہیں :-

" مولوی حسن علی کی تلقین سے ۲۵ آدمیوں نے اسلام قبول کیا جس میں سے پندرہ یورپ کے اور باقی حیدرآباد اور ہندوستان کے اور صوبوں کے رہنے والے تھے ۔

" مولوی حسن علی مرحوم نے ۱۸۹۶ء میں اپنے انتقال سے پہلے یہ تعداد مجھ کو بتائی تھی ۔ ۲۰ اپریل ۱۸۹۶ء کے اخبار " مسلم کرانیکل " میں جو اطلاع مولوی صاحب کے انتقال کی چھپی اس میں مفصلہ ذیل حالات بھی مولوی صاحب مرحوم کی زندگی کے شائع ہوئے تھے " مولوی صاحب زمانہ طالب علمی میں بہت ذہین تھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے بہت ترقی کر لی ۔ کم عمری ہی میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور ان کو وظیفہ ملا اس کے بعد انہوں نے ایف اے کلاس میں پڑھنا شروع کیا ۔ لیکن اسی زمانہ میں ان کو تلاش حق کا شوق پیدا ہوا اور پڑھنا لکھنا چھوڑ کر انہوں نے مختلف مذہب کے لوگوں سے ملنا شروع کیا ۔ فقیروں ، پنڈتوں ، عیسائیوں سے ملاقات کی ۔ گرجاؤں میں جا کر بیٹھے جنگل اور صحرا اور شہروں میں گئے ۔ صرف خدا پہ توکل اور اسکی رحمت کی امید ان کی مددگار اور معاون تھی ایک سال تک وہ مختلف مذہبوں کی تحقیق میں مصروف رہے ۔ اور ۱۸۷۲ء میں انہوں نے پٹنہ سکول میں ہیڈ ماسٹری قبول کی ۔ چونکہ وہ داعی اسلام ہونے کے لئے پیدا ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اس اسامی کو جس سے سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۔ چھوڑنا چاہا ۔ مولوی صاحب مرحوم کے دوستوں نے ان کو منع کیا ۔ کہ نوکری نہ چھوڑیں ۔ مگر انہوں نے نہ مانا ۔ اور استعفاء داخل کر دیا ۔ اور ایک ماہواری رسالہ " نور الاسلام " نکال کر کچھ زمانہ تک گزارہ ۔۔۔

لہ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۲۲ء (ص ۶-۷)

کرتے رہے۔ پٹنہ میں اسلام پر کئی لیکچر انہوں نے دیئے اور پھر وہ کلکتہ چلے گئے۔ یہاں انہوں نے انگریزی زبان میں ایک لیکچر دیا۔ اس لیکچر کا اثر سامعین پر ایسا ہوا کہ کئی یورپین پادریوں نے اسلام کے برحق ہونے کو تسلیم کیا۔ اور ایک مشہور بابو صاحب بابو بپن چندر پال کی تو یہ حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں پھر ڈھاکہ کے لوگوں نے مولوی صاحب مرحوم کو بلایا جہاں ان کے وعظ اور لیکچروں نے لوگوں کے دلوں میں ان کے نام کو ایک نقش کر رکھا ہے۔ کئی کتابیں اور رسالے اردو اور انگریزی کے لیکچر جو مختلف شہروں میں دیئے گئے مولوی صاحب مرحوم کی تصنیف سے ہیں۔ ان تصانیف سے مولوی صاحب کا نام تاریخ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ تقریباً سو آدمی ان کی کتابیں پڑھکر اور لیکچر سنکر مسلمان ہوئے۔ دعوت اسلام کا شوق جو ان کے دل میں تھا اخیر حالت میں بھی ظاہر ہوا۔ چنانچہ جب نزع کی حالت تھی تو ان کی زبان سے یہ لفظ سُنے گئے "اپنا مذہب چھوڑ دو اور مسلمان ہو جاؤ" جب ان سے پوچھا کہ کس سے باتیں کرتے تھے تو جواب دیا کہ ایک عیسائی سے گفتگو کر رہا تھا۔"[1]

گو یہ بزرگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک تقی اور زکی اور یکے از اصفیاء تھے گو اس دار فنا سے رخصت ہو چکا ہے لیکن اس کا ذکر خیر حضور کی برکات سے قائم و دائم رہے گا

مولوی حسن علی صاحب کا احترام اور ان کی وجہ سے مہمان کا اعزاز و اکرام

حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کے اعزاز و احترام کے باعث حضور نے ان سے تعلق رکھنے والے مہمان کا خاص اکرام کیا۔ حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوریؓ ایم اے بیان کرتے ہیں:۔

"میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری ۱۹۰۸ء کو آیا جب حضرت اقدس علیہ التحیۃ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دارِ فانی سے رحلت کئے ایک

---

[1] دعوت اسلام (ترجمہ پریچنگ آف اسلام مجانب محمد عنایت اللہ دہلوی۔ طبع دوم ۱۹۶۳ء شائع کردہ مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی نمبر۱ (ص ۲۹۲ متن و حاشیہ) تعداد اسلام قبول کرنے والوں وغیرہ کے تعلق میں سہو ہے۔ جس کی تصحیح "تائید حق" سے ہوتی ہے۔

عرصہ گذر گیا تھا۔ کتنا خیال تھا اور ان کی کیسی دلجوئی حضور فرماتے تھے ہیں جس دن یہاں پہنچا (مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ منتظمین مہمان خانہ نے مہربانی فرما کر ہمارا سامان اتروایا اور مجھے ایک برآمدہ نما کمرہ میں جگہ دی) تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ اسلام متعینہ نائجیریا نے (جو اتفاقاً وہاں تشریف لائے معلوم کر کے کہ میں حضرت مولانا حسن علی صاحب کے وابستگانِ دامن میں سے ہوں) حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے ہیچمدان آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظِ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری ۱۸۹۶ء میں (تیرہ چودہ سال پہلے) واقع ہوئی تھی۔ (اتنے لمبے عرصے میں عموماً بڑے لوگ اپنے عزیزوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو پیکر ثانی اخلاق نبوی کے تھے کی شان اس سے بہت بالا تھی) حضور نے عریضہ بالا کو ملاحظہ فرمایا اور مجھے کو چہ بندی سے ملے ہوئے ایک کمرے میں جس کے ٹھیک اوپر کی منزل میں حضور بنفس نفیس رہتے تھے لوگ لے گئے اور وہی میری قیام گاہ قرار پائی۔) میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتمموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ کچھ ایسے پریشان سے ہو گئے۔ (نتیجہ یہ ہوا کہ میاں نجم الدین صاحب مہتمم روزانہ میرے پاس تشریف لاتے اور میری ضروریات دریافت کرتے جب کئی دن اسی طرح گذر گئے تو میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمانداری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کے لئے حضور مبعوث ہوئے ہیں اُن کو مطمئن کیا [1]

مولوی حسن علی صاحب کا مقام رفیع

حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ عنہ نے ابھی بتاریخ ۱۱ر جنوری ۱۸۹۴ء احمدیت قبول کرنے کا شرف پایا تھا۔ کہ اس کے جلد بعد کسوف و خسوف کے نشانات آسمان پر بطور صداقت حضرت مہدی علیہ السلام مارچ اور اپریل ۱۸۹۴ء میں ظاہر ہوئے۔ جون ۱۸۹۴ء سے قبل ان سماوی آیات بینات کی اہمیت کے بارے میں شرح و بسط سے حضور نے اپنی عربی کتاب نور الحق حصہ دوم میں ذکر کیا۔ یہ ہر دو حصص حضور نے پادری عماد الدین اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے انصار و اعوان کی علمی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے تالیف کئے تھے اور پانچ ہزار روپیہ انعام بھی مقرر کیا تھا۔ حضور انگریز قوم کو تبلیغ پہنچانے کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ کہ کیا تم انگریزوں کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ ذرائع

---

[1] سیرۃ مسیح موعود حصہ اوّل (مصنفہ حضرت عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ) صفحہ ۱۳۸۔ خطوط وحدانی میں اِن قوسی سوانح دو روایات سے اضافہ خاکسار مولف نے کیا ہے جو آپ نے خاکسار کو ۳ر جنوری ۱۹۵۱ء میں بھجوائی تھی۔

جو اب تک ان تک نہیں پہنچا اور دقائق فرقان سے وہ بے خبر ہیں۔ اگر تم اس لئے روتے ہو کہ تمہارے
ہاتھ خالی ہیں اور تمہارا جوتا پھٹا ہوا ہے۔ پس قریب ہے کہ خدا تعالےٰ تم کو غنی کر دے اسکی طرف جھکو اور اصلاح
کرو۔ کیونکہ وہ صالحوں کو دوست رکھتا ہے۔ قرآن کی اشاعت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور شہروں میں
پھرو۔ اور اپنے ملکوں کی طرف مت مائل ہو۔ انگریزی ولایتوں میں ایسے قلوب ہیں جو تمہاری شفقتوں کے
منتظر ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے تمہاری رنج و تکلیف میں ان کی راحت رکھی ہے۔ پس تم اس شخص کی طرح
خاموش مت رہو۔ جو دیکھ کر آنکھیں موند لے اور بلایا جائے پر کنارہ کشی اختیار کرے۔ کیا تم ان ممالک
میں ان بھائیوں کا رونا اور ان دوستوں کی آوازیں نہیں سنتے! کیا تم مریض کی طرح اور تمہاری شخصی اندرونی
بیماری کی طرح ہو گئی ہے۔ اور تم نے اسلامی اخلاق اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھلا دی ہیں
اور تمہاری حالت میں تغیر واقع ہوا ہے! اے لوگو! قیدیوں کی نجات اور گمراہوں کی ہدایت کے
لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور تلواروں اور نیزوں پر افروختہ ہو کر مت گرو۔ اور اپنے زمانہ کے اسلحہ کو پہچانو۔
کیونکہ ہر زمانہ کے لئے الگ اسلحہ اور الگ لڑائی ہے۔ پس اس امر میں مت جھگڑو۔ جو ظاہر و اجلے
ہے۔ ہمارا یہ زمانہ دلیل و حجت کے ہتھیاروں کا محتاج ہے نہ تیر و کمان اور نیزہ کا۔ پس دشمنوں کے لئے
وہ ہتھیار تیار کرو جو عاقلوں کے نزدیک نافع ہیں۔ اور اقامتِ حجت اور ازالۂ شبہات کے بدوں
تمہارے لئے فتح ممکن نہیں۔ بلاشبہ اسلامی صداقت طلب کرنے کے لئے روحیں حرکت میں آ چکی ہیں
سو حصولِ مقصد کے لئے اس کے دروازوں سے داخل ہو اور اپنے علماء میں سے بعض آدمی مقرر کرو
جو بطور واعظ انگریزی ممالک کو جائیں اور اس تابندہ شریعت کی حجت کفار پر تمام کریں۔ اور دوستوں
کی مدد کریں۔ اور ان کے معاون بن کر کھڑے ہو جائیں۔ اور میں اس طریق کو خیر و نسب اور قیم تر دیکھتا
ہوں کہ اس مہم کے لئے کوئی ایسا شریف شخص منتخب کیا جائے جو انگریزی زبان کا ماہر ہو جیسا کہ
حبی فی اللہ مولوی حسن علی صاحب ہیں کہ وہ اہل ہمت میں سے ہیں اور اس امر کے لائق ہیں مزید برآں

وہ تقوی زکی اور اشاعتِ ملّتِ اسلام کے لئے جری ہیں۔ لیکن یہ مُراد بجز ایسے متمول لوگوں کی ہمت
کے پوری نہیں ہو سکتی جو خدمتِ قوم کے لئے پوری کوشش کریں۔ اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔
اور تم جانتے ہو کہ یہ سفر اس بات کا محتاج ہے کہ زاد کافی ہو اور کوئی عربی دان رفیق بھی ساتھ ہو۔ سو
اگر تم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو اپنے اموال و نفوس کے ساتھ مدد
کرو۔ اور نکمے ہو کر مت بیٹھو۔ اور سمجھ لو کہ دینِ اسلام عالم انسانی کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے
کیونکہ جسمانی ملک روحانی ملک کے تابع ہے اور اللہ تعالےٰ نے جسمانی ملک کی سلامتی اور بزرگی روحانی
ملک میں رکھی ہے۔ اور سنّت اللہ اسیطرح واقع ہوئی ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ ارادہ فرماتا ہے کہ

کسی قوم کو بلندی بخشے تو ان کو دین و شرعِ متین کے بارے میں عالی ہمت اور صاحب غیرت بنا دیتا ہے۔
پس تم دشمن کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو لیکن بیوقوفوں کی طرح نہیں بلکہ عقلاء اور صاحب حکمت لوگوں کی طرح ظلم کا طریق مت اختیار کرو۔ بلکہ اس کا خیال تک تمہارے دل میں نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اسکی ہدایت کی اشاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے سو تمہاری حمیت اور غیرت دینی سے امید ہے کہ جاہلوں اور مجنونوں کی طرح نہیں بلکہ عقلمندوں کی طرح اسباب تیار کرو۔ کچھ شک نہیں کہ پُر غفلت گمراہوں کو سمجھانا با جبرِ علماء پر فرض ہے۔ بس تم اللہ تعالیٰ کی خاطر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اسکی ھدایت کو پھیلاؤ۔ اور اس پر کسی اور کے بدلہ کی مت امید رکھو۔ اور لین انکار کرنے والی ولایتوں میں دو باخبر آدمی بھیجو۔ اور اگر تم مجھ سے مشورہ طلب کرو تو میں ایسے آدمی کا نام بیان کر چکا ہوں جس کا میں فضل اور علم اور متانت اور حلم دیکھ چکا ہوں۔ ہاں وہ ایک یادولیے رفقار کا محتاج ہے جو لسانِ عرب میں ماہر اور علم قرآن میں متبحر ہوں۔ سو اے مسلمانو! اگر تم نے ایسا کیا اور میرے قول پر عمل کیا تو آخر زمانہ تک تمہاری نیک یادگار باقی رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول اور اس کے مجاہد بندوں میں تمہارا حشر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ تم اس کے فرمانبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں ایک مثال بیان کرتا ہوں تم اے منصفوں کی طرح سنو! ہر ایک شخص اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ تمام مال خرچ کر کے کسی مرض۔ مثلاً جسی ریح سے نجات پائے تو اس پر کیا پردہ پڑا ہے۔ کہ وہ اعانتِ دین کے لئے مال خرچ کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیا دین اس کے نزدیک خارج ہونے والی بدبودار ریح کے برابر بھی نہیں؟ سو تم اہلِ حیا کی طرح سوچو۔ دین کی مدد کرنا تو ایک بڑا بھاری ذریعۂ صلاح و فلاح ہے۔ اور لوگوں کی تعریف و ثناء اور اولیاء میں شمولیت اس کے علاوہ ہے۔ ... ایک دوسرے کی تکفیر اور ظالموں کی طرح زیادتی کرے بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح جہاد کریں جو مناسب زمانہ ہے۔ سو اگر تم رضائے الٰہی کے طالب ہو تو عمل مبرور کے طالب بن جاؤ اور صالحین کی سیرت اختیار کرو۔

اے بھائیو! آفتاب و ماہتاب سے زیادہ منور ہمارا دین ہے جس میں ضعف پیدا ہو گیا۔ اور زمانہ میں مفاسد بہت پھیل گئے۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں اور ہماری قوم شیطانِ ضلالت کے دانتوں تلے آ گئی ہے اور ہم اپنی کلیات و جزئیات میں کمزور ہو گئے ہیں۔ پس بدانجام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ اور بجز دعا کے ان بلاؤں اور وبال سے نجات پانے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ سو وقت آ گیا ہے کہ ہر دلیر ہمت اور حمیت اور غیرت کو کام میں لائیں اور اگر تم اب بھی دست کش رہو تو غافلوں کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا۔ کیا تم حالاتِ تنزل اور ایام ادبار اور مصائب لاحقہ کو نہیں دیکھتے؟ یہ بلائیں صرف ہماری غفلت اور اپنی ملت کے بارے میں ہمارے تغافل کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔ قریب ہے کہ اگر تم تائب ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ پس جو شخص انگریزی ممالک کی طرف وعظ و تبلیغ کے لئے جائے گا انشاء اللہ جلد ...

تو وہ برگزیدوں اور اصفیاء میں سے ہوگا۔ اور اگر اس کو وہاں موت آجائے گی تو وہ شہیدوں میں سے ہوگا۔ سو اے حامیانِ ملت، اے صاحبانِ غیرت و حمیت اور اے انصارِ شریعت! زمانہ کو پہچان لو کیونکہ وقت آگیا ہے اور یہ وہی زمانہ ہے کہ جس کے آنے کے تم امیدوار تھے۔ اور یہ وہی وقت ہے جس کی امیدیں تمہیں ہمیشہ سے تھیں۔ اور یہی وہ مہدی ہے جس کے تم منتظر تھے۔ دیکھو! چاند اور سورج کو اسکی تصدیق میں گرہن ہوتا ہے اور لیل و نہار اس کے حق میں شہادت دیتے ہیں۔ سو کیا اب بھی تم میری طرف آؤ گے یا اِدبار اختیار کرکے منہ پھیر لو گے۔ جان لو کہ تم نے وہ زمانہ پالیا جس کی تلاش میں تم تھے۔ سو اپنے پر نازل ہونے والے فضل اور اپنی طرف معبعوث مجدد کی طرف دوڑ کر آؤ اور کچھ شک و شبہ مت کرو اور ایسی عالی ہمتوں کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں اور ہاتھی بھاگ جاتے ہیں۔ اور امام اللہ کی تحقیر مت کرو ورنہ اس کا غضب و عذاب نازل ہوگا سو اس کے غضب سے ڈرو اور بے جا دلیری سے کلام مت کرو۔[1]

گویا حضور علیہ السلام کی رائے میں یا حبی فی اللہ، حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ انگریزی زبان کے ماہر تھے اور اس قابل تھے کہ یورپ میں ان کو بطور واعظ و مبلغ بھجوایا جائے۔ جہاں وہ عقل اور حکمت کے ساتھ اتمامِ حجت کرکے اشاعتِ اسلام کریں۔ اور ان کے ساتھ ایک دو رفیق ایسے بھجوائے جائیں جو عربی زبان کے ماہر ہوں اور علمِ قرآن میں متبحر ہوں جس سے استنباط ہوتا ہے کہ حضور کے نزدیک مولوی صاحب کا مقام اپنے معاونین سے تبحّرِ علمِ قرآن اور عربی دانی میں بڑا تھا۔ حضور کے نزدیک مولوی صاحب متقی زکی اور اشاعتِ اسلام کے لئے جری اور دلیر اور گویا برگزیدہ اور اصفیاء میں سے تھے۔ اور اگر وطن ہی اس کام میں فوت ہوجائیں تو شہداء میں شمار ہونے کے لائق تھے۔ وہ صاحب علم و فضل اور متانت و حلم تھے۔ مولوی صاحب کا یہ تمغہ چند ماہ کے اندر حضرت اقدس کا ایسا تحریر فرمانا مولوی صاحب کے مقامِ رفیع پر دال تھا۔

رسالہ "تائیدِ حق"

آپ تائیدِ احمدیت میں ایک کتاب تالیف کر رہے تھے کہ آپ کو پیغامِ اجل آگیا۔ گو یہ کتاب ناتمام رہی لیکن اس بظاہر نامکمل کتاب سے اس کی تصنیف کا گوہرِ مقصود کامل طور پر حاصل ہوجاتا ہے۔ کتاب کا لبِ لباب یہ ہے کہ اس معمورۂ عالم میں ہمیشہ ہی سچے خیر خواہوں اور بزرگوں کی تذلیل ہوئی چنانچہ بزرگانِ اسلام سے ایسا ہی سلوک ہوا۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اس طرح ایک طرف ان بزرگوں کی روحانی ترقی ہوتی ہے ان کے جوہر کھلتے ہیں۔ اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ اور بھی تیز ہوتا ہے۔ دوسری طرف ایذا دینے والوں کی کمینگی اور جو خرقہ تقدس پہنے ہوؤں کی مکاری و عیاری ظاہر ہوتی ہے نیز بتایا

کہ جس قدر بڑا مرض ہوگا اسی قدر بڑا معالج ہونا چاہیئے اس لئے ہمیں مفاسد زمانہ پہ غور کرنا چاہیئے تا معلوم کر سکیں کہ کس پایہ کا مصلح درکار ہے آپ بتاتے ہیں کہ اہل اسلام کی زبوں حالی نہایت کیسی ہے۔ اور بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کو کس قدر اندرونی اور بیرونی دشمن تباہ کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کس طرح حضرت مہدی علیہ السلام کو تلاش کر پائے۔ ختم نبوت رفع عیسےٰ اور دجال اور پیشگوئیوں کی تعبیر کے فلسفہ پر تشریحی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مثیل مسیح اور مہدی ہیں۔ اور مسیح اور مہدی ایک ہی وجود کا نام ہے۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مثیل عیسیٰ نے کیا مسیحائی کی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"نہایت اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے میں
نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا
شروع کیا تو میں اس وقت تک سویا
نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری
کتاب کو ختم نہ کر لیا۔" [1]

(الفضل ۲۷ اپریل ۱۱)

چونکہ اس کتاب میں مشرح و بسط سے حضرت مولوی حسن علی صاحب نے اپنے سوانح رقم کئے ہیں جو میں نے نقل نہیں کئے۔ اور ان کے بغیر آپ کے سوانح مکمل طور پہ سامنے نہیں آتے۔ اس خاطر نیز اس لئے بھی تا اِس کہنہ مشق مصنف کی اِس تالیف سے آپ کے زورِ قلم کا علم ہو سکے۔ اس کتاب کو من و عن درج کیا جاتا ہے جس کے آخر پہ مسلمانوں کے لیڈر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کی تقریظ بھی ہے۔

---

[1] پہلی بار "تائید حق" جناب سیٹھ عبدالرحمٰن مدراسی مالک صالح جی کمپنی نے پنجاب پریس سیالکوٹ میں زیر اہتمام میاں غلام قادر فصیح چھپوایا۔ ۱۸۹۷ء میں۔ بعد میں یہ پھر تین بار طبع کی جا چکی ہے۔

سچے خیر خواہوں کے ساتھ ہمیشہ کیسا سلوک ہوا

اللہ جلّ شانہٗ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْہِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ یعنی بندوں پر کیا ہی افسوس ہے کہ ان کے پاس رسول نہیں آیا جس سے انہوں نے ٹھٹھا نہیں کیا۔ ناشکرے دنیا داروں کا یہ ایک بندھا ہوا قانون ہے کہ وہ اپنے سچے محسن اور اپنے مخلص ہی خواہ کے ساتھ ضرور بدسلوکی کیا کرتے ہیں۔ انبیاء اور رسولوں سے بڑھ کر انسان کا خیر خواہ اور کون ہو سکتا ہے۔ کوئی تو آرے سے چیرا گیا۔ کسی کو ڈھیلوں سے مار کر حیران اور زخمی کیا گیا۔ کسی کو جلاوطن کیا گیا۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے نبی آئے سب ستائے گئے۔ لیکن میں سب سے بڑھ کر ستایا گیا۔ اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ سب سے بڑھ کر بنی انسان کے خیر خواہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ پیغمبروں کے سچے نائب و جانشین اولیائے کرام بھی خدا کے ناشکرے بندوں کے ہاتھوں سے بہت کچھ ستائے گئے ہیں۔ اہل اسلام میں شاید ہی ایسا ولی اللہ گزرا ہو گا۔ جس کو بیگانوں تو جانے دو خود اہل اسلام ہی نے نہ ستایا ہو۔ خلفائے راشدین جن سے بڑھ کر خیر خواہ اسلام اب تک کوئی نہیں ہوا۔ ان کو اسلام سے خارج کرنے والے ان کو گالیاں دینے کو ثواب سمجھنے والے ہنوز لاکھوں موجود ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے کوئی ظلم و تعدی سے نہ بچا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو کمبختوں نے جاہل، بدعتی زندیق۔ کافر تک لقب دیا۔ قید خانے میں قید کر کے آپ سے اینٹ گننے کا کام لیا۔ آخر کو وہ قید خانہ ہی میں زہر دیئے گئے۔ ابو عبد اللہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو موذیوں نے اشر من ابلیس کہا۔ رافضی نام رکھا۔ یمن سے بغداد تک بے عزتی کے ساتھ قید کر کے بھیجے گئے۔ راہ میں لوگ انہیں گالیاں دیتے جاتے تھے۔ ابو عبد اللہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ پر اس قدر ظلم کیا گیا کہ پچیس[۲۵] برس تک جمعہ و جماعت کے لئے باہر نہ نکل سکے۔ ذلت کے ساتھ قید کئے گئے۔ ایسی بے رحمی کے ساتھ لوگوں نے ان کی مشکیں باندھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ اونٹ پر کھڑا کر کے پھرایا گیا اور ایک مسئلے سے انکار کرنے کی وجہ سے ستر کوڑوں سے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۰ ماہ قید رہے۔ بھاری بھاری زنجیریں ان کے پاؤں میں ڈالی گئیں۔ ذلیل کرنے کے لئے مجلسوں میں بلائے جاتے اور لوگ ان کو طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے۔ ہر شام کو جیل خانہ سے نکال کر کوڑے مارے جاتے حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن سے نکالے گئے۔ جب سمر قند پہنچے تو سمر قند والے بھی اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ سمر قند میں رہیں۔ تو آپ نے تہجد کی نماز میں دعا کی کہ خداوندا دنیا مجھ پر تنگ ہو گئی ہے تو اب مجھ کو اپنی طرف بلا لے۔ پس انہوں نے اسی ماہ میں انتقال فرمایا۔

قطب الاقطاب بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ شہر بسطام سے سات مرتبہ نکالے گئے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی (جن کو قوم نے سلطان العارفین کا لقب دیا تھا) تکفیر کی گئی۔ شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ الحسنی والحسینی الجیلانی کو فقہا نے کافر کہا۔ ابن جوزی نے ان کے خلاف میں ایک کتاب تصنیف کی۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ اکبر کہلاتے ہیں۔ ان کو صرف کافر بلکہ اکفر کہا گیا۔ بلکہ علمائے زمانہ نے یہ فتویٰ دیا کہ ان کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ اس پر بھی صبر نہ کیا۔ بلکہ ان کے کل ماننے والوں کو کافر قرار دیا۔ پھر بھی دل کو ٹھنڈک نہ ہوئی۔ تب یہ لکھا کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر اور پھر جو کفر میں شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ کافر۔ حضرت مولانا مولوی جلال الدین رومی صاحب مصنف مثنوی شریف۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ۔ شیخ فرید الدین عطار کے کافر کہنے والے مسلمان سوترہ میں ابھی تک موجود ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ مصنف احیاء علوم الدین و کیمیائے سعادت کافر ٹھہرائے گئے۔ اور ان کی کتابوں کو جلا دینا اور ان پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔ ایک شخص نے امام غزالی علیہ الرحمۃ کو لکھا کہ آپ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت نے لکھا کہ "حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر اور جاہلوں کے لعن طعن سے رنجیدہ مت ہو۔ اے برادر ذلیل جان اس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سمجھ اس شخص جس کو لوگ کافر اور گمراہ نہ سمجھیں۔" غرض اس قصہ کو کہاں تک طول دوں۔ مختصر یہ ہے کہ کوئی سچا خیر خواہ کبھی نہیں بچ سکتا جو ستایا نہ جائے۔ اہل اسلام کے اولیائے کرام کے ساتھ خود مسلمانوں نے جو سلوک کیا ہے اس کو اگر لکھا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے پاک اور خالص بندوں کو ایسی تکلیف اور مصیبت میں کیوں ڈال دیتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جس قدر متقی اور پرہیزگار ہوتا وہ اسی قدر مقبول خلائق ہوتا۔ سب لوگ اس کی قدر و عزت کرتے اور ہر طرح کے آرام اور عافیت سے اس کی زندگی بسر ہوتی تا سب کی آنکھوں میں نیکی کی عمدگی ظاہر ہوتی۔ ہر شخص کھلم کھلا دیکھ لیتا کہ خدا سے ڈرنے والے دونوں عالم میں خوشی اور با عزت رہتے ہیں۔ کاملین اور مقبولین کا شکار آفت و مصیبت و بدنامی و ذلت ہونا انسان کو دھوکے میں ڈالتا ہے۔ اور اس سے ایک قسم کی گمراہی پھیلتی ہے۔ چھوٹی سمجھ کے آدمی سمجھنے لگتے ہیں کہ دغابازی فریب۔ بے ایمانی۔ ظلم۔ شرک و بدعت ہی عمدہ کام ہیں کیونکہ اس قسم کے آدمی خوش حال رہتے ہیں اور دنیاوی کامیابی ان کو نصیب ہوتی ہے۔ اب اس اعتراض کے جواب پر خوب غور کرنا چاہئے۔

یہ جہان دار الامتحان ہے۔ اس عالم میں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتیں۔ سب چیزوں کی اصل حقیقت کے ظاہر ہونے کا عالم دوسرا ہے۔ یہاں کا کڑوا اس عالم میں میٹھا ہوگا۔ اور یہاں کا میٹھا وہاں کڑوا ہو کر ظاہر ہو جائے گا۔ یہاں سب چیزوں پر ایک قسم کا پردہ ہے۔ مالک نے بہشت کے اوپر

لیکن مصیبت کا پردہ ڈال رکھا ہے اور دوزخ کے اوپر خوشی اور چین کا غلاف چڑھا دیا ہے۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اسی عالم میں اس قدر تیز ہیں کہ پردہ غلاف سے پار ہو کر بہشت اور دوزخ کو دیکھ لیتی ہیں بدنصیب ہے وہ جو شراب کی چمک دمک اور آنی سرور کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے اور جا لکی ہوا سی کو جو اسی عالم میں شراب میں دوزخ کی بدبو کو حس کرتا ہے۔ خدا کے پیارے بندے ستائے جاتے ہیں لیکن نہ اس لئے کہ وہ برباد اور غارت ہوں جس طرح قوم عاد اور ثمود ہوئی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے روحانی قویٰ شگفتہ ہوں۔ ان کی مدارج کی ترقی ہو۔ ان کے وجود میں جو خوبیاں چھپی ہوئی ہیں وہ کھل پڑیں۔ وہ رگڑے جاتے ہیں کس طرح جیسے صندل کہ اس کی خوشبو پھیلے وہ پیسے جاتے ہیں لیکن کس طرح جیسے مہندی کہ اس کی عزت بڑھے اور معشوق کے ہاتھ میں لگائی جائے وہ سرنگوں کئے جاتے اور ظاہری ذلت میں آلودہ ہوتے ہیں۔ لیکن کس طرح جیسے گیہوں کہ زمین میں ڈال کر کسان اس کو گرد آلودہ کر دیتا ہے تا وہ بارور درخت ہو کر بڑھے اور سینکڑوں گیہوں کی صورت میں ظاہر ہو اور کسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے۔ کل خدائی راہ پر چلنے والے بالاتفاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ رنج و مصیبت اٹھانا۔ دنیا داروں کے ہاتھ سے ذلیل ہونا۔ ناحق کافر کہلانا۔ بہتان اور تہمتوں کا نشانہ بننا ان کو خدا سے قریب کرتا رہا ہے۔ جوں جوں ان پر ناحق ظلم کیا جاتا تھا اسی قدر وہ رحمت الٰہی کے جوش کو اپنی طرف دیکھتے تھے ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ وہ لکھتے ہیں ؎

آنچہ کفر است بر خلق برما دین است ؛ تلخ و ترش ہمہ عالم بر ما شیریں است

ہاں یہ سچ ہے کہ دنیا داروں نے انہیں نہایت بے رحمی سے کوڑے مارے ہیں۔ لیکن اندرونی روحانی سرور نے ان کو کوڑے کی چوٹ سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ وہ دار پر چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ان کی زبان کاٹ ڈالی جاتی ہے۔ لیکن وہ اپنے محبوب ازلی کی روحانی عنایتوں کو بارش کی طرح اپنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور ظالموں کے غصے کو اور بھڑکاتے ہیں۔ ظالم حیران ہوتے ہیں کچھ سمجھ نہیں سکتے تو کہنے لگتے ہیں یہ شخص دیوانہ ہے ہاں بے شک دیوانہ ہے لیکن کس کا؟ دنیا کا نہیں خدا کا۔ خدا وہ دیوانگی سب کو نصیب کرے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ؛ اے طبیب جملہ علت ہائے ما

غرض ظاہری مصیبتیں۔ بلائیں۔ ذلتیں جو خدا کے برگزیدہ بندوں پر آتی ہیں وہ بجائے اس کے کہ ان کے جوش کو دبا دیں۔ ان کی قومی ہمدردی و بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے ولولہ کو مردہ کر دیں اور بھی اس جوش کو بڑھاتی اور ابھارتی ہیں۔ ان کا پاک جوش وہ چراغ نہیں جو پھونک سے بجھ جائے بلکہ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس کو مخالفت کی ہوا اور تیز و تند کرتی ہے۔ مخالفین اپنی بیجا مخالفت سے اس کی بھڑک کو اور بلند کرتے ہیں۔ مخالفین انہیں گندی گالیاں دے کر ان پر بہتان باندھ کر ان کی تکفیر کر کے

ان بزرگوں کو دُکھاتے ہیں کہ ہم کس درجہ کی تباہی اور ذلّت کو پہنچ گئے ہیں جو ایسا ذلیل کام کر رہے ہیں اپنی قوم کی اس ذلیل حالت کو دیکھ کر ان رحم دل بندوں کا دل اور کُڑھتا ہے اور وہ خدا کے پاس اپنے ظالموں کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں۔ آخر ان کی اندھیری راتوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اور ابرِ رحمت برس کر ساری قوم کو نئی زندگی بخشتا ہے وہ جو دشمن شدید تھے جان نثار دوست بن جاتے ہیں۔ اہل عرب کی حالت۔ ان کا معاندانہ جوش اور ان کی آخر کو ایک عجیب کایا پلٹ ایک نہایت ہی قابلِ غور نمونہ ہے پیغمبرانِ خدا اور مصلحانِ قوم خدائی حکیم و طبیب ہیں جو اس عالم میں روحانی امراض کے دور کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اگر مریض مکاری کا جامہ پہن کر رہ جائیں اور اپنے چھپے ہوئے زخموں کو نہ دکھائیں تو حکیم و طبیب سخت دھوکہ میں رہ جائیں۔ اس لئے رحمت الٰہی مخالفت کی ہوا کو ایسی تیز کر دیتی ہے کہ مکاری و ریاکاری کا پردہ اُڑ جاتا ہے اور وہ جو بڑے مقدس کہلاتے تھے اس ہوا سے ٹکر کھا کر اپنی چھپی ہوئی گندگی کو ظاہر کر دیتے اور اپنے باطنی کمینہ پن کو سارے جہان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مصلحانِ قوم کا دل اس افسوسناک حالت کو دیکھ کر ایسا کُڑھتا ہے کہ اس کا اندازہ وہ کر ہی نہیں سکتے۔ جن کی طینت میں رحمدلی اور شفقت کا مادہ نہیں۔ کیا ماں اپنے بچے کے خطرناک مرض کو دیکھ کر سُکھ کی نیند سو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ تو جان لو کہ سچے مصلحانِ قوم کے دلوں میں اللہ پاک رحم مادری کی طرح رحمت و شفقت علی الخلق رکھ دیتا ہے۔ یہ نیک بندگانِ خدا قوم کے لئے اسی طرح روتے اور بے قرار ہوتے ہیں جیسے ماں اپنے نہایت ہی مریض بچے کے لئے روتی اور کلپتی ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ مصلحانِ قوم اپنی قوم کو بعض وقت نہایت ہی سخت الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں۔ لیکن ان سخت الفاظ کے اندر محبت و شفقت بھری رہتی ہے۔ کیا والدین اپنی نالائق اولاد کو بُرا بھلا نہیں کہتے۔ لیکن کیا جس حالت میں وہ سخت الفاظ میں اولاد کو غیرت دلاتے اور دل دُکھانیوالی باتیں کہتے ہیں تو کیا اس وقت ان کے دلوں سے دردِ فرزندی دور ہو جاتا ہے؟ نہیں۔ بلکہ اسی دردِ فرزندی کی وجہ سے ان کے الفاظ تیز ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سے تو غصہ بھرے ہوئے الفاظ نکلتے ہیں۔ لیکن دل ان کا روتا ہے۔ بعض اوقات مصلحانِ قوم عمداً سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں نہ بغرضِ انتقام بلکہ اس پاک ارادے کی وجہ سے کہ شاید ان سخت لفظوں سے ہی کہیں مُردہ میں جان آوے۔ بے غیرت میں غیرت پیدا ہو جب کبھی لڑکا جو ماں کے پیٹ میں زندہ تھا پیدا ہونے کے بعد مُردہ معلوم ہوتا ہے تو ڈاکٹر اس بچے کے اوپر پہلے گرم پانی کا چھینٹا مارتا ہے اور اس طور سے بار بار گرم و سرد پانی کے چہرے پر پڑنے سے اکثر لڑکے زندہ ہو جاتے ہیں۔ مصلحانِ قوم بھی اسی قسم کے ڈاکٹر ہیں جو اپنے تیز اور دل دُکھانے والے الفاظ کے گرم اور میٹھے اور پیارے اور درد بھرے

الفاظ کے سرد چھینٹوں کو مار کر اپنی مردہ قوم کو زندہ کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ان ڈاکٹروں کے ذریعے سے زندہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا جلایا ہوا پھر ایک دن مر جاتا ہے۔ لیکن ان روحانی ڈاکٹروں کا زندہ کیا ہوا انسان کبھی نہیں مرتا۔ وہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو جاتا ہے۔

پیغمبران خدا اور مصلحان قوم مثل گنے کے درخت کے ہیں۔ آجت و بلا کے کولھو میں ڈالے جاتے ہیں۔ لیکن جہان میں شیرینی جو کچھ پھیلی ہوئی ہے سب ان ہی کی ذات سے ہے۔ اس جہان میں گمراہ انسان کی ہدایت کے لئے اگر کوئی ایک مختصر سی بھی نصیحت ہے تو وہ ضرور کسی ہادی برحق کی پھیلائی ہوئی ہے۔ نور زمین سے نہیں نکلتا۔ نور آسمان سے اترتا ہے۔ پس اس اندھیری دنیا کو اجالا بنانے کے لئے آسمان سے نازل ہونے والے خدا کے بندوں نے نور لا کر ہدایت کو پھیلایا۔ خدا اپنی رحمت ان پاک بندوں پر نازل کرے یہ اس جہان کے حق میں رحمت ہیں سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اللہ جلشانہٗ اس جہان کو بھی پیدا نہ کرتا۔

مخالفین اسلام کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ اگر پیغمبران خدا اور مصلحان قوم انسان کی امراض روحانی کے طبیب یا ڈاکٹر ہیں تو کیا اس جہان میں کوئی مرض روحانی نہ رہا جو سلسلہ نبوت کو اللہ نے ختم کر دیا۔ اگر گمراہی باقی ہے تو ہادی کی بھی ضرورت ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ زمینی ہادی سے کام نہیں چلتا اس لئے کہ گمراہی کی گھنگھور تاریکی کو دور کرنے کے لئے آسمان سے نازل ہونے والے ہادی کی ضرورت ہے جو آسمانی نور لا کر زمین کو روشن کرے۔ پھر پیغمبروں کا سلسلہ کیوں بند کیا جاتا ہے۔ کیا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اللہ اپنے بندوں پر مہربان تھا جو ان کی ہدایت اور ان میں روحانی زندگی کی روح پھونکنے کے لئے اپنے پاک بندوں کو آسمان سے بھیجا کرتا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ اپنے بندوں پر رحیم نہ رہا۔

اب اس اعتراض کے جواب پر غور کرنا چاہیئے۔ ختم رسالت سے یہ سمجھنا کہ اللہ اپنے بندوں کی ہدایت نہیں کرنا چاہتا ہے اور اب وہ رحمٰن و رحیم نہ رہا سراسر غلط ہے۔ دین اسلام میں اس کی تعلیم کسی جگہ نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس علی مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر ایک صدی کے سرے پر بالضرور ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو ان کے دین کی تجدید کرے گا۔ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ہادیان قوم و مصلحان بنی آدم کے بابرکت وجود سے کبھی دنیا محروم نہ رہے گی۔ ہاں ختم رسالت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہادی جو نبی اور رسول کہلاتے ہیں، جو شریعت لاتے ہیں۔ جن پر کتاب نازل ہوتی ہے وہ اب نہ آئیں گے۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد ایسے ہادیوں کی اب ضرورت نہیں رہی۔ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی ہدایت اور

راہنمائی کے لئے ایسی کتاب بھیج دی جس میں کل عمدہ باتیں جو انسان کے لئے درکار ہیں موجود ہیں جس میں
حکمت اور دانائی کی سب باتیں بھری ہوئی ہیں اور جو ہر لیاقت و قابلیت کے آدمی کے لئے کافی ہادی
ہیں۔ عرب کا ادنیٰ درجے کا بدو جس طرح اس کتاب پاک سے فائدہ پا سکتا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ
سے اعلیٰ درجے کا حکیم یا فلاسفر اس سے نفع اٹھا سکتا ہے بلکہ وہ اس کے کمال و خوبیوں کا عاشق زار
ہو سکتا ہے۔ کوئی صداقت اس کتاب سے باہر نہیں۔ وہ ایسی کتاب ہے جو روحانی تاثیر سے بھری ہوئی
ہے جو آدمی اس کو ادب و غور سے پڑھتا ہے وہ اس کے دل پر ایک برقی اثر پیدا کرتا ہے اور اسی طرح
اس کے اخلاقی قویٰ میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ مخالف اسلام بھی قائل ہیں کہ
قرآن کریم نے عرب کی اخلاقی حالت پر ساحرانہ اثر پیدا کیا تھا۔ بلاشبہ یہ کتاب انسان کے باطن سے
خباثت اور پلیدی کو دور کرتی ہے اور اس کو تاریکی سے نور کی طرف لے جاتی ہے۔ اس پاک کتاب میں
ہر شے کی تفصیل موجود ہے ہر بات کے لئے اس میں دلیل بھی ہے۔ غرض وہ ایک ایسی بے نظیر و بے مثل
کتاب ہے کہ اگر سارے جہان کے آدمی یا کل جنات مل کر بھی ویسی کتاب بنانا چاہیں تو ہرگز نہ بنا سکیں
غرض جب اللہ نے ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں انسان کے لئے جتنی روحانی نعمتیں درکار تھیں۔
سب موجود ہیں اور جس میں دین کامل ہو کر نظر آتا ہے جو ایسا نسخہ ہے کہ جس میں ہر روحانی مرض کے
لئے شفا ہے تو اب کسی نبی اور رسول کی ضرورت ہی کیا رہی جو کام تھا وہ پورا ہو گیا۔ لیکن آسمانی کتابوں
میں انسانی تحریف و مداخلت سے جو خرابیاں پڑتی ہیں اس کے لئے کیا انتظام کیا گیا۔ قرآن میں اس کا
تدارک بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔
یعنی ہم نے اس کتاب کو نازل فرمایا اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اللہ پاک نے اپنے وعدے کو
کیسا پورا کیا؟ کیا اس سارے جہان میں کوئی کتاب بھی ایسی موجود ہے جس میں تیرہ سو برس کے عرصہ میں ایک
لفظ اور ایک حرف بھی نہ بدلا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی کتاب کی ایسی حفاظت کی ہے کہ تیرہ سو تو کیا
تیرہ ہزار بلکہ تیرہ لاکھ برس بھی گذر جائیں تو اس پاک کلام کا ایک حرف بھی بدل نہیں سکتا۔ یہ کتاب صرف
کاغذوں پر لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ لاکھوں ایمانداروں کے سینوں میں محفوظ ہے سبحان اللہ کیا ہی بے مثل
طور پر اللہ نے اپنے وعدے کو پورا کیا ہے نہ صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی تحریف و تبدیل سے محفوظ
ہیں بلکہ اللہ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو یہ خوشخبری سنا دی ہے کہ ایسے
بندے برابر پیدا ہوتے رہیں گے کہ اگر قرآن کریم کی تعلیمات میں انسانی مداخلت ہو جائے تو وہ اس خرابی
کو بھی دور کریں گے۔ یہ خدا کے برگزیدہ بندے نبی و رسول تو نہ ہوں گے لیکن علماء امتی کانبیاء
بنی اسرائیل کے فرمان کے مطابق اپنے کمالات اور روحانی مدارج میں انبیاء اور رسل کے مثیل ہوں گے
جب ہم ان اولیائے کرام کے حالات پر جو سرمایۂ فخر و ناز اہل اسلام ہیں غور کرتے ہیں اور ان کی بے مثل

تصنیفات کو پڑھتے ہیں تو مولانا جامی کی طرح بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

من چہ گویم وصف آں عالیجناب ؛ نیست پیغمبر ولے دارد کتاب!

یہ اولیاء اللہ مشرف مکالمہ الٰہی سے بھی سرفراز ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم الہامی ہونے کی وجہ سے زمینی نہیں ہوتی بلکہ اس میں آسمانی نور بھرا ہوتا ہے یہ اللہ کے پاک بندے مثل انبیاء بنی اسرائیل کے اپنے وجود میں ایسے روحانی کمالات بھی رکھتے ہیں کہ دوسروں پر ان کا اثر پہنچا کر ان میں ایک نئی روح پھونک سکیں۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مرسلان الٰہی و مصلحان انسان ہرگز بے ضرورت اس عالم میں نہیں آتے۔ جب زمین کو پانی کی سخت ضرورت ہوتی ہے تو ابر رحمت برس کر مردہ نباتات کو پھر زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب روحانی خرابیاں پھیل جاتی ہیں اور انسان مردہ دل ہو جاتے ہیں تو اس وقت یہ خدا کے خاص بندے ابر رحمت کی طرح اس عالم میں تشریف لاتے ہیں مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، زندوں کو قوت دیتے ہیں اور روحانی عالم میں ایک نئی کیفیت پھیلا دیتے ہیں، گویا تجدید دین کرتے ہیں، اسی لئے وہ مجدد کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

کیا ہمارے زمانہ میں کسی مجدد کی ضرورت ہے؟ اگر ہے تو اس مجدد کو کس رتبہ و پایہ کا ہونا چاہیئے۔ اس سوال کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ اگر ضرورت حقہ پیدا ہو گئی ہے تو ضرور مجدد بھی اللہ کی طرف سے بھیجا جائے گا۔ اگر خرابی پھیلی ہے تو مصلح بھی آئے گا۔ اگر خرابی چھوٹی اور کم رتبہ و وقعت کی ہے تو اسی رتبہ کا مجدد بھی آئے گا اور اگر خرابیاں عظیم الشان ہیں تو مجدد بھی اسی رتبے اور درجے کے لائق ہوگا چھوٹی بیماریاں چھوٹے چھوٹے ڈاکٹروں سے بھی اچھی ہو جاتی ہیں، لیکن مزمن سخت بیماریوں کے لئے بڑے ڈاکٹر اور بڑے طبیب کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے لازم ہے کہ ہم اہل اسلام کی حالت پر غور کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ہماری کیا حالت ہے۔

موجودہ اہل اسلام کی روحانی حالت

اے ناظرین یہ ایک مشکل کام ہے کہ سارے جہان کے مسلمانوں کی روحانی حالت و ضرورت وغیرہ کا پورا پورا اندازہ کیا جائے۔ ہم اس بات پر قادر ہو سکتے ہیں کہ اپنے چاروں طرف جو حالت ہے اس کو غور سے دیکھیں اور اس کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ اس لئے ہم یہاں پر ہندوستان کے مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی حالت پر غور کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہے، اور ہماری کیا ضرورتیں ہیں[1]

---

[1] اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی روحانی حالت کا پورا اندازہ مل جائے گا۔ اگر ہندوستان میں جو روحانی امراض پھیلے ہیں،

اسلام پر تیرہ سو برس سے زیادہ گذر گئے ہیں۔ اس عرصہ میں ہر طرح کی آفتیں اور مصیبتیں وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر آئی ہیں۔ کبھی کوئی اندرونی جھگڑے ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں جانیں تلف ہو گئی ہیں۔ کبھی کسی بیرونی دشمن نے آکر حملہ کیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے گھروں اور خاندانوں کو تباہ اور برباد کر ڈالا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ دشمنوں نے مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں کو چھین لیا۔ اور انہیں اپنے گھروں سے نکال دیا اور جلا وطن کر دیا ہے۔ ان کے سارے مال اور اسباب لوٹ لئے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کو غلام بنایا ہے۔ زمانہ دراز تک مسلمان قیدیوں کو غلامی کی ذلت و تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ غرض اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں انواع و اقسام کی تکلیفیں اور مصیبتیں مسلمانوں پر آئی ہیں۔ جن سے مسلمانوں کو سخت سے سخت مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ لیکن جو مصیبت و بلا آج کل ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں پر ہے اس کی نظیر ایک بھی نہیں ملتی ہے۔ سابق میں جو بلا و مصیبت آتی تھی اس کا صدمہ صرف جان و مال پر ہوتا تھا۔ لیکن آج جان و مال نہایت امن و امان میں ہیں۔ مگر جان و مال سے بڑھ کر پیاری اور قابل قدر چیز ہے اس پر حملہ ہو رہا ہے۔ اگلے زمانے میں لاکھوں مر گئے لیکن وہ مر گئے شہید ہو کر۔ مرنا تو سب کو ایک دن ضرور ہے لیکن الحمد للہ وہ بہادر مرے۔ وہ اللہ کے عاشق مرے۔ وہ ایسا مرے کہ اُن کو مُردہ کہنا حرام ہے۔ وہ ایسا مرے کہ اس کے مرنے کی ہر مسلمان ایمان دار کو دلی تمنا ہے وہ ایمان سلامت لے گئے۔ کیا جان و مال، عزت و آبرو، آرام و عافیت ان سب سے بڑھ کر پیار کے لائق چیز ایمان کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ اگلے زمانے میں اگر جسمانی مصیبتیں مسلمانوں پر پڑیں تو وہ صابر رہے اور صبر والوں کا بدلہ بے حساب ہے۔ غرض اگلے زمانے کے مسلمان ظاہراً تباہ و برباد معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان کا ایک حبہ بھی برباد نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کی اصل چیز سلامت رہتی تھی۔ مسلمان غلام بن گئے۔ لیکن اپنی ایمانی قوت سے اپنے کافر آقاؤں کو اللہ کا غلام بنا چھوڑا تو حقیقت میں وہ مفتوح ہو کر بھی فاتح ہی

بقیہ حاشیہ:۔ انہیں ہم بخوبی سمجھ جائیں گے۔ تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہی حالت اور جگہوں کی بھی ہوگی اگر نہیں ہوئی ہے تو ہونے والی ہے کیونکہ اسٹیمر، ریل گاڑی، چھاپہ خانہ، ڈاکخانہ، تار برقی، اخبار وغیرہ اسباب کے توسل سے ہر قسم کی بیماریاں ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھیلتی ہیں۔ گو ایک ملک دوسرے ملک سے بہت دور واقع ہو۔ لیکن زمانہ موجود کے علوم و فنون کی برکت سے سب قومیں ایک ہی سطح تختے پر جمع ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جو رنگ ڈھنگ ایک قوم کا ہوتا ہے۔ وہ دوسری کا ضرور ہونے والا ہے۔ ایک میدان میں رہ کر کب تک ایک دوسرے سے متغائر حالت میں متفرق قومیں رہ سکتی ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس قسم کے مصلح کی ہم کو ضرورت ہے اسی مصلح یا اسی رنگ ڈھنگ کے مصلح سے ہر ملک کے اہل اسلام کی اصلاح ہوگی ۱۲ منہ

رہے۔ سبحان اللہ مومن ہونا بھی کیا ہی نعمت ہے۔ سچ پوچھو تو مومن کامل مفتوح ہونا ہی نہیں۔ موتی کو اگر
کیچڑ میں ڈال دو تو موتی ہی ہے۔ لیکن ہم ہندوستان کے مسلمانوں پر جو تباہی آئی ہے جس بربادی میں
ہم گرفتار ہوئے ہیں اگر خدا ہی اپنی قدرت سے ہمیں بچا نہ لے تو ہمارا کہیں بھی پتہ لگتا ہوا نظر نہیں
آتا۔ ہائے ہم پر وہ چوطرفہ طوفان آیا ہے کہ ہم سب کا ایمان ہی رخصت ہوتا نظر آتا ہے۔ ہمارا
ایمان ایک محاصرے کی حالت میں معلوم ہوتا ہے۔ چاروں طرف سے اس پر دشمن ٹوٹ پڑے ہیں۔ اب
ہم مختصر طور پر ان متفرق دشمنوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔

پہلا دشمن یورپین علوم و فلسفہ

جب یورپ میں علم کی روشنی پھیلی تو عیسائی مذہب کے بودے نامعقول عقیدے مثلاً خدا کا
ایک بھی ہونا۔ تین بھی ہونا۔ سارے جہان کے لئے ایک معصوم شخص کا سر کو کفارہ ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے
زٹل عقائد سمجھ داروں اور ذی علموں کو سراسر لغو معلوم ہوتے۔ پادری صاحبوں نے بچپن ہی سے اسلام
کی طرف سے سب کو بڑے درجے کا بدظن کر رکھا تھا۔ بچارے کرتے کیا ناچار سوچ بچار کر مذہب
ہی کو زٹل سمجھ لیا۔ ڈارون۔ ہکسلی۔ ٹنڈل۔ کومٹی وغیرہ نے عقلی گھوڑے بہت کچھ دوڑائے۔ لیکن
جیسے حکیم متلاشی کو دربار الٰہی سے ذلت اور ناکامیابی کا خلعت عنایت ہوتا ہے۔ ویسا ہی ہوا۔ کوئی
دہریہ ہو گیا کوئی شک کے اتھاہ کنوئیں میں جا گرا کسی نے اپنے دل سے ایک مذہب گھڑ دیا۔ غرض
عجب طوفان بے تمیزی پیدا ہو گیا۔ سارے یورپ میں ایسے بے دین ایسے گمراہ ایک دو نہیں ہیں
لاکھوں بلکہ کروڑہا ہیں۔ ان گمراہوں کی تصنیف کردہ کتابیں سارے جہان میں پھیلی جاتی ہیں
ان لوگوں نے ماہواری رسالے جاری کئے ہیں جن میں نہایت آزادی کے ساتھ اپنے گھڑے
ہوئے فلسفے کو چھاپتے ہیں۔ ایمان کی ان باتوں پر جو اصل اصول ہیں سخت سے سخت حملے کرتے
ہیں۔ ان موذیوں میں عجب طرح کی فرعونیت ہے۔ ہر ایک اپنے کو بقراط و سقراط سے بڑھ کر
سمجھتا ہے۔ سارے جہان کے آدمیوں کو نہایت نفرت و حقارت سے دیکھتا ہے۔ ان کی تحریروں
میں شیخی اور گھمنڈ بھری رہتی ہے۔ ادیانِ سابقہ کی دھجیاں اڑانی۔ خدا کے ماننے والوں کو تمسخر کی راہ
سے بھولا بھالا بے وقوف قرار دینا ان کا روزانہ مشغلہ ہے۔ اسی قسم کے معلم اکثر ہمارے کالجوں میں
تشریف رکھتے ہیں مسلمانوں کے بچے ان سے تعلیم پاتے ہیں جو قوم برسر حکومت ہوتی ہے اس کی عظمت
خواہ مخواہ محکوم کے دلوں میں ہوتی ہے۔ پھر طالب علم اپنے استاد کو کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے
ہیں ظاہر ہے۔ غرض ہماری قوم کے نوجوان طالب علم پڑھتے ہیں ایف۔ اے۔ بی۔ اے۔ لیکن
حاصل کرتے ہیں بے دینی اور دہریت۔ اپنے استادوں کے رنگ میں پورے رنگے جاتے ہیں۔

اللہ اللہ مسلمانوں کے ہزاروں بچے اسلام سے ایسا نکل گئے ہیں کہ ان کے دلوں کو اللہ اور اس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی تعلق ہی نہ تھا۔ اب علی العموم ذہین لکھے پڑھے نوجوان معزز عہدوں پر ممتاز ہوتے ہیں کوئی منصف ہے کوئی ڈپٹی مجسٹریٹ ہے۔ کوئی مجسٹریٹ ہے۔ کوئی جج ہے۔ کوئی ہائی کورٹ کا جج ہے۔ کوئی وکیل درجہ اعلیٰ ہے۔ کوئی بیرسٹر ہے۔ چھوٹے لڑکے جو ابھی نچلی کلاسوں میں پڑھتے ہیں۔ ان اپنے بڑے بھائیوں کو برسرحکومت دیکھ کر ان کی دل سے عزت کرتے ہیں عظمت بھرے ہوئے دل میں جو بات ڈالو وہ کھڑ سے بیٹھ جاتی ہے۔ بڑے بھائی اپنے چھوٹے بھائیوں کو اپنی عملی حالت سے انگریزوں کا نقال اور شرابی بناتے ہیں۔ اور اپنی گفتگو اور فلسفیانہ تقریروں سے دہریہ اور منکر خدا و رسول بنا رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ بڑے زور شور سے جاری ہے۔ آزادی کا زمانہ ہے۔ کسی کو روکنے ٹوکنے کا کوئی مجاز نہیں۔ ایک بھلے آدمی کے گھر دو لڑکے ہوتے ہیں۔ ایک ذہین دوسرا کند۔ تو ضرور وہ ذہین کو کالج میں داخل کرتا ہے اور کند کو کسی مدرسے میں علم دین سیکھنے کے شغل میں لگا دیتا ہے۔ ایک بھائی صاحب یورپ کا فلسفہ۔ یورپ کی منطق پڑھ کر اپنے دہریہ پروفیسر کے رنگ میں رنگین نکلے۔ ادھر ہمارے مدرسوں کی جیسی پڑھائی ہے معلوم۔ دوسرے بھائی عربی کی کتابوں کی ورق گردانی تو کر گئے۔ فضیلت کی پگڑی بھی بندھ گئی۔ لیکن مولوی صاحب کو نہ عقل ہے نہ سمجھ۔ اعتراضوں کا معقول جواب سوجھتا ہی نہیں۔ صرف غصے میں لال پیلا ہونا جانتے ہیں۔ گردن کی رگوں کو پھلا پھلا کر باتیں کریں گے۔ زیادہ تنگ کرو قائل کرنا چاہو تو جھٹ کفر کی گولی داغ ہی دیں گے۔ ان دو بھائیوں کی تقریروں کو سن کر چھوٹے چھوٹے لڑکے جو اسکول کی کلاسوں میں پڑھتے ہیں ڈیبیٹ میں کہتے ہیں۔ ہمارے انگریزی داں ماموں یا چچا (غرض جو رشتہ ہو) باتیں نہایت معقول کہتے ہیں۔ لیکن ہمارے مولوی ماموں یا چچا (غرض جو رشتہ ہو) صرف غصہ ہونا جانتے ہیں ٹھکانے کی ایک بات بھی نہیں کہتے۔

اے ناظرین غور کا مقام ہے جو نقشہ زمانہ موجودہ کا ہم نے کھینچا ہے۔ صحیح ہے یا نہیں۔ فرمایئے اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو اس کا آخری نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر دل میں کچھ بھی اسلام کی ہمدردی ہے تو دیکھو کیسی ہیبت ناک آفت کا ہم کو سامنا ہے۔ یہ سلسلہ تعلیم ہمارے روکے رک نہیں سکتا۔ حاکم کی زبان سے رہا کب تک نفرت کر کے ذلت گوارا کر سکتی ہے۔ یورپ کے فلسفے کے زہریلے اثر سے ہماری آئندہ نسل بچ جاوے۔ یہ تو ایسا ہے کہ پانی میں رہ کر ہم گمان کریں کہ ہمارا کپڑا خشک ہی رہے۔ اکثر خاکسار نے ایک بہت ہی بڑے اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ نام کے مسلمان کو کہتے سنا ہے کہ فلسفہ یورپ کے آگے اسلام ٹھہر نہیں سکتا۔ ایک بہت ہی بڑے اندھیر کی بات یہ ہے کہ اگر

کوئی عیسائی ہونا چاہے تو وہ گرجا میں بپتسمہ لیتا ہے۔ اتوار کے دن گرجا جاتا ہے اکثر اپنا نام اور وضع بھی بدل لیتا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں سے بھی کوئی شکم کا بندہ ایسا مردود وملعون ہو جاتا ہے تو ہماری جماعت سے نکل بھی جاتا ہے۔ اس کا بد اثر ہماری قوم پر کچھ نہیں پڑتا۔ لیکن جو یورپ کے دہری فلسفے کے گرجا میں بپتسمہ لیتا ہے وہ عجب عنقب کا منافق ہوتا ہے۔ وہ نہ نام بدلتا ہے نہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے شرماتا ہے۔ نام ہے آپ کا احمد، محمود، علی، حسین اور نام مبارک میں اکثر سیدی کا لفظ بھی لگا ہوا رہتا ہے۔ پوچھئے حضرت آپ کا مذہب کیا ہے تو جواب دیں گے کہ میں محمڈن ہوں یعنے محمدی ہوں۔ دریافت کیجئے عقیدہ آپ کا؟ تو آپ کا وہ عقیدہ ہے کہ دجال کے باپ کا بھی نہ ہوگا۔ محاصرے کی حالت میں جو فوج پڑجاتی ہے اس کو بیرونی دشمنوں سے اتنا خوف نہیں ہوتا ہے جتنا گھر کے باغیوں سے۔

اگر کوئی کہے کہ مانا یورپ کا دہری فلسفہ اگر رفتہ رفتہ پھیل جائے گا تو اس سے صرف ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمان ہلاک ہو جائیں گے۔ تو کیا مسلمان صرف ہندوستان تک ہی محدود ہیں اور ممالک کے مسلمان تو دین وایمان پر قائم رہیں گے۔ اللہ کی پرستش کرنے والوں سے دنیا خالی تو نہ ہو جائیگی تو یہ جواب نہایت بھدا جواب ہے۔ اولاً اگر ہمارے دل میں دین اسلام کی ذرہ بھر بھی ہمدردی باقی ہے تو ہم کس طرح اتنے بھائیوں کو ابدالآباد کی تباہی میں دیکھ کر چین سے سو سکتے ہیں۔ کیا کل مسلمان ہمارے بھائی نہیں؟ کیا اتنے بھائیوں کا برباد ہو جانا ہمارے دل پر صدمہ پیدا نہیں کرتا؟ اے خدا ہمارے دل کیسے پتھر ہو گئے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو ہمیشہ کی موت مرتے دیکھ کر آبدیدہ نہیں ہوتے ہیں۔ اے خدا ہمارے دل گناہوں کے سبب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ یورپ کے دہری فلسفے کا بد اثر صرف ہندوستان ہی میں محدود رہ جائے گا انہیں لوگوں کا کام ہے جو زمانہ موجودہ کی چال پر غور سے نگاہ کرنے والے نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں جو کلیں ایجاد ہو گئی ہیں ان کے ذریعے سے دوری مرگئی ہے۔ ہندوستان ہی میں دیکھئے۔ کلکتہ سے دہلی ایک ہزار میل ہے۔ مگر صرف ۳۰ گھنٹوں کی راہ ہے۔ کلکتہ سے لاہور چودہ سو میل ہے۔ مگر صرف ۴۰ گھنٹوں کی راہ ہے۔ بمبئی سے کلکتہ ۱۹۰۰ میل ہے مگر صرف ۶۱ گھنٹوں کی راہ ہے۔ یہ حساب بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اسی طرح سفر مکہ معظمہ اب کئی مہینوں کا سفر نہیں ہے بلکہ صرف کئی دن کا ہے۔ کہاں لندن اور کہاں بمبئی۔ صرف ۱۸ دن میں آدمی پہنچ جاتا ہے۔ سفر کے وسائل آسان اور محفوظ ہو جانے کی وجہ سے ایک قوم دوسری سے ملتی ہے۔ ایک کے خیالات دوسری میں پھیلتے ہیں۔ چھاپہ خانہ کے ذریعہ سے کتابیں بہت جلد ایک سے لاکھ ہو جاتی ہیں۔ جہاز اور ریل ایک کتاب کو دوسرے ملک میں گھنٹوں میں پہنچاتی ہیں۔ کتاب کی تجارت میں نفع کی صورت دیکھ کر مترجم لوگ بھی مستعد کھڑے

ہیں۔ غرض اس آزادی امن اور ترقی علوم وفنون کے زمانے میں یہ خیال کرنا کہ دہریت اور نلسفیت کا بُرا اثر چین کے کسی خاص ٹکڑے میں محدود رہ جائے گا۔ سمجھ دار کا کام نہیں ہے۔

اسے پیارے ناظرین یورپ کا فلسفہ جس مستعدی کے ساتھ تمہارے ایمان کے قلعہ پر گولہ باری کر رہا ہے کیا تم اس کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو جس پھرتی کے ساتھ پیارے مسلمان بھائی اس فلسفے کے ذریعے نہ صرف جسمانی موت بلکہ ابدی موت میں گرفتار ہو کر جہنم میں جا رہے ہیں۔ ہائے اگر دیکھ نہیں سکتے تو چپ کیونکر بیٹھے ہو۔

دوسرا دشمن عیسائی پادری صاحبان ہیں

ایک زمانہ اس قوم پر ایسا بھی گذرا ہے کہ یہ لوگ منکسر المزاج، رحمدل اور خدا ترس تھے۔ بعض رہبان تو کچھ کچھ روحانی کمالات بھی رکھتے تھے۔ اس وجہ سے یہودیوں کی نسبت عیسائی ہی عرب میں اہل اسلام کے دوست نظر آئے لیکن جب اللہ نے مسلمانوں کو فتح یابی کے میدان میں سربلند کیا اور عیسائیوں کے ممالک یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگے تو جیسے مفتوح قوم کو اپنی فاتح قوم سے نفرت وعداوت ہوتی ہے اس قوم کو بھی مسلمانوں سے عداوت پیدا ہوئی وہ اس درجہ پر ترقی کر گئی کہ کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے۔ جس کو اس قوم کے پادریوں نے دینِ اسلام کے بدنام کرنے کے لئے اٹھا رکھا ہو۔ قرآن کریم کا ترجمہ غلط کیا۔ حاشیہ جھوٹ سے بھرا ہوا چڑھایا۔ اور حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں از سرتا پا جھوٹی روایتیں مشہور کیں۔ غرض اس قوم نے اسلام کی روز افزوں ترقی کے روکنے کے لئے ان ہی پاجی طریقوں کو اختیار کیا۔ پادریوں نے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نفرت وعداوت کا تخم اس طور سے بویا کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا چلا آتا ہے۔ اس وقت یورپ والوں کے دلوں میں اسلام سے انتہا درجہ کی نفرت وعداوت ہے اور اس کے بانی یہی پادری لوگ ہیں۔ جب یورپ میں علم کی روشنی پھیلی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اقبال مند بنایا اور دولت میں برابر ترقی ہوتی چلی گئی تو پادری صاحبوں نے سوسائٹیاں قائم کیں۔ اپنے ہم وطنوں سے چندہ طلب کرنا شروع کیا۔ علمی روشنی نے اتفاقی قوت کو پیدا کر دیا تھا۔ دولت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے چندہ جمع ہوتا گیا۔ پھر کیا تھا پادری لوگ ڈبل ڈبل شاہرہ لے کر غیر ممالک میں دین عیسوی پھیلانے کے لئے مقرر ہونے لگے۔ یورپ اور امریکہ کی عورتیں جن میں مذہبی جوش کا مادہ کچھ زیادہ ہے۔ جی کھول کر چندہ دیتی ہیں۔ اس وقت صرف ہندوستان میں لاکھوں روپے دین عیسوی کی اشاعت میں صرف ہو رہے ہیں پروٹسٹنٹ مشنی عیسائیوں میں ایک ایسا فرقہ ہے جس کو صاحب حکومت نہیں کہہ سکتے۔ لیکن پھر بھی جب ہم نے اس فرقہ کی سالانہ رپورٹ

کو کلکتہ سے منگوا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ ایک سال میں ۷۵ ہزار پونڈ چندہ جمع ہوا تھا۔ ایک پونڈ
موجودہ نرخ کی رو سے اٹھارہ روپوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ساڑھے تیرہ لاکھ کی
آمدنی صرف ایک فرقے کے مشن کو حاصل ہے۔ اب بخوبی اس بات کو لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ
اس قدر کثیر آمدنی سے کامیابی کی کیا کیا صورتیں نکل سکتی ہیں۔ پادریوں کو مشاہرہ ملتا ہے۔ ان کا یہ
فرض منصبی ہے کہ جس طرح ہو عیسائیوں کی تعداد کو بڑھائیں۔ اسی پر ان کے مشاہرہ کی ترقی اور
اسی پر ان کی کامیابی گنی جاتی ہے۔ اب بے چارے پادری لوگ پیٹ کی آمدنی کے لئے کیا کچھ
ہاتھ پاؤں نہیں مارتے ہیں۔ مذہب ایسا مہمل کہ ہندوستان میں کیا ہندو کیا مسلمان سب ہی اس
پر ٹھٹھا مارتے ہیں۔ پھر پھیلے تو کس طرح پھیلے۔ جب سیدھی ترکیب سے کامیابی نہ ہوئی تو ٹیڑھی
ترکیبوں کو استعمال کرنا شروع کیا۔ للچا کر، پھسلا کر، فریب دے کر، قابل شرم ذریعوں کو استعمال
کرکے لگے کامیابی چاہنے۔ جو سمجھ دار ہندو یا مسلمان ان کے جال میں پھنسا ہے تو اسی طرح پھنسا
ہے۔ ہاں جنگلی اور نہایت رذیل قوموں میں ان کو کچھ کامیابی ہوتی ہے۔ قحط سالی کے زمانے میں
روٹی کا ٹکڑا دکھا کر سینکڑوں ہزاروں کو اپنے دام تزویر میں لاتے ہیں۔ جا بجا یتیم خانے قائم ہیں۔
لاوارث بچوں کو یتیم خانے میں داخل کرکے عیسیٰ پرست قوم کی تعداد بڑھاتے ہیں ۱۸۹۲ء کی رپورٹ
میں عیسائیوں نے لکھا تھا کہ جب سے عیسائیوں نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے تب سے ایک لاکھ
تیرہ ہزار یتیم بچے عیسائی یتیم خانوں میں داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ اللہ ان میں کتنے مسلمانوں کے بھی لاوارث
بچے رہے ہوں گے۔ بقول پادری ہیکر صاحب کے اس وقت ان لوگوں کا تعداد جو غیر مذہب سے نکل کر دین
عیسوی میں خاص اس ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں ۵ لاکھ ہے اور ہر بارھویں سال ایک لاکھ اور بڑھ
جاتے ہیں۔ دین اسلام کے خلاف میں اس قوم نے سات کروڑ کتابیں شائع کی ہیں۔ بڑے بڑے شریف
خاندان کے لوگ ان گمراہ کرنے والی کتابوں کو پڑھ کر ان پادریوں کی سحر آمیز باتوں کو سن کر اپنے پاک
مذہب کو کھو بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جو آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے، عیسائیت کا جامہ پہن
کر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے ہیں۔ سینکڑوں مشن سکول جاری کئے گئے ہیں۔ جہاں مشاہرہ
کم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بچے علم انگریزی حاصل کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ انہیں روز ایک گھنٹہ
بائبل بھی پڑھنی پڑتی ہے۔ اگر صرف بائبل ہی پڑھنی ہوتی تو کیا عذر تھا لیکن نہیں اس گھنٹے میں پادری
صاحب نہ صرف بائبل ہی پڑھاتے ہیں۔ بلکہ اسلام کی ہجو بھی کرتے ہیں۔ ناواقف اور سادہ دل
مسلمانوں کے بچوں کے دلوں میں اسلام سے نفرت پیدا کرتے ہیں۔ ان ہی مشن اسکولوں اور مشن کالجوں
کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں تعلیم یافتہ بچے دین اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ
مسلمان مردوں میں پوری کامیابی نہیں ہوتی ہے تو مسلمان عورتوں میں دین عیسوی کی ترقی کرنے کے لئے سوسائٹی

قائم کی ۔ ولایت سے ہزار ہا میم پادری آتی ہیں جو سلائی کا کام سکھانے کے بہانے مسلمانوں کے گھر جاتی ہیں اور موقع پاکر بے سمجھ اور بے علم عورتوں کو دین عیسوی سکھاتی ہیں ۔ چنانچہ اچھے اچھے شریف خاندان کی عورتوں نے ان ہی زنانہ مشن کی میم پادریوں کے فریب سے پردے سے نکل دین عیسوی کو قبول کر کے اپنی سارے خاندان کی ناک کٹا ڈالی ۔ ان پادریوں نے شفا خانے قائم کئے ہیں ۔ جہاں اکثر غرباء کا مفت علاج ہوتا ہے ۔ غرباء جن میں اکثر مسلمان ہی ہوتے ہیں جمع ہوتے ہیں ۔ اور ان کو دوا بھی مفت دی جاتی ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دین عیسوی کے سچے ہونے کا وعظ بھی سنا دیا جاتا ہے ۔ خدا کی پناہ ! اس قوم کو فریب دینے کے کتنے ڈھنگ یاد ہیں ۔ بیٹھے جاؤ ۔ بازار جاؤ ۔ ریلوے اسٹیشن جاؤ ۔ غرض جدھر جاؤ وہاں دیکھو گے کہ کوئی عیسائی خوب صورت کتابیں نہایت ہی کم قیمت پر فروخت کر رہا ہے کوئی نہ کوئی ان کتابوں کو خرید ہی لیتا ہے ۔ ان کتابوں میں اسلام کی ہجو ہے ۔ ہمارے عقائد پر مضحکہ ہے ۔ ہمارے سردار اور پیشوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایسے ناملائم اور ناگفتہ بہ الفاظ ہیں کہ انہیں پڑھ کر کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے ۔ اے مسلمانو ! تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی زمانے اور کسی ملک کا پتہ ہمیں بتاؤ کہ اس ملک اور اس زمانہ میں چھ کروڑ مسلمان زندہ تھے اور ہر شہر اور ہر میلے اور ہر کھلے میدان میں عیسائی کھڑے ہو کر جناب پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گندی گالیاں دیتے تھے ۔ اور مسلمان جانتے بھی تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے خلاف میں ایسی بے ادبیاں ہو رہی تھیں ۔ اور صرف سلطنت عیسوی کے رعب کی وجہ سے چپ رہ جاتے تھے اگر کوئی زمانہ اور ملک یاد ہو تو ضرور بتاؤ ۔ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ ہرگز نہ بتا سکو گے ۔ پس سوچو جس ذلیل حالت کو اب ہم پہنچ گئے ہیں کیا اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل حالت ہونی باقی ہے ! پنجاب میں ایک بہت بڑے پادری نے اپنے لیکچر میں کہا کہ پچاس برس کے بعد ہم سارے پنجاب کے مسلمانوں کو عیسائی بنا چھوڑیں گے اور اگر عیسائی نہ بنا سکیں تو اتنا ضرور کر دیں گے کہ وہ مسلمان نہ رہیں گے ۔ ہم ان کے عقیدوں میں ایسا فساد ڈالیں گے کہ کسی طرح ان پر لفظ مسلمان صادق نہ آوے گا ۔ اللہ کی پناہ ! حال میں ویم نامی پادری نے ایک ایسی کتاب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شان چھاپی کہ مسلمانوں سے ضبط نہ ہو سکا ۔ لاٹ صاحب کے پاس دوڑے لیکن کیا ہوا صرف پادری صاحب کی مہمل اور نہایت ہی ذلیل معذرت کر دینے پر سارا قضیہ گاؤ خورد ہوگیا ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ادنےٰ سے ادنےٰ اور ذلیل سے ذلیل چانسلر کے عیسائی کی ہتک عزت کی جاتی تو گورنمنٹ ہتک عزت کرنے والے کو معقول سزا دیتی ۔ لیکن سب مسلمانوں کے پیشوا اور سردار جن کو جان و مال اور عزت و آبرو سے بڑھ کر پیارا ہونا ہر مسلمان کا ایمان ہے ان کے خلاف شان جس طرح کے ناملائم الفاظ ۔ گندی گالیاں ایک ادنےٰ عیسائی چھاپے ۔ نہیں چھاپ کر اسکول میں بچوں کو پڑھا دے بھی تو کوئی مضائقہ نہ ہو

مذہبی آزادی ہے۔ سب کچھ جائز ہے۔ بہت بڑی پریشانی تو یہ ہے کہ ہمیں تو ہمارے سردار صلعم کو برا کہیں۔ کیونکہ ان کا موجودہ گندہ مذہب ان کو ایسی گندی باتوں کی تعلیم کرتا ہے لیکن ہم کیا کریں۔ کیا ہم کسی طرح سے بھی جواب ترکی بترکی دے سکتے ہیں؟ کیا ہم جناب حضرت عیسےٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف شان کچھ زبان کھول سکتے ہیں؟ ہمارے پاک مذہب نے تو ہم کو ہندوؤں کے خیالی اور وہمی دیوتاؤں کو بھی برے لفظوں میں یاد کرنے سے روک دیا ہے۔ دیکھو اللہ اپنے پاک کلام میں کیا ارشاد فرماتا ہے۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ (سورہ انعام پ ۷ ع ۱۹) یعنی انہیں جو خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں۔ برا مت کہو۔ پھر وہ ضد اور نادانی سے اللہ کو برا کہیں گے ان گالیوں اور کمینہ پن کے اظہار کو دیکھ کر جو صدمہ ہمارے دلوں پر ہوتا ہے اس کو مسلمانوں کے ایک سچے خیر خواہ نے ان درد آمیز الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس قدر بدگوئی اور اہانت اور دشنام دہی کی کتابیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں چھاپی گئیں۔ اور شائع کی گئیں کہ جن کے سننے سے بدن پر لرزہ پڑتا اور دل رو رو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی دکھا۔"

کیا اس رنج و تکلیف سے رہائی کا کوئی ذریعہ بھی ہے ہاں ہے۔ اس کتاب کو آخر تک جی لگا کر پڑھ جائیے سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ آئینہ کی طرح کھل جائے گا کہ ان سب غم و مصیبت سے رہائی کی بھی اللہ نے راہ بتا دی۔

تیسرا دشمن آریہ سماج ہے

ہندوؤں کو جب سے مسلمان فاتح ہند ہوئے ایک طرح کی نفرت وعداوت مسلمانوں سے تھی۔ مسلمانوں کو جون (نفس پرست) بھرشٹ (تباہ شدہ) ملیچھ (ناپاک و نجس) وغیرہ نام سے وہ پکارا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ رکھا۔ حسن سلوک سے پیش آتے رہے اور ہندوستان میں بس گئے اور نو سو برس تک ایک ساتھ رہنا ہوا۔ بہت کچھ نفرت وعداوت کم ہو گئی تھی۔ لیکن انگریزی تعلیم نے اس پرانی عداوت کو بڑے زور سے ابھارا ہے۔ انگریزی مورخوں نے اس طرح سے تاریخ ہند تصنیف کی کہ مسلمان بادشاہوں کے حسن سلوک کا تذکرہ بہت کم کیا لیکن مسلمانوں

کے ظالم بادشاہوں کے ظلم کو ایسی آب وتاب سے لکھا کہ اس کے پڑھنے کے شروع سے ہندوؤں کے بچوں کے دلوں میں مسلمانوں سے سخت عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا کی پناہ یہ آگ اب بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور چند موذی طبع مفسد فطرت ہندو ایڈیٹران اخبار نہایت زور شور سے اس آگ کو دھونک رہے ہیں خدا جانے اس کا آخری نتیجہ کیا ہو گا۔ مسلمانوں سے عداوت و دشمنی کے رنگ میں رنگا ہوا ایک شخص پنڈت دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ یہ فرقہ اب روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اپنے بانی مذہب کے تعلیمی اثر اور انگریزی تعلیم کے اثر سے خوب رنگین ہو کر آریہ سماج والے بھی اہل اسلام کے سخت دشمن ہو گئے ہیں۔ ان کی کتابیں جو مسلمانوں کے خلاف ہیں چھپی ہیں ان میں دلائل عقلی سے اسلام کا مقابلہ بہت کم کیا گیا ہے لیکن گالیوں کی بڑی بھرمار ہے اس فرقہ کا پنجاب میں بہت زور شور ہے۔ لیکن اگر کوئی ناواقف مسلمان ان کی کتابوں کو پڑھ جاتے تو ایمان کو کمزور کرنے یعنے شیطانی وسوسہ پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کافی ہیں:

چوتھا دشمن برہمو سماج ہے

اس جدید مذہب کا بانی راجہ رام موہن رائے ہے۔ یہ راجہ نہایت ذہین اور ہوشیار شخص ہندوستان میں گذرا ہے۔ ملک بنگالہ کو اس شخص کے وجود پر فخر ہے۔ اس شخص میں تحقیقات مذہبی کا بڑا شوق تھا۔ اس نے علم فارسی و عربی کو خوب اچھی طرح حاصل کیا۔ دین اسلام سے پورا واقف ہو گیا۔ اپنی باریک بین نظر سے اس قابل شخص نے دیکھ لیا تھا کہ انگریزی تعلیم دیو پین علوم و فنون کے آگے ہندو مذہب قائم نہیں رہ سکتا۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں سے نفرت و عداوت ہے وہ دین اسلام کو قبول کرنے سے مانع ہے پس اس نے دین اسلام اور ہندوؤں کے دھرم سے ملا کر ایک نیا مذہب قائم کیا جس کا نام برہمو سماج رکھا۔ اس سماج میں آگے چل کر ایک شخص داخل ہوا جس نے اپنی پرجوش تقریروں اور تحریروں سے ایک ہل چل مچا دی۔ اس شخص کا نام بابو کیشب چندر سین تھا۔ اس شخص نے اپنی زیرکی سے دیکھ لیا کہ ہندو مذہب کا جوڑ ٹھیک نہیں ہے پس جس مذہب کو اس نے رواج دیا وہ یورپین فلسفہ اور دین اسلام کا جوڑ ہے یعنی یوں سمجھے کہ دین اسلام کو اگر باپ قرار دیں اور فلسفہ یورپ کو ماں تو ان دونوں کے توسل سے جو یورپین بچہ پیدا ہوا اس کا نام ہے برہمو سماج۔ اس وقت سارے ہندوستان میں چار ہزار برہمو سماج کے ممبران ہو گئے۔ بابو کیشب چندر سین ایک نہایت پاک طینت اور محقق شخص گذرا ہے۔ اگر اس بندہ خدا کو کسی کامل مسلمان کی صحبت نصیب ہوتی تو بہت ہی اعلیٰ درجے کا دیندار مسلمان اور ولی اللہ ہوتا۔ برہمو سماج والوں کے دماغ میں یہ کیڑا پیدا ہوا ہے کہ سارے جہان میں آخری مذہب برہمو سماج ہی ہو گا۔ اس لئے یہ اپنے مذہبی عقائد کو مسلمانوں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ بہتیرے وہ مسلمان

نوجوان جو دین اسلام کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں سے ناواقف ہیں ان کے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس وقت
جہاں تک میرا علم ہے تیس چالیس نوجوان مسلمان برہمو سماج میں یا تو داخل ہو گئے ہیں۔ اگر داخل نہیں ہیں تو
دل سے داخل ہیں۔ برہمو سماج والے آپس ہی کی نااتفاقی سے کچھ ایسا چور چور ہیں کہ ان کی ہمت بالکل دبی
ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس دشمن سے ہم لوگوں کو چنداں خوف نہیں ہے۔

پانچواں دشمن جو قلعہ کے اندر تشریف رکھنا چاہتا ہے نیچری مذہب ہے،

اس کے بانی سر سید احمد خان کے سی۔ ایس آئی ہیں۔ سید احمد خان صاحب کی تصانیف کو دیکھ
کر سید صاحب کے لیکچروں کو سن کر سید صاحب سے خود بحث کر کے جو کچھ مجھ کو اس مذہب جدید کے
بارے میں معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ سید صاحب پر یورپ کے فلسفے کا خوب گہرا اثر ہوا ہے۔ ان کی روح
اس فلسفۂ جدید کو پوجتی ہے۔ سید صاحب کی سمجھ میں یہ بات طے ہو گئی ہے کہ نہ صرف اسلام بلکہ ہر
دین و مذہب انسانی ترقی کا حارج ہے پس اس کو مٹانا چاہیئے۔ لیکن چونکہ یکبارگی اسلام پر حملہ کرنے
سے کچھ اثر نہ ہوگا اس لئے آہستہ آہستہ اسلام کی ایک ایک اینٹ کو اکھاڑنا چاہیئے۔ وہ اپنے زعم
میں بہت کچھ اکھاڑ چکے اب تھوڑی کسر باقی رہ گئی ہے۔ بہت کچھ ہمت کر کے کہے جاتے ہیں۔ تہذیب
الاخلاق میں یہاں تک کہہ گئے کہ منکر خدا بھی مسلمان ہے لیکن پھر بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔ لا الٰہ
الا اللہ محمد رسول اللہ بھی کہتے جاتے ہیں۔

سید احمد خان صاحب کو اس خاکسار کے ساتھ پرلے درجے کی نفرت و عداوت ہے۔ وہ دیکھتے
ہیں کہ یہ ناچیز انگریزی جانتا ہے اسپیچ دیکھو اس کا اثر دار بھی ہوتا ہے اس کا انگریزی لیکچر اس درجہ اور
رتبہ کا ہوتا ہے کہ ایک بار گورنر مدراس بھی شریک ہو کر صدر جلسہ رہا ہے ایسے انگریزی دان کا طلبہ
پر ضرور اثر ہوگا۔ پھر افسوس یہ ہے کہ کم بخت ناشدنی خدا اور رسول صلعم کی محبت ہی کا وعظ کہتا
ہے۔ پھر لوگوں کو دوزخ بہشت کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ پھر یہ چاہتا ہے کہ مغربی فلسفے کی
روشنی سے دماغ منور ہونے کے بعد بھی مسلمانوں کے نوجوان ایسے "غیر مہذب" ہو جائیں کہ لگیں اٹھا
بیٹھی کرنے اور خدا کے پاس رونے۔ میں پکار پکار کر سید صاحب سے کہتا ہی رہا کہ میں آپ کے
پیارے کالج کا دوست ہوں۔ لیکن سید صاحب نے اس خاکسار کو باوجود باضابطہ ممبر ہونے کے
بھی کانفرنس کے جلسے میں تقریر کرنے سے نہایت غیر موزون طور پر روک دیا۔ یہ واقعہ ۳۰ر دسمبر
۱۸۹۰ء الٰہ آباد کے کانفرنس میں ہوا۔

کچھ مجھ کو دیکھ کے ساقی کے یہ حواس گئے ۞ شراب سیخ پہ ڈالی کباب بوتل میں

میری پگڑی اور جبہ وغیرہ "وحشیانہ اور غیر مہذب لباس" کو دیکھ کر سید صاحب کی گھبراہٹ

اور بدحواسی قابل یادگار تھی۔ سنہ ۱۸۹۳ء کے ایجوکیشنل کانفرنس میں مجھ کو ایک دوست کی خاطر بے جیا بن کر شریک ہوتا ہی پڑا۔ چاہا کہ کانفرنس میں زبان بند رکھوں۔ لیکن مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی مسجد میں کانفرنس کے خلاف وقت میں وعظ بیان کروں لیکن سید صاحب کو جو یہ خبر پہنچی تو سانس نیچے اوپر آنے لگا۔ مارے خوف کے بدحواس ہو گئے کہ اس شخص نے وعظ کہا اور نیچری طلسم ٹوٹا۔ فوراً مجھ پر حکمنامہ صادر ہوا کہ خبردار وعظ نہ کہنا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر خدا کی مسجد ہے تو روکنے والا کون ہے۔ اس خیال کو میں نے پکار کر کہہ دیا۔ چند نیچری صاحبان خصوصاً چند عاشقان سید نہایت برافروختہ ہوئے بلکہ میاں برکت علی خان صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ لاہور لپک کر میری طرف کو بڑھے اگر وہ ایک لمبے مانس بیچ بچاؤ نہ کرتے تو وہ مجھ پر ضرور ہاتھ چھوڑتے۔ یہ غیظ و غضب کیوں۔ صرف اس لئے کہ میں خدا کی مسجد میں خدا اور رسول کے فرمودہ کا بیان کرنا چاہتا تھا۔

اے خدا میری قوم کی روحانی تباہی کس درجے کو پہنچ گئی ہے۔ اے پیارے ناظرین ذرا سوچو اور غور کرو۔ سید صاحب کی عزت اور رتبے کا آدمی اس غریب فقیر سے اس قدر کیوں ڈرتا ہے۔ سید صاحب کے ایسا آزادی کا دم بھرنے والا کیوں اس عاجز اسلامی واعظ کے منہ میں لگام چڑھانا چاہتا ہے۔ سید صاحب ہیں روپے والے میں ہوں نہایت ہی مفلس و غریب۔ سید صاحب ہیں اہل زبان اور میں ہوں بنگالی۔ سید صاحب کو ہے عربی، فارسی میں عمدہ لیاقت اور میں ہوں ایک امی محض۔ سید صاحب ہیں نامی فلاسفر اور میں ہوں ایک نہایت معمولی سمجھ کا آدمی۔ پھر کس چیز کا یہ خوف ہے میں سچ کہتا ہوں یاد رکھو ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ٭ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

آج سید صاحب اللہ کی طرف سچا رجوع کر لیں تو واللہ وہ مجھ کو بہت پیار کرنے لگیں وہ مجھ سے منتیں کریں کہ تو ضرور ایک دو ماہ کالج میں رہ کر محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کے طالبعلموں کو دینی لیکچر انگریزی و اردو میں سنایا کر۔ اے خدا تو سید صاحب کو سچی توبہ نصیب کر۔

اس نیچری مذہب سے بھی اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ سینکڑوں نوجوان اس جدید مذہب کے رنگ میں رنگین ہو کر اسلام سے دور جا پڑے ہیں۔ نہ اللہ کی عظمت ان کے دل میں رہی نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ نماز روزہ سے بالکل نا آشنا۔ اس دنیا کے کیڑے اور انگریزوں کے مہمل نقال بن گئے۔ خدا رحم کرے ٭

چھٹا دشمن مولوی صورت شیطان سیرت قوم ہے

جو آج کل مثل حشرات الارض کے نکل پڑی ہے۔ یہ قوم دعویٰ کرتی ہے خدا پرستی کا۔ لیکن ہے

حقیقت میں زر پرست اور نفس پرست اِسی قوم کے مقدس لباس پہننے والے بات بات میں اپنی عربی دانی کی شیخی بگھارنے والے ممبر پر چڑھ کر جھوم جھوم کر وعظ کرنے والے حضرات جس قدر اہل اسلام کے دشمن ہیں کوئی دوسری قوم نہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان بے رحموں کے دلوں میں ایک رتی برابر محبت اہل اسلام کی نہیں ہے۔ ان کی تو یہی حالت ہے کہ مُردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ بیرونی حملوں سے تو اہل اسلام پریشان تھے ہی لیکن ان کم بخت دنیا پرستوں نے گھر ہی میں ایسی خانہ جنگی پھیلا رکھی ہے کہ خدا کی پناہ! اسلام کا ہرا بھرا باغ لٹا جا رہا ہے۔ لیکن ان موذیوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں کے قضیوں جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اتفاقی قوت کے جیسے یہ مسلمان صورت شیطان سیرت نام کے مولوی دشمن ہیں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ واللہ یہ لوگ نائب رسول صلعم ہرگز نہیں یہ نائب شیطان ہیں۔ ان کے ناپاک دلوں میں حسد، کینہ، بغض، عداوت، کبر، پندار وغیرہ صفات ذمیمہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، خدا مسلمانوں کو ان کے شر اور فتنے سے بچائے۔ جس شہر کے مسلمانوں پر ان کا رعب جما رہتا ہے وہاں بیچارے ان پڑھ مسلمان ان کے دام میں پھنسے رہتے ہیں۔ پھر کیا ہے وہ بھی کھول کر کھاتے ہیں۔ لڑکا پیدا ہوا۔ نام رکھنے کا اتنا فیس۔ لڑکا جب کھانے لگا تو مولوی صاحب کے دست مبارک سے کچھ دے تو اتنا فیس۔ کہیں مر جاوے تو بھی ہاتھ سے نہ جاوے اتنا فیس۔ غرض کہاں تک گنوں۔ ان کمبختوں نے اتنی ترکیبیں کمانے کی نکالی ہیں کہ برہمن مہاراج کو بھی یاد نہ ہونگی۔ جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خدا کا متقی بندہ اور حقانی عالم ایسے شہر میں جا پڑتا ہے، جہاں ان شیطانوں کا قبضہ ہوتا ہے تو اس وقت ان کی گھبراہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اس حقانی عالم کو بدنام کرنے کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے۔ اس قسم کے شیطانوں کا دستور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک خیالی فرقہ یا گروہ قائم کرتے ہیں اور اس کی طرف عقائد بد کو تراش تراش کر منسوب کرتے ہیں۔ بڑے جوش میں آ کر کہتے ہیں اے مسلمانو! میں تم کو محض دوستانہ ایک فرقے کے شر و فساد سے آگاہ کرتا ہوں۔ اس فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم لوگ رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت کی شفاعت کوئی چیز نہیں ہے۔ اس فرقے کے عقیدہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدعتی ہیں۔ اس گروہ کے آدمی ائمہ اربعہ سے سخت عداوت رکھتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گالی دینے کو ثواب سمجھتے ہیں۔ غرض اس خیالی فرقے کے خلاف جس قدر برے عقائد ممکن ہیں، منسوب کر کے اپنے سامعین اور معتقدین کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ مولوی صاحب سے کوئی بھلا آدمی یہ سوال نہیں کرتا کہ بھلا اس فرقے کا وجود کہاں ہے۔ سب بے بوجھے سمجھے آمنا و صدقنا کہتے ہیں۔ پھر جب کوئی عالم حقانی آ گیا جس کے بیان سے ان کے بازار کے ٹھنڈے ہونے کا خوف ہے

پھر کیا۔ دیا سلائی تو پہلے سے تیار رکھی رگڑنے کی دیر تھی، اپنے عقیدت مندوں سے کہدیا کہ میں جس گروہ کے خلاف سے تمہیں ڈرایا کرتا تھا۔ لو وہ آگیا۔ غرض لوگوں کو اس عالم باعمل سے سخت بدظن کر دیا، بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے چیلوں سے اس خدا کے نیک بندے کو مار پیٹ کر شہر سے نکلوا چھوڑا ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسا دیکھا ہے کہ یہ ترکیب کارگر نہ ہوگی تو صرف لوگوں کو کان میں روئی ڈالے رہنے کی فہمائش کر دی ہے۔ اگر کسی نے بھولے چوکے اس بے ریا صاف دل عالم کا وعظ سن لیا، اور آکر مولوی صاحب سے کہا کہ جناب عالی وہ وعظ میں تو کوئی بری بات نہیں کہتا ہے۔ پھر کیا ہے آپ نے فوراً کہا کہ تم نے غضب کیا ایسے بڑے جلسہ میں شریک ہوگئے۔ توبہ کرو توبہ کرو۔ ان کی میٹھی میٹھی باتوں پر نہ جاؤ۔ اس فرقے کا کام ہے تقیہ کرنا۔ پہلے یہ دام میں پھنساتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اپنا منتر پڑھاتے ہیں جس قدر بدعتیں اور مشرکانہ رسموں کا رواج ہو گیا ہے۔ سب کے قائم رکھنے والے یہی حضرات ہیں۔ ان پڑھ مسلمان جب ان سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت محرم میں تعزیہ بنائیں یا نہ فوراً جواب ملتا ہے۔ اجی بناؤ اور اچھی طرح بناؤ یہ تو عین دینداری ہے کس کم بخت نے منع کیا ہے جب تک ہم زندہ ہیں کوئی تم کو گمراہ نہیں کر سکتا ٹھنڈی سانس لے کر ہاں ہمارے بعد خدا حافظ۔ اجی حضرت میلاد شریف میں ہارمونیم باجا بجا کر غزلیں گائیں تو کچھ مضائقہ نہیں؟ جواب۔ معاذ اللہ کیا یہ تو عین محبت رسولؐ ہے۔ غرض کہاں تک گنتا چلا جاؤں۔ ہندوستان میں جو اکثر مسلمان ٹھیک ہندوؤں کے ایسے ہوگئے ہیں کوئی اسلام کی خوبی ان میں نہیں دیکھی جاتی۔ اس کے بہت بڑے باعث یہی حضرات نام کے مولوی لوگ ہیں۔ بعض بعض شہروں میں اب بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے مولوی کو کسی دوسرے مولوی سے رنجش ہوگئی تو اس وقت کوئی مسئلہ گھڑا جاتا ہے جس چیز کو مخالف مولوی جائز کہے۔ دوسرے مولوی صاحب اس کے توڑنے کے لئے اس کو ناجائز کہیں گے پہلے بحث کی نوبت ہوگی۔ پھر اگر چھاپہ خانہ قریب ہے تو رسالہ بازی کی نوبت ٹھہرے گی۔ غرض بڑھتے بڑھتے بات یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ شہر میں دو جماعتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ آپس میں سلام بند۔ کھانا پینا بند میل ملاقات منقطع مسئلہ کیا ہے ضالین کا تلفظ ض کے ایسا ہو یا دال کے ایسا۔ ہمارے شہر میں سب ہی سنت جماعت ہیں، حنفی مذہب ہیں لیکن فرق ہی دال اور ظ کا ہے ایک فریق سے پوچھئے آپ کس فرقہ کے ہیں تو جواب ملے گا ہم دالین ہیں اور دوسرے سے سوال کیجئے تو وہ کہے گا ہم ظالین ہیں۔ خدا کی پناہ۔ خیر اگر تفریق بین المسلمین ہی تک بات رہ جاتی تو ایک آفت سمجھی جاتی افسوس تو یہ ہے کہ ایک فرقہ دوسرے کی عزت و آبرو ریزی کا خواہاں ہو جاتا ہے مار پیٹ تک نوبت پہنچتی ہے۔ مسجدوں میں روا ہنگامے ہوتے ہیں مسلمانوں کا دینی جھگڑا کفار کے اجلاس میں پہنچتا ہے اجلاس پر

برہمپولا چرن بھٹا چارجی یا کرشن چندر چٹرجی ڈپٹی مجسٹریٹ فریقین کے مولوی صاحبوں سے سوال کرتا ہے "آپ لوگ کس بات پر ... رنگا فساد کرتا ہے۔ بدمعاش کا مچلکہ (حسب موافق) کام کرنے سے ہم چالان میں بھیج دے گا" مولوی صاحب جواب دیتے ہیں حضور خداوند! بجا و درست اے خدا ہماری ذلت کہاں تک پہنچی۔ شامت اعمال نے حکومت کی عزت کی گئی اب ایک عزت اتفاق بین المسلمین کی تھی سو وہ بھی ان موذی نفس پرست نام کے مولویوں کے ہاتھوں برباد ہوتی جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ باوجود غربت اور افلاس کے نہایت ہی ادنیٰ باتوں پر لڑ کر مسلمانوں نے ہزار ہا روپے برباد کر ڈالے۔ لیکن ان مولویوں کو مسلمانوں پر رحم نہ آیا۔ رحم آوے کیونکر وہ تو خواہشمند ہوتے ہیں کہ ایسے جھگڑے پھیلیں۔ اور روپیہ کمانے کا ذریعہ نکلے۔ جب ایسا جھگڑا خوب پھیلتا ہے تو اس وقت جوشش اور ہمدردی دعوت اسلامی جوش اور ہمدردی اسلام سے بھرے ہوئے مولوی صاحب چندہ جمع کرنے کے لئے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے ہوئے گلی گلی، کوچہ کوچہ پھرتے ہیں اور بڑے جوشیلے لفظوں میں مسلمانوں کو چندہ کے لئے ابھارتے ہیں۔ جب چندہ ہزار پانچ سو جمع ہوا تو مولوی صاحب کے سوا دیانتدار خازن کون ہو سکتا ہے۔ دو سو تین سو روپیہ تو مقدمے میں صرف ہوتے۔ وکیلوں مختاروں کی نذر ہوتے باقی روپیہ مولوی صاحب اپنی بی بی صاحبہ کے پاس لے جا کر فرماتے ہیں۔ خدا بے وقوفوں کو زندہ رکھے تم کو زیورات کی کمی نہ ہوگی۔ اس قسم کے نفس پرست مولویوں کی ایک خاص علامت یہ ہے کہ جس طرح اگلے زمانے کے متقی اور صلحا کو کافروں کے مسلمان بنانے کی خواہش تھی۔ ویسی ہی بلکہ اس سے بڑھا ہوا شوق ان کو کلمہ گو کے کافر بنانے کا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کا وعظ کہیئے تو کر دیں گے۔ کہ اللہ فرماتا ہے ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمناً یعنے جو شخص تم کو سلام کہے اس کو تم کافر مت کہو۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کا ممبر پر بیٹھ کر وعظ بیان کر دیں گے کہ من صلّٰی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ الرسول فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ یعنی جس نے مسلمانوں کی سی نماز قبلہ کی طرف پڑھی پس وہ مسلمان ہے وہ اللہ و رسول کی ذمہ داری میں ہے۔ پس جو ایسی ذمہ داری میں ہو اس کو ذلیل نہ کرنا۔

وعظ میں حضرت یہ بھی فرمائیں گے کہ جس شخص کی زبان پر اخیر وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا۔ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ لیکن جس وقت حسد کی آگ تیز ہوتی ہے۔ جس وقت کافر بنانے والا مادہ جوش میں آتا ہے تو نہ قرآن یاد پڑتا ہے نہ حدیث اگر اپنے بھائی میں ایمان و اسلام کی نشانیاں دیکھتے ہیں اور ایک نشانی بھی اپنے خیال باطل میں کفر کی پاتے ہیں تو اس کو بے کافر بنائے چین نہیں لیتے ہیں۔ واللہ یہ ایسے بخیل ہیں کہ اگر ان کی رائے کے مطابق اللہ جنت میں لوگوں کو داخل کرنا شروع کرے۔ تو سوائے معدودے چند کے یہ حضرات کسی کو جنت

میں جانے کے روادار نہ ہوں گے گو اس رحمان و رحیم نے ایسے ناپاک دلوں کو جنت کا داروغہ نہیں بنایا ہے، لیکن ان کی یہ قطعیت ہے کہ وہاں زمان میں تیرا مسلمان گویا جنت کا ٹھیکہ لئے بیٹھے ہیں۔ جو شخص ان کی ہاں میں ہاں ملا دے ان کی بزرگی کا قائل نہ ہو پھر وہ جاتا کہاں ہے، کفر کا فتویٰ تیار ہی تو ہے۔ ان کم بختوں کو پوچھو کہ اجی حضرت آپ نائب رسول ہونے کا دم بھرتے ہو خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ آپ نے عمر بھر میں کتنے شرابیوں سے شراب چھڑائی۔ کتنے زانی آپ کی سعی و کوشش سے زنا سے باز آئے، کتنے گمراہ راہ پر آئے۔ کتنے کافر مسلمان ہوئے، تو جواب ندارد۔ جو خود گمراہ ہو وہ دوسروں کو کیا ہدایت کرے۔ جو خود گناہوں کے پاتال میں گرا ہو وہ دوسرے کی کیا ہدایت کرے، جس کے دل میں ذرا بھر ایمان نہ ہو وہ کیوں کر کسی کافر کو مومن بنا سکے۔ بات بھی ٹھیک ہے جس کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ دوسروں کو بانٹ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کے پاس زندہ ایمان تھا۔ وہ کافروں کو ایمان دے سکتے تھے، ان کے قول و فعل کو دیکھ کر۔ ان کی پاک زندگی کا مقناطیسی اثر تھا کہ بے ایمان مشرف بہ ایمان ہوتا تھا، لیکن آج کل کے نام کے مولویوں پیٹ کے بندوں کے پاس ہے کیا جو کسی کو تقسیم کریں۔ ہاں پیٹ میں خون کفر بھرا ہوا ہے اسی لئے تو وہ آج کل اسی کو بڑی دریا دلی سے تقسیم کرتے ہیں۔ ان زر پرستوں نفس کے بندوں شکم کے کتوں کے پاس جب کوئی انگریزی دان مسلمان اپنے شکوک رفع کروانے جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ خود بھی خلق محمدی کے آثار دیکھتا صرف حضرت کو لال پیلا ہوتا ہوا دیکھتا ہے، اگر جی کھول کر بیچارا آفت کا مارا کوئی سوال کرے تو کفر کی گولی سے بچ کر گھر آنا محال ہوتا ہے۔ حضرت جی اس بیچارے مغربی تعلیم اور یورپین فلسفے کے زخمی کا علاج شفقت و محبت سے کرتے۔ جس طرح کوئی شریف طبیب یا ڈاکٹر مریض کے قابل شرم مرض سے واقف ہو کر پردہ پوشی کرتا اور جی لگا کر علاج کرتا ہے۔ حضرت اس بیچارے انگریزی دان سائل کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ ہر کس و ناکس سے یہی بیان ہوتا ہے کہ سن معاذ اللہ۔ فلاں ابن فلاں کمبخت ملعون و مردود البابے ایمان و دہریہ ہو گیا ہے۔ اب فرمایئے کیا اس انگریزی دان بیچارے کو ایسے مولوی صاحبوں سے محبت ہو سکتی ہے؟ میں سچ کہتا ہوں اسی قسم کے مولویوں نے ہزاروں انگریزی دانوں کو اسلام سے نفرت پیدا کرا دی ہے۔ جب وہ برہمو یا پادری سے بحث کرتے ہیں تو تہذیب کے ساتھ بات ہوتی ہے اور یہاں تہذیب چہ گتی ست کہ پیش مرداں بیاید۔ مولوی صاحب نے شمس بازغہ، میر قطبی، ہدایہ، شرح وقایہ تو بہت کچھ پڑھا، لیکن تہذیب کا ایک سبق بھی نہیں سیکھا۔ اے خدا یہ ممکن ہے کہ پہاڑ ہوا میں اڑ جائے۔ دریا الٹی چال اختیار کرے، گونگے جانور بولنے لگیں، لیکن مجھ کو ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام کے مولوی صاحبان بدل جائیں۔ لیکن چونکہ تو ایسا ہی قادر ہے کہ تجھ سے سب کچھ ممکن ہے اس لئے تیرے پاس ہماری یہ دعا ہے کہ ان لوگوں کو بدل ڈال یا اپنے پاس بلا لے تاکہ دنیا خالی ہو جائے اور امن و صلح کی صورت نظر

آئے اور مسلمانوں میں پھر اتفاق دکھائی دے۔

اے پیارے ناظرین! اس چھٹے دشمن کے بیان میں میرا قلم کچھ تیز ہو گیا ہے۔ لیکن معاف فرمائیے گا ان ظالموں کے ظلم و فساد کو سارے ہندوستان میں دیکھ دیکھ کر میرا دل پک گیا ہے۔ جگر کباب ہو گیا ہے۔ کیا کروں۔ جب ان کی شرارت فعل کو یاد کرتا ہوں تو سارے خون میں ایک سخت حرارت پیدا ہو جاتی ہے لیکن میرے بیان مرقومہ بالا سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ معاذ اللہ میں کل علمائے ہند کو برا کہتا ہوں۔ جو دیندار متقی عالم کو برا کہے اس کا سوائے دوزخ کے کہاں ٹھکانا ہے۔ میں تو ان موذیوں کو کہتا ہوں جن پر مولوی کا نام زبردستی لگا دیا گیا ہے جن میں ربانی علماء کی ایک بات بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ الحمدللہ ہندوستان میں ایسے خدا پرست علماء زندہ ہیں جن کو دیکھ کر صحابہؓ یاد پڑتے ہیں۔ خدا جانتا ہے ان خدا کے پاک بندوں کا جب نام یاد آتا ہے تو دل کو عجیب قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہ لوگ خدا کی رحمت ہیں۔ یہی سچے نائب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ خدا جانتا ہے میرا ایمان ہے کہ اگر یہ جہان ایسے پاک دل نرم مزاج خدا ترس عالموں سے خالی ہو جائے تو ابھی قیامت ہو جائے۔ اے خداوند ایسے بزرگ عالموں کی تعداد بڑھا اور ان کو ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھ۔ آمین۔

ساتواں دشمن بہکے اور بگڑے ہوئے صوفی اور مشائخ ہیں!

جب گناہوں سے کسی قوم پر ذلت و ادبار کی سزا نازل ہوتی ہے تو ہر فرقے کے لوگ بگڑ جاتے ہیں۔ یہی حال ہم مسلمانانِ ہند کا ہوا ہے۔ ہمارے امراء و رؤساء عیش و عشرت میں ڈوب گئے ہیں ان کے دلوں سے قومی ہمدردی نکل گئی ہے۔ علماء جو ہمارے رہنما تھے الا ماشاءاللہ دنیا کے کیڑے اور قوم کے دلانے والے بن گئے ہیں۔ مشائخین جو دلوں کے سنوارنے اور اخلاق درست کرنے والے اور اسرار الٰہی کے خازن تھے وہ مسلمانوں کے گمراہ کرنے والے اور گناہوں پر دلیر بنانے والے شیطان کے شاگرد رشید ہو گئے ہیں۔ ان مکاروں کی ذات سے بھی اہل اسلام کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ یہ مشائخین گدی نشین ایسے بزرگواروں کے جانشین ہیں جن کی عظمت ہر ایک دل میں موجود ہے۔ یہ کون ہیں؟ صاحب یہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ حضرت خواجہ بہاءالدین علیہ الرحمۃ کی اولاد ہیں۔ یہ کون ہے؟ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے جانشین ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس فرمائیے ایسے بزرگوں کے جانشینوں کے ساتھ لوگوں کو عظمت نہ ہو تو کس کے ساتھ ہو۔ خواہ مخواہ دل ان کی طرف جھکا جاتا ہے۔ لیکن اب ان کی حالت کیا ہے۔ خاہر صورت شکل تو ماشاءاللہ بہت عمدہ ہے۔ لباس کا کیا کہنا ہے سب ٹھیک نہایت درست لیکن اخلاق و ایمان

کی کیا حالت ہے اس کا حال نہ پوچھیے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان یاد آجاتا ہے۔ کوئی خوبی کوئی کمال آپ میں نہیں ہاں کمال کیوں نہیں ہے۔ شطرنج بہت اچھا کھیلتے ہیں۔ چوسر میں بھی کوئی مات نہیں کر سکتا۔ رمل میں بہت کچھ دخل ہے۔ مسمریزم کی اچھی مشاقی ہے۔ اچھے خوش آواز ہیں۔ گاتے بہت اچھا ہیں۔ غزلیں ٹھمریاں ہزاروں آپ کو یاد ہیں۔ حال قال کی مجلس میں گھنٹوں آپ کو وجد رہتا ہے۔ جب وجد آتا ہے اس وقت کس خوبصورتی سے اور کس انداز سے خراماں خراماں چلتے ہیں کہ دیکھ کر دل لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ سب کمالاتِ ظاہری آپ کے ہیں۔ باطنی کمالات کے بیان کرتے ہوئے شرم وحیا مانع ہوتی ہے۔ اُن کمالات کو حضرت کے چار دیواری کے پردے ہی میں بند رہنے دو۔ اگر اب سوال کیجئے کہ ان کی عربی دانی کیسی ہے تو کچھ بھی نہیں۔ کہو آپ کا علم قرآن کیسا ہے تو سوا طوطے کی طرح پڑھ لینے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ اور جانیں کیوں کر؟ کیا اسرار و معارف قرآنی کبھی بدکاروں پر کھلتے ہیں۔ لا یمسہ الا المطھرون قرآن مجید کے اسرار اور اس کی باریکیوں پر وہی واقف کار ہو سکتے ہیں اور اللہ صاحب بھی ان ہی لوگوں پر اس کی باریکیوں کو کھولتا ہے جن کے دل گناہوں سے پاک صاف ہیں۔ مومن کامل کی یہ ایک نشانی ہے کہ اس کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ ان حضرات کے خواب کیسے ہیں۔ سوائے خواب پریشان کے سچے خواب شاید ہی کبھی نظر آئے ہوں۔ سچے خواب دیکھے وہ جو دل کا سچا۔ معاملہ کا سچا اور دیانتدار ہو۔ یہاں یہ سب خوبیاں مفقود۔ اچھا مومن کامل کی دعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں ان حضرات کی دعاؤں کا کیا حال ہے؟ ہزار دعاؤں میں سے شاید دو چار قبول ہوتی ہوں اور ہوں کیوں کر اللہ جل شانہ کو تو پیارے لگتے ہیں۔ وہ دعا کرنے والے جو روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ جن کے دلوں میں فروتنی اور انکساری ہے۔ اللہ پاک مغروروں اور شیخی بازوں کی طرف کب نظر رحمت سے دیکھتا ہے؟ مومن کامل اور عارف کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کو مکالمہ الٰہی کی عزت حاصل ہوتی ہے۔ شاید یہ حضرات اس شرف سے مشرف ہوں گے۔ لیکن سوائے خطراتِ شیطانی کے رحمانی کا گزر ہی کہاں ہے۔ بغیر پیرزادے گدی نشین اپنی ہی بداعمالیوں میں گرفتار ہوتے تو سمجھ لیا جاتا کہ جس طرح بہتیرے شاہزادے نواب زادے بدکاری اور شیطان پرستی میں گرفتار ہو کر قوم کے لئے بڑے نمونے اور مثال ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں اور مجھ کو کچھ ضرور نہ تھا کہ دشمنانِ اسلام میں ان کو شمار کرتا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان کی شرارتیں۔ ان کی بدکاریاں ان کی ذات تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے بدعقیدوں کی زد پڑنے سے سخت صدمہ اسلام کو پہنچ رہا ہے۔ ان میں اکثر کا عقیدہ ایسا ہے کہ اس سے مشرکوں کو بھی ننگ و عار ہے۔ عیسائی تین ہی خدا پر قناعت کرتے ہیں۔ ہندو تینتیس کروڑ خدا بنا کر راضی ہو گئے۔ لیکن ان بگڑے ہوئے صوفیوں کے خداؤں کی گنتی کو ان کا شیطان ہی جانے۔ کل انبیاء خدا۔ کل اولیاء خدا۔ کل انسان خدا۔ کل حیوان خدا۔ غرض

سب کچھ خدا۔ یہ صوفی لوگ شیطان ملعون کو بہت ہی اعلےٰ درجے کا خدا سمجھتے ہیں۔ ہنود۔ دریا۔ پہاڑ۔ درخت وغیرہ کو بھی خدا جانتے ہیں۔ لیکن اپنے کو خدا کہنے میں شرماتے ہیں۔ لیکن یہ صوفی لوگ من خدایم من خدایم کے گیت پر ایسے مست ہوتے ہیں کہ فرعون بھی کبھی نہ ہوا ہوگا۔ آج کل یہ صوفی لوگ واعظ بھی بنے ہیں۔ مسجدوں میں اس قسم کے مسائل کا وعظ ہوتا ہے۔ واللہ میں نے شہر کلکتہ کی ایک بڑی مسجد میں ایک اسی قسم کے واعظ کو کہتے سنا کہ مردے کو سامنے رکھ کر جنازہ کی نماز کیوں پڑھتے ہیں سلو اب اس باریک بھید کو ہم سے سمجھو۔ ابھی وہ خدا جو ہوگیا۔ اس لئے۔ اے ناظرین آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس قسم کے عقائد جو سراسر خلاف تعلیم قرآن مجید ہیں۔ اور جو یکبارگی دین اسلام کے زیر وزبر کر ڈالنے والے ہیں ان کے پھیلنے سے کیا کیا خرابیاں مسلمانوں میں نہیں پھیلیں گی وہ آدمی جو خود کو خدا سمجھے گا اس کو کسی گناہ کے ارتکاب سے مانع کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ کی پناہ آج کل اس قسم کے زہریلے عقاید کی اشاعت بڑے زور شور سے ہو رہی ہے۔ ان صوفیوں میں سے اکثر کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذاللہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خود خدا تھے اس لئے مصنف قرآن مجید آپ ہی تھے۔ یہ بدمعاش وعظوں میں جھوٹی حدیث سناتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میں احمد بلا میم بھی ہوں یعنی احد یا خدا ہوں۔ ایک واعظ صاحب اسی قسم کے وعظ میں فرمانے لگے ؎

ظاہر میں نمودار ہوا شکل عرب میں ⁂ باطن میں نہیں فرق ہے کچھ رب میں عرب میں

ایک صوفی صاحب جن کے مریدوں اور معتقدوں کی تعداد بہت بڑی تھی واللہ مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اللہ سے زیادہ ہے۔ کلکتہ کی ایک نامی مسجد میں ایک عرصے تک اسی کا وعظ ہوتا رہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہونا چاہیئے اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کیونکہ محمد ہی نے اللہ کو ظاہر کیا جس کا رتبہ بڑا اس کا ذکر مقدم ضرور ہے۔ حضرت واعظ صاحب کے اس بیان پر سینکڑوں مرید اور معتقد وجد کرتے رہتے۔ پیارے ناظرین کیا اسلام پر کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ جب اس قسم کے عقائد کا وعظ مسجدوں میں ہوتا رہا ہے۔ واللہ مجھے کلکتہ میں چند دیندار مسلمانوں نے رو رو کر کہا کہ جب سے موذی صوفی نے وعظ شروع کیا ہے ہم سینکڑوں نمازی بے نماز ہو گئے اور گناہوں اور شرارتوں پر بہت ہی دلیر بن گئے ہیں۔ اے خدا تو ان موذی صوفیوں کے فتنے سے اسلام کو بچا آمین۔

واضح رہے کہ میں آج کل سجادہ نشینوں اور صوفیوں کو برا نہیں کہتا اللہ کے فضل سے بعض ان میں سے نہایت متقی اور پرہیزگار بھی ہیں۔ مجھ کو خود ایسے صوفیوں سے بہت بڑا فیض حاصل ہوا ہے۔ اللہ نے مجھ کو ایسے صوفیوں سے بھی ملایا ہے جن کی وجہ سے میں اسلام پر مضبوط ہو گیا ہوں۔ جن کی تعلیمات کا اثر میں ابھی تک اپنے میں پاتا ہوں۔ ایسے ہی پاک باطن صوفیوں کے پاک کلام کو سن کر میں نے سمجھ لیا ہے

کہ کل مسلمانان درگور و جملہ مسلمانی در کتاب نہیں ہے۔ بلکہ اس تباہی اور پریشانی کے وقت میں بھی مخلص بے ریا بے نفس اسلام کے سچے عاشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فدائی سے دنیا خالی نہیں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اے پیارے ناظرین غور کرو آج ہندوستان میں اسلام کا کیا حال ہے وہ دین اسلام جس کے رواج دینے میں ہمارے سردار و پیشوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی تکلیفیں اٹھائیں، آپکا سارا جسم مبارک زخموں سے چور چور ہوا۔ آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کا جسم اطہر لہولہان ہوا۔ آپ کے پیارے عزیز دوست دشمنانِ اسلام سے لڑکر یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ وہ دین اسلام جس کے رواج دینے کے لئے صحابیوںؓ نے اپنے خون کے نالے بہائے وہ اسلام جس کو ہمارے اگلے بزرگ ہزارہا تکلیفیں و مصیبتیں اٹھا کر ہندوستان میں لائے تھے اسی اسلام کا باغ آج لٹ رہا ہے۔ اے خدا! آج ہمارا دین ایسے سخت محاصرے میں پڑ گیا ہے، ایسا محاصرہ شاید کسی زمین کے بادشاہ کو دیکھنے کا موقع ملا ہو گا۔ دشمن تو باہر سے حملے کر رہے ہیں اور بعض دشمن قلعے کے اندر اس کی تباہی کی فکر کر رہے ہیں۔ ہے کوئی جو اس بیکس اسلام کی فریاد کو سُننے والا۔ اے خدا کیا اسلام ہندوستان سے رخصت ہو جائے گا۔ اے مالک کیا ہمارے اقبال کا زمانہ پھر نہ لوٹے گا۔ اے خدا ہمارے دشمن کہتے ہیں کہ اب اسلام مر گیا۔ کیا حقیقت میں تجھ کو یہی منظور ہے؟ اے مولا کون سی ذلت، کون سی رسوائی باقی ہے جو ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اٹھا رکھی گئی ہے۔ ہائے کوئی ہے جو اس غمخوار اسلام اس فخر بنی آدم صلعم کے پاس اُڑ کر جاتا اور ہمارے حالِ زار کی* اطلاع حضور علیہ السلام کو نہیں کرتے۔ کیا حضورؐ ہم کو بھول گئے ہیں، کیا ہماری بداعمالیوں کا حال سن کر حضورؐ بھی رنجیدہ ہو گئے ہیں۔ کیا رحمۃ للعالمین نے ہم کو دل سے بھلا دیا ہے۔ اے خدا کیا ہم میں کوئی بھی دل والا زندہ نہیں جو ہماری مغموم و پریشان حالت پر رات کو اُٹھ اُٹھ کر روتا اور اس کی گریہ و نالہ پر تجھ کو اے رحمٰن و رحیم رحم آتا اور پھر تو اجڑے ہوئے باغ اسلام کو دوبارہ بساتا۔ ہائے اب اسلام کی یہ حالت ہے تو کلیجہ پھاڑو اور چلاؤ اگر اہل اسلام سے کچھ بھی اخوت و محبت ہے تو چلو میدان میں سب نکل چلیں۔ سر پر خاک ڈالیں، ذلیل صورت بنائیں خاک پر ناک رگڑ رگڑ کر روئیں اور اللہ سے رو رو کر التجا کریں کہ اب وہ ہم پر رحم کرے۔ صاحبو پانی نہیں برستا ہے، تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہو میدان میں نکل جاتے ہو۔ لیکن ایک عرصہ سے رحمت الٰہی کا برسنا بند ہو گیا ہے، اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے ہو۔ اے خالق۔ اے حی و قیوم خدا قوم میں چند آدمیوں کو تو ایسی آنکھیں دے کہ ہماری پریشانی اور اسلام کی تباہی پر روئیں اے خدا! قوم میں چند ایسے آدمیوں کو قائم کر جن کو ہماری حالت زار پر سچا ترس آوے اور ان

* [illegible] ہندوستان کے مسلمانوں کے حال زار کی

میں صحابیوں کے ایسے دردمند دل پیدا کر دے کہ ان کو ہماری روحانی حالت دیکھ کر رات کو نیند نہ آوے۔ رہاں وہ مرثیہ جس کو میں پڑھ کر ہمیں رونے اور چلّانے کے لئے کہتا ہوں یہ ہے:۔

مرثیہ

می سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں
بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں

دینِ حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں
سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کیں

آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب
مے تراشد عیب ہا در ذاتِ خیر المرسلیں

آنکہ در زندانِ ناپاکی است محبوس و اسیر
ہست در شانِ امامِ پاک بازاں نکتہ چیں

تیر بر معصوم می بارد خبیثِ بدگہر
آسماں را می سزد گر سنگ بارد بر زمیں

پیش چشمانِ شما اسلام در خاک اوفتاد
چیست عذرے پیشِ حق اے مجمع المتنعمیں

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں

اے مسلماناں چہ آثارِ مسلمانی ہمیں ست
دیں چنیں ابتر شما در جیفۂ دنیا رہیں!

یاد ایامیکہ ایں دیں مرجعِ ہر کس بود
عالمے را داد رہا بند از رہِ دیو لعیں!

ایں زمانے آنچناں آمد کہ ہر ابن الجہول
از سفاہت میکند تکذیبِ ایں دینِ متیں!

صد ہزاراں ابلہاں از دیں بروں بردند رخت
صد ہزاراں جاہلاں گشتند صیدِ ماکریں!

آں زمانِ دولت و اقبالِ ایماں در گذشت
شومیٔ اعمالِ ما آورده ایامِ چنیں

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید بباید ہم ازیں رہ بالیقیں

یا الٰہی باز کے آید ز توفیقت مدد
باز کے بینیم آں فرخندہ ایام و سنیں

ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں!

اے خدا زود آ و بر ما ابرِ نصرت ہا بیار
یا مرا بردار یا رب زیں مقامِ آتشیں

اے خدا نورِ ہدیٰ از مشرقِ رحمت برار!
گمرہاں را چشم کن روشن ز آیاتِ مبیں!

اے پیارے ناظرین اللہ پاک کو مسلمانانِ ہند کے حالِ زار پر رحم آیا اللہ نے وعدے کو پورا کیا اس نے کہا تھا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون یعنی قرآن مجید کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ یعنے تحریف و تبدیل سے بچائیں گے اور اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ قرآنی تعلیمات کو بھی غارت ہونے نہ دیں گے۔ کیونکہ صرف کاغذ و روشنائی کی حفاظت اگر ہوتی تو کون سی بڑی بات تھی اللہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ نہ صرف قرآن مجید کے ظاہری الفاظ ہی محفوظ رہیں گے بلکہ

مطالب قرآن یعنی دین اسلام بھی برباد ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور کیوں نہ ہو جب اللہ پاک نے فرما دیا کہ ان الدین عنداللہ الاسلام یعنی اللہ کے پاس مقبول دین اسلام ہی ہے جب مقبول ہے تو اس کا غلبہ اور ادیان پر ہونا ضرور ہے۔ پھر اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا تا آپ دینِ اسلام کو سب ادیان پر غالب کر کے دکھا دیں۔ سو الحمدللہ اہل اسلام ہر زمانے میں ہر میدان میں غالب رہ کر سب ادیان پر اسلام کی فوقیت ظاہر کرتے رہے جس زمانے میں جنگ و جدال کا زور شور تھا اور جنگی بہادری قابل عزت و توقیر تھی۔ اس وقت مسلمانوں نے سارے جہان پر دکھا دیا کہ وہ اپنے دین کی صداقت کو ہر طور سے ثابت کرنے کو مستعد ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل ہونے کی وجہ سے دس سے سو کا اور سو سے ہزار کا مقابلہ کر کے فتح حاصل کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ سارے جہان نے ان کے اس دعویٰ کے آگے سر جھکا دیا۔ پھر زمانہ آیا علمی تحقیقات اور کتابوں کی تصنیف کا۔ الحمدللہ مسلمانوں نے سارے جہان پر اس میدان میں بھی اسلام اور اہل اسلام کا غلبہ ثابت کر دیا۔ اب زمانہ ہے عقلی و فلسفی دلائل کے زور کا۔ اب زمانہ آیا ہے سخت گمراہی کا اور دہریت کا۔ انشاءاللہ اسی زمانہ میں قرآن کریم کے باطنی اسرار اور لطائف کے ظہور کا وقت ہے اور قریب ہے کہ یہ معجزۂ قرآنی ظاہر ہو کر سارے جہان کے فلسفہ کو ذلیل و رسوا کر دے انشاءاللہ تعالےٰ اب مسلمانوں سے خرق عادت کے طور پر وہ کرامات ظاہر ہونے والی ہیں کہ سب دہریوں کو ساکت و سرنگوں کر دیں گی۔ اب وہ زمانہ آ گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آسمان سے یا یوں کہیئے الٰہی تائید کے ساتھ تشریف لائیں اور براہین اور دلائل قرآنی سے اس قوم کو روحانی شکست دیں جو عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن حضرت عیسٰے علیہ السلام کی ایک خوبی بھی اپنے میں نہیں رکھتی۔ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام ہدایت کو کل ادیان والوں پاس پہنچا کر فتح اسلام کا نقارہ بجوائیں۔ لاکھ لاکھ شکر اس رحمٰن و رحیم خدا کا ہے کہ اس نے عین ضرورت کے وقت ہماری دستگیری کی اور ایک زبردست مجدد سے ہماری کمک کی۔ لیکن قبل ازیں کہ اس مجدد ذی شان کے کچھ حالات بیان کروں کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ناظرین معاف فرمائیں گے۔ اگر یہ کمترین مختصر طور پر کچھ اپنا حال سُناتے۔ گو اس وقت کچھ حالات ذاتی کا بیان ظاہراً بے موقع معلوم ہوگا۔ لیکن ذرا غور سے پڑھنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ جو کچھ بیان کر رہا ہوں وہ ہرگز بے موقع نہیں بلکہ نہایت ہی ضروری ہے۔

کچھ حال اس خاکسار کا
کہ حضرت مہدی کیونکر ڈھونڈھا اور کس طرح پایا

اے ناظرین اس کمترین کی حالت عجیب وغریب ہے۔ یہ میں حقیقت میں عجائبات عالم سے ہوں۔ اللہ مجھ کو ایک عجیب حیرت انگیز رحمت دکھلا رہا ہے۔ وہ خود میرا معلم بنا۔ اپنی رحمت وعنایت کو عجیب طور سے ظاہر کرتا رہا۔ میرے ہم وطن جب کبھی اس پر غور کرتے ہیں تو خدا کی قدرت کے قائل ہو جاتے ہیں اکثر تو مولانا روم کا یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں ؎

لنگر از نے میوہ از چوب آوری ؛ از منی مُردہ بتِ خوب آوری!

میری پیدائش بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۲ء مطابق ۸ر محرم ۱۲۶۹ھ ہجری النبوی ایک ایسے شہر میں ہوئی جو جہالت وگمراہی میں ہندوستان کے سب شہروں میں غالباً سبقت لے گیا ہے۔ شرک وبدعت۔ کفر وضلالت کا جیسا بازار یہاں گرم تھا کسی شہر میں نہ تھا۔ جس خاندان میں مجھ کو اللہ نے پیدا کیا وہ شرک وکفر۔ بدعت اور ہر قسم کی معصیت میں بے مثل تھا۔ جب میں نے اس جہان کو دیکھنا شروع کیا تو اپنے چاروں طرف گمراہی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ لیکن میری طبیعت میں نیک مزاجی اور ذہانت کو غیر معمولی طور پر دیکھ کر لوگوں کو ہمیشہ حیرت ہوا کرتی تھی۔ سارے خاندان میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ سب نام کے مسلمان اور اسلام کی ساری ہدایتوں سے کوسوں دور۔ مجھ کو نہیں معلوم کس کی تحریک سے میرے رشتہ داروں نے مجھے مکتب میں بٹھا دیا۔ مکتب میں میری ذہانت کا شہرہ ہوا اس غیر معمولی فہم کی وجہ سے تھوڑی بہت اردو فارسی عربی سیکھی۔ پھر اسکول میں انگریزی پڑھنے لگا ہر امتحان میں کامیاب ہوتا گیا۔ انعامات کے پانے میں سب سے بڑھا ہوا رہتا تھا۔ میرے کل ساتھی سوا چند شریف طبیعت کے مجھ پر رشک اور حسد کیا کرتے تھے۔ یہ بلا ابھی تک میرے ساتھ ہے جب مر جاؤں گا، تو بلا سے نجات ہو گی ؎ ای روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ غور وفکر کا فطرتی مادہ تھا۔ انگریزی تعلیم نے اس کو اور بھی تیز کر دیا۔ دین کی باتوں کی طرف جب غور کیا تو ہزاروں اعتراض پیدا ہونے لگے۔ میں ان بیرونی دشمنوں کے (جن کا میں نے اوپر تذکرہ کیا ہے) سخت حملوں میں گرفتار ہو گیا تھا اگر خدا کی عنایت شاملِ حال نہ ہوتی تو میں کہاں سے کہاں چلا گیا ہوتا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد مجھ کو سخت بے چینی پیدا ہوئی اور کئی روز تک میرے دل سے از خود یہ دعا نکلتی رہی کہ اے خدا تو میری مدد کر اور میری روحانی تکلیف کو دور کر مصرع ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو : خود مالک نے دعا کروائی اور خود قبول کی۔ ایک باخدا درویش سے ملاقات ہوئی۔ اس کی ملاقات سے مجھ کو بہت

بڑا فائدہ ہوا۔ اس بزرگ سے مجھ کو دو تین باتیں حاصل ہوئیں۔ جن سے میں ابھی تک فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ سچی دعا کس کو کہتے ہیں یہ میں نے عملی طور پر اس سے سیکھا ہے۔ اللہ کے پاس رونا اور کلپنا بھی اسی سے سیکھی ہے اور خدا کی رحمت و عنایت کا بیان اس زندہ دل درویش سے سُن کر اس کے چہرے پر محبت کی جھلک دیکھ کر اس کے محبت آمیز غزلوں اور گیتوں کو سن کر میرے دل میں خدا کی محبت کا دانہ بویا گیا مجھ کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ حی و قیوم ہر وقت میرے ساتھ ہے اور ہمیشہ اس کی عنایت میرے ساتھ ہے۔ خدا کی سچی محبت نے مجھ میں شفقت علی الخلق کا مادہ پیدا کیا۔ میں اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے لئے جناب باری میں بہت الحاح و زاری کیا کرتا اور اپنے کل ہم وطنوں کی حالت زار پر رویا کرتا تھا۔ الحمد للہ میرے مہربان مالک نے میری دعاؤں کو قبول کیا۔ اور میرے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اخلاقی حالت میں عجیب و غریب تبدیلی کر دی۔ سوا ایک کے کوئی بھی ان میں نمازی نہ تھا۔ لیکن الحمد للہ اب سات برس کی عمر کے لڑکے سے لے کر ستر اسّی برس کے بوڑھے تک پنجگانہ نماز کا پابند ہے اور سب کے سب گناہوں سے تائب نظر آتے ہیں جہاں علم کا نام و نشان نہ تھا وہاں صبح کو ہر مکان سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آنے لگی ہیں جس زبان سے اپنے مالک کا شکر ادا کروں اس نے میری اتنی دعاؤں کو قبول کیا ہے کہ اگر میں ان کو شمار کرنا چاہوں تو واللہ میں نہیں کر سکتا۔ تصنیف کی خواہش میرے دل میں اس وقت پیدا ہوئی کہ جب مجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب چھپتی کس طرح ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں میں نے ایک کتاب تصنیف کی تھی ۱۸۶۲ء کی تصنیف کی ہوئی کتاب میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے جس کو دیکھ کر مجھ کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ خداوند اجب میں اتنا بڑا تھا کہ مجھ کو مونچھ ڈاڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔ اس وقت میں اپنے ہم وطنوں کے لئے روتا تھا اور ان کے ایمان کے لئے اور اخلاقی اصلاح کے لئے دعائیں کرتا تھا۔ عشق الٰہی کا مادہ کچھ ایسا زور آور ہوا کہ الف۔ بے کا پڑھنا مجھ سے چھوٹ گیا۔ سرکار سے مجھ کو وظیفہ بھی ملتا۔ لیکن میں سب کو چھوڑ چھاڑ آزاد فقیر ہو گیا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ دو چیزیں میں نے پائی تھیں، خدا پر توکل اور دعا۔ بس یہ دونوں میرے بازو ہو گئے تھے۔ ان دونوں بازوؤں کے ذریعے میں کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ بنظر تحقیقات و تجسس ہندو پنڈتوں کے ساتھ رہتا تھا جنگلوں میں بھی تھا۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب میرے ایمان کے بیڑے کو کسی طوفان کا خوف نہ تھا۔ ایک برس تک میں سرگرداں پھرتا رہا متفرق مذاہب کی سیر مجھے مالک نے اس لئے کرائی کہ اس کے علم میں میرے لئے واعظ کا کام مقدر تھا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ ۱۸۶۳ء میں میں نے اپنے وطن شہر بھاگلپور میں ہی عقد شرعی کیا۔ نکاح کے بعد طلب معاش کی ضرورت ہوئی۔ پٹنہ شہر کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹری کا عہدہ ملا۔ بغرض ۱۸۶۸ء میں پٹنہ میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے رہنے لگا۔ یہاں مجھ کو اس بزرگ سے ملاقات

ہوئی جس کو صوبہ بہار کا ماہتاب کہنا بجا تھا۔ مجھ کو اس بات کا فخر ہے کہ جناب قاضی حاجی سید رضا حسین صاحب مرحوم مغفور ربانے مثل عنایت فرما اور دوست اللہ پاک نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا۔ جناب قاضی صاحب مرحوم مجھ سے بہت راضی رہے۔ قاضی صاحب گو ظاہرا ایک زمیندار اور خوشحال رئیس تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی درویشی اور فقر کو بالکل چھپا رکھا تھا۔ قاضی صاحب کو علم عربی میں اچھی لیاقت تھی۔ قرآن مجید اور مولانا روم کی مثنوی سے ان کو خاص محبت تھی۔ قرآن مجید کے درس کے لئے تو انہوں نے ایک خاص جلسہ جاری کر رکھا تھا جناب قاضی صاحب نہایت ذہین اور باریک فہم آدمی تھے۔ مجھ سے اور قاضی صاحب سے اکثر مسائل میں مباحثہ رہا۔ آخر ہوتے ہوتے جو اعتراض و شکوک میرے دل میں تھے سب ایک ایک کر کے میرے دل سے دور ہو گئے اور میں سچا اور پکا مسلمان ہو گیا۔ صوفیہ طریقہ کی ریاضتوں میں بھی قاضی صاحب سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ قومی ہمدردی کے کام بھی جو کچھ ممکن تھے۔ میں اسی زمانے میں بھی کیا کرتا تھا۔ شہر پٹنہ میں رفاہ عام کا کوئی ایسا جلسہ نہ تھا جس میں میرا بیان نہ ہوتا۔ کتابیں بھی میں نے بہتیری تصنیف کیں جو سارے ہندوستان میں پھیلیں۔ قوت فیصلہ تحریک، سیرت نبوی وغیرہ اسی زمانہ کی تصنیف ہیں۔ پٹنہ میں کئی اخباروں کا ایڈیٹر بھی رہا۔ سکول کی ملازمت میں رہنے سے اور قاضی صاحب کی صحبت پانے سے فائدہ تو ہوا لیکن میری محبت کا ولولہ جو خدا کے ساتھ تھا، وہ بہت کم ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نماز کا بھی پورا پابند نہ تھا۔ پٹنہ میں میں ایک فلاسفر کی زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن اس قسم کی زندگی سے میں راضی نہ تھا۔ اندرونی پلیدی اور گناہوں سے مخلصی پانے کا اضطراری جوش لاحق رہتا تھا۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں اللہ پاک کی عنایت خاص کا نزول ہوا۔ میں تین دن رات اپنے گناہوں پر روتا رہا اور اللہ سے پکا عہد کیا کہ اب نماز پورے طور سے قائم رہوں گا۔ اور گناہوں سے تائب ہو گیا۔ یہ زمانہ بھی ایک عجیب تبدیلی کا زمانہ گزرا ہے۔ میں ایسا بدلنے لگا کہ میرے ساتھیوں کو حیرت تھی ؎

اے رحم کرنے ہنس لگتا بار ؎ نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

گناہوں سے دل پاک ہو جانے اور رات دن ذکر الٰہی میں مشغول ہونے سے اور سچ پوچھو تو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کی وجہ سے دل میں شوق ہوا کہ ایسی کتابیں تیار کروں کہ جن میں اس طور سے اسلام کی خوبیاں لکھی جائیں کہ جس سے مغربی تعلیم و یورپین فلسفہ کے بد اثر سے بچ کر مسلمانوں کے نوجوان تباہ ہونے سے محفوظ رہ جائیں۔ پہلی کتاب معراج المومنین لکھی۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ میں خدا کا کس زبان سے شکر کروں۔ انجمن حمایت اسلام کی درسی کتابوں میں اس کا انتخاب درج ہے بنارس میں ایک صاحب نے اس کو چھاپ کر تقسیم کیا۔ بنگلور میں اسحٰق سیٹھ صاحب نے چھپوا کر للہ تقسیم کیا۔ نماز پنجگانہ کی خوبیاں اسی رسالہ میں کچھ اس طرز سے اللہ نے مجھ کو سمجھائیں کہ بہت سے

بے نمازی اس کو پڑھ کے نمازی ہو گئے۔

۶ر فروری ۱۸۹۶ء کو مغرب کے وقت یکایک اللہ جلّ شانہٗ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب تو اسکول کی ملازمت سے دست بردار ہو جا۔ اور باقی عمر واعظ اسلام کی حیثیت میں بسر کر۔ پس میں نے اس ہدایت ربانی کے بموجب ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ پیش کر دیا۔ اسکول کمیٹی کے سیکرٹری میرے شاگرد و دوست تھے مجھ کو بہت سمجھاتے رہے۔ پٹنہ کے کئی شفیق دوست نہایت محبت سے مجھ کو ہدایت کرتے رہے کہ لگی نوکری کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ جو لگی روزی کو لات مارتا ہے وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوتا ہے۔ لیکن میں ان پیارے دوستوں کو کیا کہتا۔ حالت یہ تھی کہ خدا ہی کی ہدایت سے خدا کے واسطے نوکری چھوڑتا تھا۔ تو میں کیونکر دل میں یہ خنک لاتا کہ اللہ میرے رزق کو بند کر دے گا۔ میں نے ایک ماہواری رسالہ بنام نور الاسلام جاری کیا۔ پہلے تو پٹنہ میں کئی وعظ بیان کئے۔ اس کے بعد کلکتہ گیا۔ یہاں پہلا انگریزی وعظ ہوا جس میں ایک نامی شخص بپن چندر پال پروفیسر سیٹی کالج قریب تھا کہ دین اسلام قبول کرے۔ اور انگریزی پادریوں نے بڑے جوش کے ساتھ اسلامی صداقت کی تائید کی۔ اس دھوم کے جلسے کا شہرہ ہوا۔ انگریزی اخباروں میں اس کا چرچا ہوا۔ ڈھاکہ کے نوجوان مسلمانوں نے مجھ کو ڈھاکہ بلوایا۔ ڈھاکہ میں ایسی نصرت الٰہی میرے ساتھ ہوئی اور لیکچروں کا ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ کے لئے اس شہر میں یادگار رہے اس زمانہ میں روحانی برکات کا نزول تھا لیکن میری مالی حالت نہایت بُری تھی۔ واعظ کی نئی زندگی میں مجھ کو پہلے سال پندرہ روپیہ ماہوار ملا۔ بھلا جس شخص کی ماہوار آمدنی سو روپیہ ہو وہ پندرہ روپیہ ماہواری میں کیا کر سکتا ہے۔ قرض دار ہو گیا۔ یہ میرے اوپر خدائی امتحان کا زمانہ تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ نے مجھ کو اس امتحان میں پاس کیا۔ خدا کی ایک ایک عنایت کو بیان کر کے اس کے شکر کرنے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ میرے نکاح کو ۱۴ برس گزر چکے تھے لیکن مجھ کو ایک اولاد بھی نہ ہوئی میری اہل خانہ کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ عاقرہ ہیں۔ لیکن جب میں نے اللہ کی نوکری اختیار کی تو اس نے پہلے سال میں ہی ایک لڑکا عنایت کیا جس کا نام احمد رکھا ہے اور اس وقت سات برس کا ہے اردو فارسی پڑھتا ہے اور قرآن مجید حفظ کرتا ہے۔ رسالہ نور الاسلام کے خریدار بڑھنے لگے۔ تقریب پانچ سو کے خریدار ہو گئے۔ میرے رسالوں کے مضامین پڑھ کر میرے وعظوں کو سن کر پٹنہ کے کئی صاحب کہنے لگے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ حسن علی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مجدد پیدا ہوا ہے ہوگلی مدرسے سے ایک مشہور عالم نے مجھ کو لکھا کہ حضرت امام غزالی نے جو کام اپنے زمانہ کے لئے کیا وہ کام تو اس زمانہ کے لئے کر رہا ہے۔ گویا چاروں طرف سے تحسین و آفرین کی صدا میرے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن میں خوب سمجھتا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں جس کو یہ لوگ تلاش کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے میرے دل پر اس بات کو کھول دیا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی بہت بڑے رتبہ اور پایہ کا مجدد ہونا چاہیئے۔ چنانچہ

جب میں لاہور گیا اللہ میرے لاہور کے دوستوں نے مجھ کو ایک منصف صاحب کے مکان پر اتارا تھا۔ تو میں ایک شب اپنے لاہور کے دوستوں سے کہنے لگا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان ہند کی امداد ونصرت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے شخص کو پیدا کرنے والا ہے۔ میرے خیال میں اس شخص کو مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا چاہیئے

۱۔ عالی خاندان ہو ۲۔ خوشحال یعنی رزق کے لئے غیروں کا محتاج نہ ہو۔

۳۔ صورت وشکل میں بھی اچھی وجاہت رکھتا ہو۔ ۴۔ بہت بڑا اسپیکر ہو۔

۵۔ عربی میں بہت بڑی لیاقت رکھتا ہو۔

۶۔ مغربی علوم سے خوب واقف ہو اور زبان انگریزی میں بہت بڑا کمال رکھتا ہو اور انگریزی تحریر میں اور تقریروں سے سارے یورپ وامریکہ کو ہلا دے سکتا ہو۔

۷۔ صاحب کرامات ہو تاکہ وہ موجودہ دہریت اور باطل فلسفے کے زور کو خدائی نشان دکھا کر توڑ سکے۔ میں نے اپنے لاہور کے دوستوں سے کہا تھا کہ معلوم نہیں کہ ایسے بزرگ کے ظہور تک زندہ رہ سکوں گا۔ اگر سامعین میں سے کوئی صاحب ایسے ہادی کے حضور میں حاضر ہوں تو اس کو میرا اسلام ضرور عرض کر دیں۔

بعض نوجوان تعلیم یافتہ صاحبوں نے مجھے کہا کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے اور زمانہ حال کے مجدد سر سید احمد خان بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی ہیں۔ جن کے عالی خاندان میں کیا شک ہے سادات ہی سے ہیں۔ وجاہت ظاہری بھی ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے۔ مقرر ایسے ہیں کہ سارے ہند میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عربی میں گو فاضل نہیں لیکن معلومات دینی وتجسس وتحقیقات مسائل دینی میں کوئی مولوی فاضل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریر ایسی زبردست ہے کہ باریک سے باریک باتوں کو ایسا صاف دائینے کی طرح لکھ کر دکھاتے ہیں کہ کسی اور ہونا مشکل ہے۔ وہ ہندوستان میں ایک نئی طرز تحریر کے موجد ہیں۔ کل ایڈیٹران اخبار سید صاحب کے نقال معلوم ہوتے ہیں۔ دماغ ایسا جامع پایا ہے کہ کوئی علم ایسا جہان میں نہیں ہے کہ جس سے مناسبت نہ ہو۔ باوجود قانون داں نہ ہونے کے گورنر جنرل کے بڑے بڑے لائق ممبران کونسل کو قانونی اعتراضات دکھا کر دنگ کر دیا۔ گورنر جنرل صاحب بھی قائل ہو گئے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسا عالی دماغ شخص موجود ہے۔ جو وزارت انگلستان کے عہدے کو بھی انجام دے سکتا ہے۔ ہمت ایسی بلند ہے کہ سارے ہندوستان کے مسلمان بگڑ گئے لیکن کسی کی پرواہ نہ کی۔ ایک کالج قائم ہی کر کے چھوڑا۔ وہ کالج بنایا جو شاہان وقت سے ہونا مشکل ہے۔ عجب دماغ ہے۔ کالج کی عمارت کے انجینئر بھی آپ ہیں۔ حضرت کو باغبانی میں بھی بڑا دخل ہے۔ دل ایسا نرم ہے کہ ہزاروں لاکھوں کو رولاتے رولاتے بیہوش کر دیں۔ گو انگریزی

نہیں جانتے ۔ لیکن محرروں سے ترجمہ کروا کر یورپ کے کل خیالات سے واقف ہیں ۔ سید صاحب کے سیکرٹری ہمیشہ لائق ادر بی ۔ اے پاس کئے ہوئے اشخاص رہے ہیں ۔ گو سید صاحب انگریزی میں تحریر نہیں کر سکتے لیکن انگریزی میں ترجمہ کروا کے خطبات احمدیہ میں ایک ایسی کتاب چھاپی ہے کہ سارے یورپ میں اس کا شہرہ ہے ۔ پادریوں کا ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ انہیں سر اٹھانا مشکل ہے ۔ جان نثار قوم ایسے ہیں کہ کاسۂ گدائی لئے ہوئے باوجود بڑھاپے کے سارے ہندوستان میں قوم کے لئے بھیک مانگتے پھرنے ۔ پھر ایسا جان نثار قوم ایسے دل و دماغ کا آدمی اگر مجدد الوقت نہ کہا جائے تو کون مجدد ہونے کے لائق ہے ۔ میرا جواب یہی ہے کہ نامناسب ٹھیک لیکن افسوس ہماری بدقسمتی پر سید صاحب میں ایک ایسی چیز نہیں ہے جس سے ساری خوبیاں مٹی جاتی ہیں ، تقوی اور سچا خوف خدا ۔ سید صاحب کی عقلی آنکھیں تیز ہیں ۔ لیکن ایمان و عرفان کی آنکھیں یکبارگی اندھی ہیں ۔ اگر ان کے دل میں رتی بھر بھی زندہ ایمان ہوتا تو وہ کبھی منکر خدا کو اپنے تہذیب الاخلاق میں مسلمان نہ کہتے ۔ اگر منکر خدا و رسول بھی مسلمان ہے تو اہل اسلام کے لئے آٹھ آٹھ آنسو رونے کی کیا ضرورت ہے ۔ سارا یورپ تو ایسے مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے ۔ افسوس صد افسوس ہماری بدقسمتی پر کہ سید صاحب کا سا عمدہ قابلیت کا آدمی دہریہ فلسفے کے گرجا میں بپتسمہ لے رہا ۔ سچ کہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جو اخیر رات کو یاد الٰہی میں روتی ہیں ۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ سید صاحب اس سجدے سے بے خبر ہو گئے ہیں جس میں عجیب پیاری فروتنی و انکساری ہوتی ہے کہ بندہ اپنے مالک سے گویا ملی ہو جاتا ہے ۔ اگر سید صاحب میں وہ ایمانی خلوص ۔ خدا و رسول صلعم کی محبت ہوتی تو عجیب نور ان کے چہرے پر نمایاں ہوتا ۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر بھٹکے ہوئے راہ پر آتے ۔ گنہگار تائب ہو جاتے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سید صاحب کا جس قدر عاشق و شیدا ہوتا ہے اتنا ہی وہ نماز روزے سے متنفر اور تلاوت قرآن مجید سے کارہ ہوتا ہے ۔ سید صاحب کے معتقدوں کی فاسقانہ زندگی کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ سید صاحب کا ملہم کون ہے ۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ نہیں ایک مسلمان شرابی سے سید صاحب شراب نہیں چھڑا سکتے ۔ سید صاحب کی تقریروں اور تحریروں اور صحبت کا اثر یہ تو البتہ ہوا ہے کہ سینکڑوں نوجوان شرابی ۔ بدچلن ۔ بے نماز ہو گئے ۔ انگریزوں کے نقال ہو گئے ہیں ۔ انگریزوں میں جتنی خرابیاں ہیں وہ سب نہایت آسانی سے حاصل کر لیں ۔ کیا قومی ترقی اسی کا نام ہے ؟ اگر یہ ترقی ہے تو اس ترقی کو میرا سلام ہزار سلام ۔

کیا یہ ممکن ہے کہ جس شخص کو اس صدی کا مجدد اور نائب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ہے اسی میں سچے اور زندہ ایمان کی کچھ بھی بو نہ ہو ۔ اور ایمان کی روح کا منکر ہو ۔ یعنی کیا وہ کل انبیاء

کل اولیاء، کل صلحائے جہان کے خلاف دعا کی اجابت کا منکر ہو سکتا ہے؟ کیا اس پائے اور رتبے کا شخص جو تمام مسلمانوں کے چار دشمنوں کو شکست دے کر گھر کے تین دشمنوں کو راہ پر لانے والا ہے۔ وہ خود ایسا گمراہ ہو گا کہ وحی نبوت ایک ملکہ ہے یعنی نبی جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے دل سے کہتا ہے خدا کا زندہ کلام اس پر نازل نہیں ہوتا اور اس میں غیب کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کیا ایسا شخص کل انبیاء کے تجربہ کے خلاف ملائکہ کے وجود خارجی کا منکر ہو سکتا ہے۔ غرض میں سید احمد خان صاحب کے بدعقیدوں کو کہاں تک گنتا چلا جاؤں مختصر یہ ہے کہ ایک سچے ایماندار خدا ترس آدمی کا دل کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ ایک دینی مصلح اور مجدد کے عقائد خلاف اصول اسلام ہوں۔[1]

میرا پکا خیال ہے کہ موجودہ صدی کے مجدد کو اعلیٰ سے اعلیٰ روحانیت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کو بہت بڑی دہریت کا مقابلہ کرنا ہے اس کو ایسے لوگوں میں روحانی زندگی کی روح کو پھونکنا ہے جو زر پرستی۔ نفس پرستی کے گہرے کنوئیں میں گرے ہوئے ہیں۔ بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی صاحب ایمان سے کہہ سکتے ہیں کہ سید صاحب کی صحبت میں رہ کر دل میں خوف خدا پیدا ہونے لگتا ہے۔ دنیا فانی معلوم ہونے لگتی ہے۔ موت ہر وقت پیش نظر ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی ایمانداری سے اس بات کا اقرار نہیں کر سکتا۔ ہاں سید صاحب کی صحبت میں بیٹھ کر روپیہ کمانے کا۔ نام پیدا کرنے کا۔ خطاب پانے کا، انگریزوں سے رسوخ حاصل کرنے کا حوصلہ البتہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ راہ نہیں جو خدا کی طرف جاتی ہے۔ غرض مجھ پر یہ بات کھل چکی تھی کہ جناب سر سید احمد خاں بہادر بالقابہ گو بڑے مصنف۔ مقرر۔ مقنن۔ فلاسفر ایک عظیم الشان کالج کے بانی ہوں۔ لیکن وہ ہندوستان کے اہل اسلام کے دینی مصلح اور اس صدی کے مجدد نہیں ہیں۔ پھر میں سوچ میں تھا کہ یا خدا اگر سید صاحب دین اسلام کی ڈوبتی کشتی کے بچانے والے نہیں تو پھر کون اس کام کا کرنے والا ہے۔ دل اس بات کی برابر گواہی دیتا تھا کہ کوئی ہونا تو ضرور ہے۔

جب میں بڑی بڑی شان و عزت کے سجادہ نشینوں اور مولوی صاحبوں کی طرف خیال دوڑاتا تھا تو بالکل مایوسی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ میں نے تجربہ سے دیکھ لیا تھا کہ یہ حضرات زمانے کی

---

[1] واضح ہے کہ میں سید صاحب کا مکفر نہیں ہوں۔ جب تک سید احمد خاں صاحب کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکار پکار کر کہتے جاتے ہیں میری ہمت نہیں پڑتی کہ ان کو کافر بناؤں جب تک سید صاحب کے پاس اس پاک کلمہ کا ٹکٹ ہے میں انکو اسلام کی گاڑی میں سوار ہونے سے روک نہیں سکتا۔ اگر ٹکٹ جعلی ہے تو وہ آخری اسٹیشن پر ضرور پکڑے جائینگے اور جعلی ٹکٹ والوں کو جو گت ہوتی ہے دیکھی گئی ہے۔ ابھی راہ میں ہوں میں تو یہ سنانے والا ہوں کہ خدا سید صاحب کو توبہ نصیب کرے اور بخش دے اور مجھ کو بھی۔ منہ

ہنر دشمنوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر کوئی کشتی لڑنا اچھا جانتا ہو، پنجہ لڑانے میں بے مثل ہو۔ تیر کا نشان بھی اچھا لگاتا ہو۔ تلوار چلانے میں اچھی مشاقی رکھتا ہو لیکن موجودہ زمانے کے طریقۂ جنگ و جدال سے ناواقف ہو تو کیا وہ سپہ سالاری کا کام انجام دے سکتا ہے؟ کیا اگر کوئی گھوڑا سواری میں بڑا مشاق اور استاد ہو تو کیا وہ ریل گاڑی بھی عمدہ چلا سکتا ہے۔ جو حضرات ان اعتراضات ہی سے ناواقف ہیں جو اس زمانے میں چاروں طرف سے اسلام پر مثل بارش کے آ رہے ہیں، وہ اسلامی حمایت کا کام کیا خاک کر سکتے ہیں؟ میں بلا فخر کہہ سکتا ہوں کہ گو سجادہ نشین اور مولوی لوگ مجھ سے علم عربی میں زیادہ لیاقت رکھتے ہوں لیکن جس خوبی سے میں چار بیرونی دشمن سے مقابلہ کر کے اسلام کی صداقت کی چمکار کو دکھا سکتا ہوں ان بچارے اللہ کے بھولے بھالے زمانے کی نیرنگیوں سے ناواقف بزرگوں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ جس آنکھ[1] سے ایک ادنیٰ قواعد دان حوالدار فوج انگریزی اس پہلوان کو جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے دیکھے گا جس طرح ریل گاڑی کا ڈرائیور اس گھوڑ سوار کو دیکھے گا۔ اسی طرح میں ان مقدس بزرگوں کو دیکھتا تھا۔

جب میں لاہور کے انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسے میں شریک ہونے کو گیا تھا۔ تو اسی انجمن کے نفع کے لئے میں نے دو ماہ کے واسطے پنجاب کے چند شہروں کا مثلاً امرتسر۔ ملتان۔ گوجرانوالہ۔ سیالکوٹ وغیرہ کا دورہ کیا۔ مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ سارے ہندوستان میں مذہبی لحاظ سے اگر کوئی زرخیز زمین ہے۔ تو پنجاب ہے عجب جوشیلا ملک ہے۔ میں نے اپنے لاہور کے دوستوں سے پکار کر کہہ دیا کہ پنجاب کی خبر لو۔ اگر سدھرا اور اسلام پر قائم رہا تو پنجاب سارے ہند کا سرتاج ہوگا۔ ورنہ اگر بگڑا تو سارے ہند میں کسی جگہ کے مسلمان ایسے نہ بگڑے ہوں گے۔ جیسے پنجابی حالت یہ ہے کہ سب کچھ ہونا بھی بہت جلد ہی ہے۔ پنجاب کی فطرت ریل گاڑی کی طرح تیز ہے۔ لوگوں نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب کوئی نوجوان نہایت ذہین اور جوشیلا ہوتا ہے۔ تو سب ہی کہنے لگتے ہیں کہ خدا خیر کرے اگر یہ شخص سنبھل گیا تو ولی ہوگا۔ ورنہ شیطان جو بات ایک شخص کے لئے ہے وہی ایک قوم اور ملک کے لئے بھی ہے اگر اس ملک اور قوم میں اس قسم کے آدمی کثرت سے بھی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے اپنا پورا زور یہیں صرف کیا ہے اور ان کو کس قدر کامیابی بھی ہوئی ہے آریہ سماج کا اکھاڑہ یہیں جما ہوا ہے۔ برہمو سماج والوں کا زور شور یہیں پایا۔ حضرات نیچری صاحبوں کو روز بروز بڑھتے ہوئے یہیں دیکھا۔ جناب سید احمد خان صاحب نے اپنے عقیدت مندوں کو پنجاب میں کثرت سے دیکھ کر پنجاب کا نام زندہ دل پنجاب رکھا غرض جس طرح اگلے زمانے میں

---

[1] کوئی صاحب اس سے نظر نفرت حقارت نہ سمجھیں مسلمان کو نیک گمان ہونا چاہیئے ۱۲ منہ

ہندوستان کے فتح کرنے والے پنجاب ہی سے فتح کی کاروائی شروع کرتے تھے اسی طرح دین
اسلام کے دشمنوں نے بھی اسی پنجاب میں اپنا زور صرف کرنا شروع کیا ہے۔

جب میں امرت سر گیا تو ایک بزرگ کا نام سنا جو مرزا غلام احمدؑ کہلاتے ہیں ضلع گورداسپور
کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں۔ اور عیسائیوں۔ برہمو اور آریہ سماج والوں سے خوب
مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے۔ جس کی بڑا
شہرہ ہے ان کا بہت بڑا دعویٰ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کرکے تعجب نہ
ہوا گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں۔ مگر نبی کے بعد محدث کو ہوتا رہا ہے۔ لیکن میں اس
بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگانِ خدا
ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے ممتاز ہو سکتے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد
صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرت سر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے
ریل پر سوار ہوا بٹالہ پہنچا ایک دن بٹالہ میں رہا۔ پھر بٹالہ سے یکے کی سواری ملتی ہے اس پر
سوار ہو کر قادیان پہنچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے جناب مرزا صاحب
کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے کچھ چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو
صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعوئی الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے۔ اور مرزا
صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل
گئے اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی۔
مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں۔ جس
سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی امرتسر
میں تو مجھے پان ملا لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا۔ ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے
امرت سر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بری عادت کا تذکرہ
کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے دن کے
جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا۔ مرزا صاحب
نے مجھ کو الگزنڈر ویب صاحب کا خط دکھایا میں نے اس انگریزی خط کو پڑھا۔ اس خط
میں ویب صاحب نے اپنی تحقیقات دینی کے جوش کو ظاہر کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ "میں نے ترک حیوانات
کر دیا ہے۔" میں نے مرزا صاحب سے کچھ دینی باتیں پوچھی تھیں۔ قادیان کے رہنے والوں سے بھی ملا۔ حتیٰ کہ
مرزا صاحب کے ایک سخت مخالف سے ملا جو غالباً ان کے چچا تھے یا کون۔ میں نے بوڑھے میاں سے
سوال کیا کہ آپ مرزا صاحب کو کیا سمجھتے ہیں۔ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہم اس کے دعوئی الہام کو

جھوٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور کہیں گے کہ یہ لڑکا (یعنی جناب مرزا صاحب) شروع سے ہی نیک چلن تھا اور کتابوں کے پڑھنے کا اس کو بہت شوق تھا لعدہ عبادت الٰہی کا اس کو بچپن ہی سے ذوق تھا غرض میں مرزا صاحب سے رخصت ہوا۔ چلتے وقت انھوں نے اس کمترین کو براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کی ایک ایک جلد عنایت کی انھیں میں نے پڑھا۔ ان کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ جناب مرزا صاحب بہت بڑے رتبے کے مصنف ہیں خاص کر براہین احمدیہ میں سورہ فاتحہ کی تفسیر دیکھ کر مجھ کو کمال درجہ کی حیرت مرزا صاحب کی ذہانت پر ہوئی الہامات جو میں نے براہین احمدیہ میں دیکھے ان پر مجھ کو یقین نہ ہوا۔ لیکن چونکہ میں مرزا صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا میرے دل میں کسی وقت یہ خیال نہیں آیا کہ معاذ اللہ مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔ بلکہ خیال بد آیا اگر تو یہ آیا کہ خود حضرت مرزا صاحب کو دھوکا ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ (جیسا کہ میں سابق میں بیان کر چکا ہوں) میرے خیال میں اس صدی کے مجدد کا ایک نقشہ تھا۔ اور اس نقشے کے مطابق مرزا صاحب میں کئی باتیں نہیں پاتا تھا اس لئے میرا خیال یہ نہیں ہوا کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔

غرض وعظ لیکچر اشاعت اسلام۔ حمایت اسلام کے کاموں میں برابر سرگرم رہا۔ الحمدللہ اللہ پاک نے مجھ کو میرے وہم و گمان سے بڑھ کر کامیابی عطا فرمائی۔ کئی سو ہنود نے اس کمترین کے ہاتھ پر توبہ کر کے دین اسلام میں داخل ہوئے۔ ان طالب علموں کا تعداد اللہ ہی خوب جانتا ہے (دو ہزار سے غالباً زاید ہی ہوں گے) جو مغربی تعلیم و فلسفہ کے بد اثر سے دہریہ۔ گمراہ سست عقیدہ ہو گئے تھے۔ وہ اس ناچیز کے انگریزی لیکچروں کو سن کر اسلام پر مضبوط ہو گئے۔ ہندوستان مشہور شہروں میں میرا عرصے تک قیام رہا۔ اور وعظ و لیکچر کی دھوم رہی ان شہروں سے چند شہروں کے نام لکھتا ہوں۔ جہاں کچھ زیادہ کارروائی ہوئی۔ کلکتہ ڈھاکہ۔ بریسال۔ پڑا۔ پبنہ سراج گنج۔ میمن سنگھ مدنا پور۔ کٹک۔ بالیسر۔ رام پور بولیہ۔ ناٹور۔ رنگ پور۔ جلپائی گوڑی۔ مالدہ مونگیر۔ پٹنہ۔ آرہ۔ گیا۔ الہ آباد۔ بنارس۔ کانپور۔ علی گڑھ۔ لکھنؤ۔ اٹاوہ۔ مراد آباد۔ رامپور دہلی۔ لاہور۔ امرت سر۔ ملتان۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ جبل پور۔ ہوشنگ آباد۔ بھوپال۔ بمبئی۔ پونا۔ حیدر آباد دکن۔ مدراس۔ بنگلور وغیرہ وغیرہ ان شہروں میں اکثر شہر ایسے بھی ہیں جن میں یتیم خانے جاری کئے گئے اور جہاں مدرسے نہ تھے۔ وہاں مدرسے قائم ہوئے بعض بعض یتیم خانوں کے لئے اس کمترین نے وہاں کے رئیسوں کی امداد سے پانچ پانچ چھ چھ ہزار روپیہ تک چندہ جمع کیا۔ غرض ذیل میں اس کا مختصر نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

نام شہر	مدرسہ یا یتیم خانہ جاری ہوا	کیفیت متعلق اس کے	نام سکرٹری یا خازن انجمن
[illegible]	ایک یتیم خانہ اور اس کے متعلق مدرسہ کھولا گیا	اس یتیم خانہ میں ۷۰ سے زیادہ یتیم بچوں کی پرورش ہوتی ہے اس شہر کے زمینداروں نے انجمن کے لئے زمین وقف کردی ہے۔ ممبران شوق سے کام کرتے ہیں۔ سالانہ جلسہ دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ مکان انجمن کا اپنا ہے۔	جناب محمد رحمت اللہ صاحب
بنگلور	ایک یتیم خانہ اور ایک مدرسہ معہ مدرسہ صنعت بنام احسن المدارس۔	اس یتیم خانہ میں ساٹھ سے اوپر یتیموں کی پرورش ہوتی ہے نقد سات ہزار روپیہ جمع ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی حالت ہے صنعت بھی بچوں کو سکھائی جاتی ہے اور علم دین بھی مدرسہ احسن المدارس بڑا ہی معدوم سے تجاوز کئے بچوں کے لئے جاری ہوا۔	جناب اسحٰق بن اسمٰعیل سیٹھ صاحب تاجر بنگلور کمرشل اسٹریٹ چھاؤنی
مدراس	ایک یتیم خانہ	تقریباً بتیس یتیم بچے پرورش پاتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور مدرسہ حرفت بھی جو سابق سے جاری تھا اس میں نہایت ہی شوق سے ہنر سیکھتے ہیں نقد چھ ہزار خزانہ میں جمع ہے	جناب محمد عبداللہ صاحب میلاپور اور خازن جناب عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب مدراس
لاہور	ایک یتیم خانہ مدرسہ وغیرہ	اس یتیم خانہ کا میں بانی نہیں ہوں سابق سے جاری تھا لیکن اس کمترین کے وعظ سے حیرت انگیز جوش پیدا ہوا اور ایک جلسے میں چار ہزار روپیہ نقد جمع ہوا اور میں نے دورہ کرکے پانسو نقد اور زیورات دے دیئے۔ اگر سال میں لاہور بھی جا سکتا تو بہت کچھ کرتا لیکن خدا کو یہ منظور نہ ہوا پچاس یتیم بچے ہوں گے۔	جناب مولوی شمس الدین صاحب

امرتسر	یتیم خانہ	اس شہر میں ایک یتیم خانہ کھولا گیا لیکن اس کے ممبروں کی سستی اور قابل افسوس حالت سے نہایت افسوسناک حالت ہے لاہور میں یتیم خانہ ہوتے ہوئے اس کا جاری کرنا خلاف مرضی خدا ہے	منشی عبدالعزیز صاحب
بھاگلپور	دو مدرسے جاری ہوئے	اخویم مولانا مولوی عبدالماجد کی امداد سے چمپانگر میں ایک مدرسہ کھولا گیا۔ جس میں قریب پچاس بچوں کے تعلیم پاتے ہیں اور ایک مدرسہ خاص میں نے جاری کیا ہے جس میں چالیس طلباء تحصیل علم کرتے ہیں اور ایک یتیم خانہ بھی ہے	
رنگپور	ایک مدرسہ	اس شہر کے مدرسہ کے لئے الوکٹرین نے بیس ہزار مسلمانوں سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ایک مٹھی آٹا صبح اور ایک مٹھی شام دیا کریں نیز مسلمانوں سے تین ماہ کے عرصہ میں سارا رنگپور دورہ کرکے وعدہ لیا گیا	سید ابوالحسن صاحب
[illegible]		ابھی تک یتیم خانہ نہیں کھولا گیا۔ غلہ اور روپیہ جمع ہو رہا ہے۔ ارادہ ہے کہ یتیم بچوں اور طالبعلموں کے لئے بورڈنگ ہاؤس بنایا جائے۔	منشی احمد صاحب
بریسال		یتیم خانہ اور بورڈنگ ہاؤس بننے والا ہے چندہ جو جمع کیا تھا وہ جمع ہے اور جمع ہوتا رہا ہے سیکرٹری صاحب و ممبر لوگ نہایت مستعد ہیں۔ کامیابی کی اچھی امید ہے۔	مولوی حمایت الدین بی۔ اے۔ بی۔ ایل
[illegible]	مدرسہ	یہاں بھی متفرق وعظوں میں پوری کوشش کی گئی کہ مسلمان اپنے غریب یتیم بچوں کے لئے چندہ کریں۔ حافظ وارث علی صاحب ایک بے مثل مسلمان ہیں جن کے ذریعے سے درس تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ پوری کیفیت سے اطلاع نہیں ہوئی ہے۔	مولوی حافظ وارث علی صاحب ہیڈ ماسٹر اسکول

نام شہر	مدرسہ یا یتیم خانہ جاری ہوا	کیفیت متعلق اس کے	نام سکرٹری یا خازن انجمن
اٹاوہ	مدرسہ	مدرسہ جاری کیا گیا۔ اور اس کی امداد کیلئے منصوب تحریک کی گئی۔	بشیر الدین احمد۔
پونہ	مدرسہ	مدرسہ جاری ہے۔ یتیم خانہ جاری نہیں ہوا۔ ۲۵۰ روپیہ نقد اور زیورات اور پنجے جو (معاذ اللہ) امام حسین سے منسوب تھے۔ جمع ہیں خانصاحب نہایت سخی اور باایمان ہیں۔	ہارون جعفر سیٹھ مشہور پونا کے تاجر چھاؤنی پونہ

غرض اس سات برس کے عرصہ میں سارے ہند میں میرا شہرہ ہو گیا۔ ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر کے لئے یہ کیا کم بات تھی کہ کبھی مہاراج میسور کا مہمان ہوتا۔ اور ان سے ہاتھ ملا کر باتیں کرتا کبھی جناب نواب وقار الامرا بہادر وزیر اعظم حال سرکار نظام حیدر آباد دکن کا مہمان ہوتا۔ اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتا۔ اور کبھی نواب سر آسمان جاہ کے ساتھ بغل میں بیٹھ کر کھاتا اور ہاتھ ملا کر باتیں کرتا اور کبھی سینٹ ہال مدراس میں انگریزی میں لیکچر دیتا اور جلسے میں صدارت کی کرسی پر لارڈ ڈکنیمار اگورنر مدراس بیٹھتے۔ میں اس موقع پر اپنے پٹنہ کے ان دوستوں سے کہتا ہوں جو مجھ کو نوکری چھوڑنے کے وقت سمجھاتے تھے کہ خیال کریں کہ اللہ کے واسطے کوئی نقصان اٹھاتا ہے۔ تو وہ غیور خدا کبھی اس کو نقصان ہونے نہیں دیتا کیا اسکول کے ایک ہیڈ ماسٹر کے لئے یہ عزتیں بہت نہ تھیں۔ رہی مالی حالت اس کو بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہیڈ ماسٹری کے زمانے سے میری مالی حالت جو گئی عمدہ رہی اور کسی طرح کسی انسان کی کبھی غلامی نہ کرنی پڑی۔ اللہ خدا اپنے خزانے سے ایسا دیتا رہا کہ کیا کہوں اور کس زبان سے اس کا شکر ادا کروں ۔

اے خدا احسان تو اندر شمار ۞ مے نتانم با زبان صد ہزار ! !

ہیڈ ماسٹری کے زمانے میں کبھی دس روپیہ خیرات کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن اللہ کی غلامی کے زمانے میں یکمشت پانسو روپیہ تک خیرات کیا۔ اگر کسی کو میرے اس بیان پر شبہ ہو تو وہ محمود رحمت اللہ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام مونگیر اور اس انجمن کے کل ممبروں سے دریافت کرے۔ مجھ کو اشاعت اسلام کے کام پر انگلستان روانہ کرنے کے لئے انجمن حمایت اسلام حیدر آباد دکن میں پانچ ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا۔ لیکن کوئیلم صاحب جنہوں نے شہر لیورپول میں اسلامی جھنڈا گاڑا ہے۔ نہ معلوم کیوں سخت مزاحمت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انجمن نے میرے انگلستان کے سفر کو ایک غیر معین زمانے تک ملتوی کر دیا حیدر آباد دکن کی انجمن حمایت اسلام کے ممبر جو سلطنت حیدر آباد کے چلانے والے تھے۔ اگر مجھ میں قابلیت نہ پاتے تو انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں کامیابی کے ساتھ اشاعت اسلام کرنے کے لئے مجھ ناچیز کو تجویز نہ کرتے۔

بلکہ حقیقت میں میں بڑا ہی قابل شخص ہوں۔ استغفر اللہ ربی۔ لاحول ولا قوۃ

الا باللہ۔ حضرت میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ انگریزی مجھ کو آتی ہے نہ عربی نہ فارسی نہ اردو مجھ کو حیرت پر حیرت ہے کہ میں آٹھ برس تک کیا کرتا رہا۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ وہ ایک احمق محض سے بھی جو چاہے وہ کام لے لے۔ ایک ادنیٰ و ذلیل کو چاہے تو اعلیٰ رتبہ کو پہنچا دے۔ اے میرے دوستو خدا کے لئے مجھ کو جھوٹا مت سمجھو میں جھوٹی انکساری کرنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مجھ میں کچھ قابلیت نہیں ہے۔ صرف متکبروں کا کبر توڑنے کے لئے مالک نے مجھ سے عجیب عجیب کام لئے ہیں اور آئندہ بہت کچھ امید ہے۔ جب میں اپنی واعظانہ زندگی پر غور کرتا ہوں اور جس جس طور سے اللہ نے میری امداد فرمائی اس پر سوچتا ہوں تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ زندہ جیتا جاگتا خدا ان ظاہری آنکھوں سے تو دکھائی نہیں دیتا لیکن افسوس ان پر جو اس کو کھلم کھلا نشان کے بعد بھی نہیں پہچانتے۔ مجھ سے میری عربی، فارسی کی لیاقت کا پورا پورا اندازہ لے لو پھر میرا وعظ سنو۔ مجھ سے میری انگریزی کی لیاقت کا سچا اندازہ لے لو پھر مجھ سے انگریزی لیکچر سنو۔ اگر اس کرامت کو دیکھ کر بھی خدا کے قائل نہ ہوں تو پتھر پڑے تمہاری سمجھ پر۔

حیدرآباد دکن میں مجھ کو ضیق النفس کا عارضہ ہو گیا۔ دو منٹ تک بے کھانسی کئے کلام نہیں کر سکتا تھا جس دن لیکچر باغ میں وعظ تھا۔ کھانسی کی شدت کے بارے میں مجھ کو رات بھر نیند نہ آئی۔ صبح کو دو لیکچر اردو اور انگریزی میں دو گھنٹوں تک آواز بلند بیان کئے اور کسی کو معلوم تک نہ ہوا کہ میں بیمار تھا۔ اور بیماری دو گھنٹہ کیونکر موقوف رہی۔ اجابت دعا ہے۔ سید احمد خان صاحب نہ مانیں میں تو دیکھتا ہوں اور مانتا ہوں۔ گورنر صاحب مدراس کے سامنے جو لیکچر دیا تھا اس کی عبارت کو پڑھ کر کئی درست ہوئے کہ تیری انگریزی لیاقت اس قدر عالی کیونکر ہو گئی تو میں کیا جواب دوں۔ کسی غیر شخص سے واللہ میں نے مدراس کے سارے لیکچر کو خود لکھا، خود پڑھا۔ لیکن نشان خدا تھی اور میں نہ تھا۔ وہ میرا لیکچر نہیں ہے۔ یہ معما ہے۔ لیکن جس پر دعا کے باب کو اللہ کھول دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سچ ہے اور سراسر سچ ہے۔

ابھی تک میں نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی۔ کیونکہ قاضی سید رضا حسین صاحب مرحوم و مغفور سے میں اکثر سوال کرتا رہا کہ حضرت بتائیے تو سہی میں کس شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں تو قاضی صاحب مرحوم فرماتے رہے کہ جو وسیع نگاہ تیری تیز ہو گئی ہے۔ اور اخلاق جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اعلیٰ نقشہ تیرے دماغ میں پیدا ہو گیا ہے۔ مجھ کو ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہندوستان میں کوئی شیخ ایسا پایا جائے جو تیری نگاہ میں پورا پورا نائب رسول اللہ نظر آئے اگر کسی شیخ میں علم و صبر کا بڑا کمال دیکھا بھی تو کیا اس سے تیرے دل میں اس کی کوئی عظمت و وقعت ہو کہ جس حال میں تو اس میں غیرت اسلامی، حمیت اسلامی کے جوش کو بیگانگی مردہ دیکھے گا۔

اگر کسی میں علمی کمال دیکھا اور اخلاق محمدی کا کوئی اثر نہ پایا تو ہرگز تو اس کو اپنا شیخ بنانے کے قابل نہ سمجھے گا۔ غرض جناب قاضی صاحب مرحوم کے خیال میں میرے لئے کسی شیخ کا ملنا محال تھا میں ان کی دلیلوں کو جس کا تھوڑا اخلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے کہ میں تھا بہت زور آور لیکن دل کو بہت بے چینی تھی کہ خداوند اکیا کروں، کیونکہ مجھ کو ایک شیخ کامل ملجاتا جس کی توجہ باطنی سے میں منازل سلوک نہایت آسانی سے طے کرتا۔ جب میں تذکرۃ الاولیاء وغیرہ ایسی کتابوں کو پڑھتا تو نہایت صدمہ ہوتا دل میں کہتا کہ مسلمانان سابق کیسے خوش نصیب تھے کہ ان کو شیخ کامل ملتے رہے۔ میں نہایت ہی بدقسمت ہوں کہ جدھر نظر اٹھاتا ہوں میدان صاف ہے ہاں جابجا لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ ایسے بزرگ کامل رہتے تھے۔ لیکن زمانہ ماضی سے کیا کام کیا اگر کسی پیاسے سے یہ کہا جائے کہ فلاں جگہ ایک نہایت ہی بہترین کنواں تھا۔ لیکن اب خشک ہو گیا ہے۔ تو کیا اس سے اس کی پیاس بجھ سکتی ہے۔ میں نمازوں میں ایک عرصہ دراز تک دعائیں کرتا رہا کہ خدایا مجھ کو کسی کامل ولی سے ملادے۔ جابجا اسی تلاش میں گیا بھی۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک تکلیف مجھ کو اور بھی تھی۔ میرے وعظ کے دورے میں سارے ہندوستان میں عموماً اور ملک بنگالہ میں خصوصاً وعظوں کو سن کر بہت سے مسلمانوں کا دل دنیا پرستی و نفس پرستی سے پھر جاتا۔ تو ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی تعداد جنھوں نے اس خاکسار کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی، دو ہزار سے بالا ہوگی دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اگر یہ بیعت کنندگان مجھ سے سوال کریں کہ تیرا روحانی استاد کون ہے تو سوائے خدا کے میں کس کو بتاتا؟ عالم ظاہر میں میں نے کسی سلسلہ میں بیعت نہ کی تھی۔ میں نے اپنے مکرم دوست جناب قاضی رضا حسین صاحب سے اس تکلیف دلی کو بیان کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک بزرگ کا نام بتاتا ہوں۔ تم ان سے بیعت کرلو، میں سفارش کر دوں گا۔ وہ تم کو فوراً سند خلافت بھی دے دیں گے۔ غرض انہوں نے جناب حضرت سید شاہ عزیز الدین حسین صاحب قمری ابو العلائی کا نام بتایا۔ میں نے کہا بے شک سجادہ نشینوں میں ان کی ذات غنیمت ہے۔ عالی خاندان ہیں سلسلہ درست ہے، آدمی باخدا ہیں۔ جب میں کٹک گیا تو جناب قاضی صاحب بیمار پڑے ہوئے تھے۔ حالت بیماری میں انہوں نے حضرت سید شاہ عزیز الدین صاحب کو بلا کر ساری کیفیت کہی، وہ راضی ہو گئے۔ قاضی صاحب نے مجھ کو خط لکھ کر کٹک روانہ کیا کہ پٹنہ اگر بیعت کرلیں اور سند خلافت بھی لے لینا۔ الحمد للہ تم ہمارے ہی سلسلہ میں بیعت کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ میں سفر سے بھاگلپور آیا۔ اور ایک دن پٹنہ جا کر حضرت ممدوح سے بیعت کرلی۔ اور حسب الارشاد اپنے مرحوم دوست کے شاہ صاحب

مجھ کو سندِ خلافت بھی عنایت فرمائی۔ میں نے جناب حضرت سید شاہ عزیز الدین صاحب سے عرض کیا کہ میں سیاح ہوں اگر سیاحت میں کسی کامل شیخ سے مجھ کو ملاقات ہو جائے تو مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس سے بھی فیض حاصل کروں۔ شاہ صاحب نے نہایت کشادہ پیشانی سے اجازت دی اور چند نہایت خوبصورت کلمات فرمائے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت کے جتنے جانشین ہیں وہ سب ایک ہیں ان کو غیر سمجھنا ہی غلط ہے۔ فی الحقیقت جو دنیا دار مشائخ ہیں اور جنھوں نے پیری مریدی کو پیشہ مقرر کر لیا ہے۔ ان کو یہ بڑا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرید کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرے۔ اگلے زمانے میں تو برابر ایسا ہوتا تھا کہ اپنے مریدوں کو کاملین کی خدمت میں تحصیل ریاضت باطنی کے واسطے روانہ کرتے تھے۔ شریعت و طریقت کو دو سمجھنے والے سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ شریعت راسخہ کا نام طریقت ہے پس علم شریعت اگر کوئی کسی استاد سے حاصل کرتا ہو تو کیا وہ اگر کسی لائق تر استاد کو پاوے تو اس سے اکتساب علم نہ کرے؟ اچھی بھلی بات اور حکمت تو مومن کی گمشدہ دولت ہے جہاں اور جس کے پاس ملے اس کو ضرور حاصل کرے۔ بقول سعدی ؎

تمتع ز ہر گوشہ یافتم ؛ ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

جب میں مدراس گیا ہوا تھا تو میرے مکرم دوست جناب عبدالرحمٰن ابن حاجی اللہ رکھی سیٹھ صاحب جن کو اردو کی جدید کتابوں کے پڑھنے اور اخباروں کے دیکھنے کا شوق ہے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم نے سنا ہے کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے ایک عجیب دعویٰ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیح کے آخر زمانے میں مسلمانوں کی تائید کے لئے آنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ مسیح ابن مریم میں ہوں" اس دعویٰ کے سبب علمائے ہند کے درمیان بڑی شورش مچ گئی ہے اور مرزا صاحب کی تکفیر کی جا رہی ہے۔ اس خبر کو سن کر میں نے اپنے مہربان دوست سے کہا کہ میں مرزا صاحب سے مل آیا ہوں وہ مکار، فریبی آدمی نہیں ان کو خود دھوکا ہو گیا ہوگا۔ پھر میں نے کہا عشق الٰہی کی راہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ بعض اولیاء انا الحق کا نعرہ مارنے لگتے ہیں۔ علماء ناحق ان کی تکفیر کرتے ہیں۔

۱۸۹۲ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اس عالم و مفسر قرآن سے ملا جو اپنی نظیر اس وقت سارے ہند کیا بلکہ دور دور تک نہیں رکھتا۔ یعنی مولوی حکیم نور الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۶ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے

انجمن کے جلسے میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے ان کے معنے و مطالب کو بیان کرنا شروع کیا۔ کیا کہوں اس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا۔ حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان میں اس زمانے میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔

جب رات کو میں اپنے قیام گاہ پر آیا وہاں ایک نامی بیکچرار صاحب بھی قیام پذیر تھے۔ ان کی ملاقات کو بہت سے حضرات جمع تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ موافقین اس جلسے میں بہت کم تھے زیادہ مخالفین ہی تھے۔ مخالفین نے بہت سے الزامات حضرت مرزا صاحب کے بارے میں پیش کئے مگر میں چپ چاپ سنتا رہا۔

جب رات کو نماز کے لئے اٹھا میں نے دعا کی کہ خداوندا مجھ کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا ہے۔ اس میں آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں۔ اور مجھ سے سوال کیا ہے کہ تم جناب مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ میں نے کہا "ہاں"۔ تو انھوں نے کہا "ایک تو ے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی"۔ اتنا سنا تھا کہ میری نیند کھل گئی۔ صبح کو میں نے احباب سے تذکرہ کیا اور خواب کا حال سنایا مجھ کو اس خواب کی تعبیریں بتائی گئیں۔ کسی نے کہا تمہاری روح کی بناوٹ اور جناب مرزا صاحب کی روح کی بناوٹ ایک ہی طرح کی ہے صرف درجے کا فرق ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب اور مخالفین مرزا صاحب دونوں مسلمان ہیں لوگ ناحق تکفیر کر رہے ہیں۔ روٹی سے مراد مسلمان ہوتا ہے۔ چھوٹا اور موٹا ہونا صرف فرقِ مراتب کا بتانا منظور ہے۔ ایک تعبیر یہ بتائی گئی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور مثیل عیسےٰ دونوں ایک ہی ڈھنگ کے ہیں۔ گویا ایک توے کی روٹی ہیں۔ یعنے مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ سے ملاقات کرتا۔ لیکن مولوی صاحب ازراہِ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آئے۔ میں نے ان سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا۔ حکیم صاحب مجھ سے فرماتے رہے کہ قادیان چلو لیکن میں نہ گیا۔

اے ناظرین! ولایت کی شناخت لوگوں کے ذہن میں علیحدہ علیحدہ ہے۔ بعض آدمی سمجھتے ہیں کہ جو ولی اللہ اور فقیر کامل ہوتا ہے وہ لوگوں کے دلوں کی باتوں کو سمجھنے لگتا ہے

یعنی لوگوں کی مافی الضمیر اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کمال میری نگاہ میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا۔ میرے مدراس، حیدرآباد اور کلکتہ کے سینکڑوں دوست گواہی دینے کو موجود ہیں کہ ایک انگریز تماشہ کرنے والا آیا تھا۔ وہ سب کے دل کی باتوں کو دعویٰ کر کے سمجھ جاتا تھا۔ لوگوں نے ہر طور سے اس کو آزما کر دیکھا اور اپنے فن میں پکا پایا۔ جب خود سے اس انگریز نے مافی الضمیر دریافت کرنے کی ترکیب نکالی تھی اس کو اس نے اخبار میں چھاپا تھا۔ وہ اس خاکسار کو معلوم ہے۔ لیکن اس کو یہاں بیان کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ پس جس حالت میں ایک بے ایمان کافر دل کی بات کو آسانی سے معلوم کر سکتا ہے تو اس کو معیار الاولیا قرار دینا سخت غلطی ہے۔ ولی میں تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جو کافر میں ممکن نہ ہو۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ولی اس کو کہتے ہیں جو توجہ میں ایسا زور آور ہو کہ جس کی طرف دیکھے اس کو مرغ بسمل کر دے بیہوش کر دے۔ اور بے ہوشی کی حالت میں بڑے بڑے بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کرا دے۔ میری نظر میں اس کرشمہ کی بھی خاک وقعت نہیں۔ انگلستان میں کارڈ نیل نامی ایک مسمریزم میں کمال رکھنے والا انگریز ہے اس کے حالات کو کمترین نے اخبار میں پڑھا ہے اس کو اپنے فن میں ایسی مشاقی تھی کہ ٹاؤن ہال میں تماشہ دیکھنے والوں سے جس کو چاہتا اس کو عجیب و غریب تماشہ دکھا دیتا۔ مقناطیسی عمل کر کے اس شخص کو کہتا کیسی شدت کی گرمی ہے وہ بیچارا معمول اس مقناطیسی اثر کی وجہ سے اُف اُف کرنے لگتا اور کپڑے اتارنا شروع کرتا۔ پھر وہ انگریز کہتا کہ آہا کس بلا کی سردی ہے وہ بیچارا معمول مارے سردی کے کانپنے لگتا۔ وہ انگریز کہتا کہ سمندر موج مارتا ہوا چلا آتا ہے معمول کی آنکھوں میں ویسا ہی معلوم ہونے لگتا۔ غرض اس شخص نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ نظر کی تاثیر کامل طور پر پہنچا کہ معمول پر جس قسم کے تصور کو منعکس کرنا چاہتا کرتا۔ غرض جب یہ بھی ایک عمل ہے۔ تو ممکن ہے کہ فریبی بے ایمان اس عمل میں کمال حاصل کر کے کسی کو مقناطیسی اثر سے معمول کر کے ایک خیالی صورت کا خدا اور رسول دکھا دے تو کیا۔ اس سے اس بے ایمان۔ فریبی مکار کی ولایت ثابت ہوگی۔ ولی میں تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جو کافر میں ہونا ناممکن ہے۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔ دیکھیے فلاں شخص اتنے دنوں سے بیمار تھا فلاں بزرگ کے پاس گیا انہوں نے صرف دست مبارک پھیرا اور کچھ پڑھ کر پھونک دیا وہ بیچارا برسوں کا بیمار اچھا ہو گیا۔ غرض بعض کے خیال میں اولیاء اللہ اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن اس خاکسار کی نگاہ میں یہ بھی ولایت کی اصل کسوٹی نہیں۔ مسمریزم کے ذریعے بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ سر چارلس ہیڈ لفٹننٹ گورنر بنگال کے زمانے میں تو مسمریزم کا ایک ہسپتال و شفا خانہ جاری کیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے اس فن کی کتابوں کو پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کا علاج کرنا ایک عمل ہے جس کو ہر کافر بے ایمان سیکھ سکتا ہے۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے صدر انجمن

کرنل دنکاٹ جو مدراس میں رہتے ہیں سنا ہے کہ اس فن میں مہارت رکھتے ہیں مجھ سے خود کرنل مذکور نے بیان کیا ہے کہ اس نے صرف ہاتھ کے اشارے سے مفلوج وغیرہ سخت بیمار کو اچھا کیا ہے بلکہ ایک شخص کے منعقت بصارت کو بھی دور کیا ہے۔ مسلمانوں میں اس فن میں کمال رکھنے والے ایک بزرگ احمد جان صوفی صاحب گزرے ہیں جن کی کتاب طب روحانی[1] کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس فن میں کیسے کیسے عارضے صرف توجہ کے ذریعے اچھے ہو جاتے ہیں۔ خاکسار نے بھی تجربہ کے طور پر کچھ آزمایا ہے اور صحیح پایا ہے۔ غرض یہ کمال بھی کوئی ایسا کمال نہیں جو خصوصیت کے ساتھ ولایت کے لئے معیار مقرر کیا جائے۔

ولایت کی شناخت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں بیان فرمائی ہے۔ سورہ کہف میں جہاں اس کا بیان ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایک ولی کامل کی خدمت میں روانہ کیا تو اس مرد کامل کی تعریف بھی بیان فرما دی۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ بزرگ نبی مرسل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فوجدا عبدا من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ملے جن کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی تھی۔ اور اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کے لئے پہلی چیز جو درکار ہے وہ یہ ہے کہ آدمی خدا کا بندہ ہو جائے۔ بندۂ خلق، بندۂ نفس، بندۂ شیطان نہ رہے خاص خدا ہی کا ہو جائے۔ پھر صفات بشری سے ایسا پاک و صاف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ رحمت و فضل روحانی یا انکشاف معارف وغیرہ حاصل کر سکے۔ اور اس کے علوم کا سرچشمہ خود جناب باری تعالیٰ ہو جاوے اور وہ کہہ سکے کہ وقت ربی بربی ؎

بے صحیحین و حدیث و رواۃ
بلکہ اندر مشرب آب حیات

ایک بار حضرت خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے سوال کیا کہ جب آپ وعظ بیان فرماتے ہیں اس وقت آپ کی زبان سے ایسے معارف نکلتے جاتے ہیں کہ جو کسی کتاب کے ورقوں میں دیکھے نہیں جاتے ہیں۔ تو پھر آپ کہاں سے ان کو لاتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں ان کو وہاں سے لاتا ہوں جہاں سے علوم اس جہان میں آئے ہیں حقیقت میں وہ شخص جو صرف دوسروں کے اقوال کا ناقل ہے وہ ایک قسم کی نعمت ہے اور بس۔ مبارک ہیں وہ بندے جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے اور جن کا قلب نور بصیرت سے منور ہو گیا ہے۔ ولایت دو قسم پر ہے ایک کیفیت لازمی کے ساتھ ہے

[1] یہ کتاب منشی غلام قادر فصیح ایڈیٹر پنجاب گزٹ سیالکوٹ کے ذریعے ایک روپیہ کو مل سکتی ہے۔

اور دوسری کیفیت متعدی کے ساتھ بہتیرے خدا کے بندے ایسے ہیں جن کو اللہ نے کمالات باطنی سے وافر حصہ عنایت کیا ہے اللہ پاک کے حضور میں ان کو بہت کچھ راز و نیاز حاصل ہے لیکن وہ خاموش ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اپنے رنگ میں اوروں کو بھی رنگ سکتے ہیں اور یہ شان مجھ کو بہت پسند ہے۔

اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعریف بیان فرمائی ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ حضرت کی یہ تعریف بیان ہوئی ہے کہ حضور پُر نور قرآن مجید کی آیت سناتے۔ دلوں کو گناہوں سے پاک و صاف کرتے اور کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔ اب اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ اللہ اس کو اخلاق احمدی سے کچھ حصہ عنایت فرما دے۔ اس کے کلام میں اثر ہو۔ اس کی دعا اور اس کی باطنی توجہ کا یہ اثر ہو کہ اس کے معتقدین کے دلوں سے گناہ دور ہوں۔ اور گناہوں سے پاک ہونے کی وجہ سے دل اس قابل ہو جائے کہ علم و حکمت کی باتیں اس پر کھولی جاویں۔ میں معجزہ کا منکر نہیں ہیں کرامات اولیا کو حق مانتا ہوں لیکن میں سب سے بڑھ کر کرامت یہی جانتا ہوں کہ بگڑے ہوئے دل کو سنوار دے تو بس میاں ہم تو اس کے قائل ہیں ؎

ابن مریم ہوا کرے کوئی ؏ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

جناب مولوی حکیم نور الدین صاحب اگر جناب مرزا غلام احمد صاحب کی کرامات اور پیشگوئیوں کا ذکر کرتے تو مجھ نالائق پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ لیکن بات انہوں نے کہی ایسی کہ کھٹ سے دل میں لگی۔

اے ناظرین میں اس وقت اپنے ایک درد پنہانی کا بیان کیا چاہتا ہوں۔ اگر آپ میں سے کسی کا دل بنی آدم کی غمخواری کے لئے بنایا گیا ہے تو میری مغموم حالت کو سن کر مجھ پر رحم کیجئے گا۔

اے حضرات یہ سچ ہے کہ اس کمترین پر اللہ نے اپنی بڑی وسیع رحمت ظاہر کی ہے۔ میں نیست تھا مجھ کو ہستی کا لباس پہنایا ہے۔ میں گمراہ تھا مجھ کو راہ دکھائی ہے۔ میں یتیم تھا میری تعلیم و پرورش کا عجیب و غریب بندوبست کیا ہے۔ میں نہایت غریب تھا۔ مجھ کو خوش حالی اور تونگری عنایت کی ہے میں کم علم تھا۔ مجھ کو اپنے پاس سے علم دیا ہے۔ میں گنہگار تھا لیکن مجھ سے واعظ اسلام کا کام لیا۔ اور میرے کلام میں تاثیر بخشی ہے۔ باوجود نہایت ہی کم لیاقت ہونے کے صاحب تصنیف بنایا ہے۔

غرض یہ ممکن نہیں کہ علاوہ ان تمام عنایتوں کے جو سب مسلمانوں میں اور مجھ میں مشترک ہیں میں ان خاص عنایتوں کو شمار کر سکوں جو اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ نالائق پر ظاہر فرمائی ہیں۔ لیکن جب میں ان عنایتوں کے مقابلے میں ان گناہوں کو خیال کرتا ہوں جو میں نے ایسے رحمٰن و رحیم خدا کے خلاف مرضی کئے ہیں تو کیسی سخت نفرت مجھ کو اپنے وجود سے آپ ہوتی ہے۔ اے حضرات

میں معصوم و بے گناہ نہیں بلکہ حیرت تو یہی ہے کہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ نے کام تو مجھ سے دیوں کا لیا ہے
لیکن میں ایسا ہوں کہ شیطان کو بھی مجھ سے شرمندہ ہونا چاہیئے میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اگر کسی جلسے میں جہاں
ہزار پانسو مسلمان جمع ہوں - میں بجائے وعظ کہنے کے اپنے گناہوں کو کھول کھول کر بیان کر دوں تو
مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامعین میں سے ایک شخص بھی شدت نفرت سے وہاں بیٹھا نہ رہے گا تعجب ہے
کہ اس ستار و غفار نے کل چھپے ہوئے گناہوں کے جاننے کے باوجود ابھی تک مجھ کو زندہ رکھا ہے میں
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات جب میں اپنے گناہوں کو خیال کرتا ہوں تو خوف ہوتا ہے کہ شاید میں
قطعی جہنمی ہوں - میری ظاہری قدوسیت ایک قسم کی مکاری و ریاکاری ہے - افسوس! مجھ سے ابھی تک
کوئی نیکی بھی نہ ہو سکی - جب میں نے کوئی کار خیر کیا ہے تو اس کے ساتھ ہی شیطان ملعون کی صلاح اور مشورہ
سے ایک گناہ بھی ایسا کر لیا ہے کہ اس نے ضرور اس نیکی کو غارت کر دیا ہوگا - اگر خدانخواستہ آج میں مر جاؤں
تو بجز رحمت الٰہی کے جہنم سے بچانے والی ایک نیکی بھی میرے پاس نہیں ہے - اے حضرات جب میں اپنی باطنی
پلیدی کو خیال کرتا ہوں تو بعض اوقات ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ اگر خودکشی گناہ نہ ہوتا تو مر جانا مجھ کو اچھا
معلوم ہوتا - مجھ کو سینکڑوں نے ولی کامل سمجھا اور اللہ نے ان کو اپنے خیال کے مطابق فائدہ بھی
پہنچا دیا - لیکن افسوس کہ وہ بڑے دھوکے میں رہے - میں ولی کامل تو نہیں شیطان کامل تو البتہ تھا حضرت
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سچ فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں واعظین بدترین خلائق سے ہوں گے
وہ قرآن تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا - میں حقیقت میں بدترین خلائق تھا
وعظ و پند صرف میری زبان پر تھی میرا عمل ٹھیک اس کے برخلاف تھا - جب میں وعظ بیان کرتا تھا
تو اکثر مجھ کو معلوم ہوتا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ او کمبخت ان باتوں کے کہنے میں تجھے شرم نہیں آتی - کیا تو اس
قابل ہے کہ لوگوں کو ہدایت کرے - واللہ ان ہی تکلیفوں کی وجہ سے کئی بار میرا خیال ہوا کہ میں واعظ
کا کام چھوڑ دوں - اور کسی دوسرے دھندے میں لگ جاؤں - خدا کا اتنا ہی شکر ہے کہ گو میں گناہوں
کی سخت تاریکی میں ڈوب گیا تھا - لیکن نیک، مخلص بے ریا، خدا کا سچا بندہ بننے کی خواہش دل میں
مردہ نہیں ہوئی تھی - دل میں اکثر یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوندا کوئی ایسا ولی کامل مجھ کو مل جاتا جس کی
باطنی توجہ سے مجھ مردے میں جان آجاتی - میں پورا مسلمان ہو جاتا - اللہ پاک نے میری اس دعا کو بھی
محض اپنے فضل و کرم سے قبول کیا ہے اور مجھ کو اس بزرگ کے پاس پہنچایا ہے - جو واللہ مردے کو
زندہ کرتے اور فی الواقع مسیحی کے وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جلایا ہوا مردہ تو مر
جایا کرتا تھا - لیکن جس شیخ کامل سے مجھ کو ملاقات ہوئی ہے ان کا جلایا ہوا کبھی نہیں مرتا ہے - بمبئی
انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسے میں شریک ہونے کے لئے حسب دعوت انجمن چلا جا رہا
تھا کہ بمبئی میں جناب عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوئی - معلوم ہوا کہ جلسہ انجمن

ایک ماہ کے لیے ملتوی رکھا گیا ہے۔ جناب سیٹھ صاحب نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کروں اور ان کے ساتھ قادیان شریف بھی جاؤں۔ جناب عبدالرحمن سیٹھ صاحب کا ارادہ تھا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے بیعت کریں۔ پہلے تو میں نے چند حوالہ دے کے اس سفر کی تکلیف سے بچنا چاہا لیکن سیٹھ صاحب نے مجھ کو خوب مضبوط پکڑا۔ سیٹھ صاحب کو مجھ سے حسن ظن تھا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ چل کر دیکھو کہ مرزا صاحب صادق ہیں یا کاذب ہیں۔ میں نے کہا الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل مجھ پر کیا ہے کہ میں چہرہ دیکھ کر آدمی کی باطنی کیفیت سے آگاہ ہو جاتا ہوں۔ انسان سے سب کچھ ممکن ہے۔ نیک بد ہو جاتا ہے، بد نیک ہو جاتا ہے۔ اگر مرزا صاحب وہ نہیں رہے ہیں جو میں نے سنہ ۱۸۸۶ء میں دیکھا تھا اور اگر ان میں دنیا داری مکاری آگئی ہے تو میں چہرہ دیکھ کر کہہ دوں گا۔ سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ اسی لیے تو میں تجھ کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ غرض میں عبدالرحمن سیٹھ صاحب کے ساتھ قادیان شریف روانہ ہوا۔ راہ میں بمقام حلی گڑھ کالج کی عمارات دیکھتا اور امرتسر ہوتا ہوا قادیان شریف پہنچا۔ ہاں امرتسر میں میں نے ایک خواب دیکھی کہ ایک پلنگ خاص جناب مرزا صاحب کا ہے۔ حضرت مرزا صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ اس پلنگ پر جا کر بیٹھ رہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ گستاخی کیونکر کروں کہ حضور کے بستر پر بیٹھوں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ نہیں جی کوئی مضائقہ نہیں تکلیف کیوں کرتے ہو۔ غرض تاریخ ۲۲ جنوری سنہ ۱۸۹۲ء کو قادیان پہنچا۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے حسب دستور رسم سے ملاقات فرمائی۔ میرے اور سیٹھ صاحب کے قیام گاہ کا بندوبست کیا۔ اور نہایت محبت و اخلاق سے باتیں کیں۔ اس پہلی ملاقات ہی میں نگاہ دو چار ہوتے ہی ہمارے پیارے دوست جناب عبدالرحمن سیٹھ صاحب تو اس امام الوقت کے ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ مجھ سے سیٹھ صاحب نے پوچھا کہو جناب مرزا صاحب کو کیسا پاتے ہو۔ میں کیا جواب دیتا میرے تو ہوش دنگ ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں جب مرزا صاحب کو دیکھا تھا وہ نہ تھے آواز و نقشہ تو وہی تھا لیکن کل بات ہی بدلی ہوئی تھی۔ اللہ اللہ سر سے پا تک ایک نور کے پتلے نظر آتے تھے۔ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور اخیر رات کو اٹھ کر اللہ کی جناب میں رو دیا دھو یا کرتے ہیں۔ ان کے چہروں کو بھی اللہ اپنے نور سے رنگ دیتا ہے اور جن کو کچھ بھی بصیرت ہے وہ اس نور کو پہچان لیتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو تو اللہ نے سر سے پاؤں تک محبوبیت کا لباس اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ تیرہ دن قادیان شریف میں رہا۔ دونوں وقت اس امام ربانی محبوب سبحانی سے ملاقات رہی۔ یہ زمانہ میری عمر کا بہت ہی عمدہ زمانہ تھا۔ حضرت کی بے مثل تصانیف کے دیکھنے کو مجھ کو یہاں اچھا موقعہ ملا۔ آئینہ کمالات اسلام۔ فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ ازالہ اوہام۔ شہادت القرآن۔ برکات الدعا وغیرہ کتابوں کو تھوڑا تھوڑا دیکھی۔ عبدالرحمن سیٹھ صاحب نے

مہربانی فرما کر ایک ایک جلد حضرت کی تصانیف کی میرے دیکھنے کے لئے خرید فرمائی۔ سیٹھ صاحب کی یہ عمدہ یادگار ابھی تک میرے پاس موجود ہے اور میں نے اس سے بہت بڑا نفع اٹھایا۔

حضرت کی تصانیف کو دیکھ کر مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ جس مجدد زمان کی مجھ کو تلاش تھی۔ درحقیقت علم الٰہی میں وہ جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہی تھے۔ اللہ نے حضرت ہی کو اس موجودہ زمانے کے فتن کے مقابلے میں غلبۂ اسلام ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ پنجاب کے ایک مولوی صاحب کی سراسر غلط رکاروائی سے علمائے پنجاب و ہند حضرت مرزا صاحب کے سخت خلاف ہو گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے حضرت کے بارہ میں وہ وہ عقاید جو حضرت کے خواب و خیال میں بھی نہیں گزرے تھے۔ تصنیف کر کے علماء سے فتویٰ لیا تھا اور افسوس کہ علمائے موجودہ نے کچھ غور و فکر نہیں کیا۔ حقیقت حال کی تفتیش نہیں کی۔ اس تکفیر نامہ پر دستخط کر دیا۔ اور مہر لگا دی۔ اس تکفیر کی وجہ سے سارے ہند میں حضرت مرزا صاحب سے بڑھ کر کوئی بدنام شخص نہ تھا۔

اب بہت بڑا سوال یہ پیش آیا کہ میں ایسے جلیل القدر امام کا متبع ہو جاؤں اور ناحق کی تکفیر اور ملامت کا ٹوکرا سر پر اٹھاؤں۔ اور جو کچھ عزت میں نے عمدہ واعظ ہونے کی سارے ہند میں پیدا کی ہے اس کو حق پر قربان کر کے بجائے مقبول خلائق کے مردود و ملعون خلائق بن جاؤں۔ یا شیعوں کی پالیسی اختیار کر کے حضرت مرزا صاحب کے پاس ان کا موافق اور ان کے مخالفوں کے پاس معاذ اللہ مرزا صاحب کا مخالف بن کر واہ واہ کی صدا سنوں۔ عجب کشمکش میں کئی دن میرے قادیان شریف میں گزرے روز رو رو کر جناب باریتعالیٰ میں دعائیں کرتا کہ خداوندا اگر تیری خوشنودی مرزا صاحب کی تابعداری و فرمانبرداری میں ہے تو مجھ پر بذریعہ خواب کے جیسا کہ تو نے بابا کیا ہے اصل حال کھول دے۔ لیکن ادھر سے سناٹا تھا۔ مالک کی یہی مرضی تھی کہ میں خود خداداد عقل کو استعمال کر کے اپنا نفع و نقصان دیکھ بھال کر کام کروں۔ پٹنہ اسکول کی ہیڈ ماسٹری چھوڑنے سے اس دفعہ بھاری معاملہ تھا۔ اس دفعہ ایک بھاری قربانی کا موقعہ آگیا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں نے تو اس سے ہزارہا درجہ بڑھ کر پیاری اور عزیز چیزوں کو حق پر قربان کر دیا ہے۔ لیکن میں کیا تھا اور میری ہمت ہی کیا تھی۔ ایک قدم آگے رکھتا۔ ایک قدم پیچھے رکھتا۔ شیطان کہتا کہ میاں بربادی اور تباہی اور ذلت و رسوائی سے بچنا ہے۔ تو چپ چاپ قادیان سے نکل چلو۔ فرشتہ کہتا او کمبخت کیا تو نے حدیث نہیں پڑھی کہ جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت پر مرا۔ پھر جس حالت میں خداداد عقل تجھ کو خود بتا رہی ہے کہ جناب حضرت مرزا صاحب امام زمان ہیں۔ تو ان سے روگردان ہو کر کہاں جائے گا۔ کیا دنیا کی چند روزہ زندگی کے نام اور جھوٹی عزت پر اپنے ابدالآباد

کے نفع کو غارت کر دے گا۔ اور کوتہ اندیشی جس روحانی مرض میں تو مبتلا ہے اس کی دوا تک اللہ نے مجھ
کو پہنچی یار جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب ایسا بے ریا فاضل اپنا ذاتی تجربہ پیش کر کے اس دوا کا فائدہ مند ہونا
بتاتا ہے۔ پھر کیسی بدبختی مجھ کو آئی ہے کہ اپنی صحت روحانی کا دشمن بن کر اندرونی پلیدی اور منافقانہ زندگی میں
ڈوبا رہنا چاہتا ہے۔ اے حضرات میں نے فرشتہ کی بات سن لی اور تاریخ ۱۱ر جنوری ۱۸۹۴ء شب جمعہ
کو حضرت امام الوقت مجدد زمان جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سے بیعت کر لی۔ اور ان
کو اپنا امام قبول کر لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

بیعت کرنے کے بعد تین دن تک قادیان شریف میں رہنے کا موقعہ ملا۔ ان اخیر کے تین دن
میں جب میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اب میں نماز پڑھتا ہوں۔ یعنی
مجھے عجیب حلاوت اور عجیب مزہ نماز میں ملتا تھا۔ ۱۴ر جنوری ۱۸۹۴ء میں اپنے امام سے رخصت
ہو کر لاہور میں آیا۔ اور ایک بڑی دھوم دھام کا لیکچر انگریزی میں دیا۔ جس میں حضرت اقدس کے ذریعہ
سے جو کچھ روحانی فائدہ ہوا تھا۔ اس کا بیان کیا۔ جب میں اس سفر پنجاب سے ہو کر مدراس پہنچا۔ تو
میرے ساتھ وہ معاملات پیش آئے جو صداقت کے عاشقوں کو ہر زمانے و ہر ملک میں اٹھانے پڑے
ہیں۔ مسجد میں وعظ کہنے سے روکا گیا۔ ہر مسجد میں اشتہار کیا گیا کہ حسن علی سنت و جماعت سے خارج ہے۔
کوئی اس کا وعظ نہ سنے۔

پولیس میں اطلاع دی گئی کہ یہ فساد پھیلانے والا ہوں۔ وہ شخص جو چند ہی روز پہلے شمس الواعظین
جناب مولانا مولوی حسن علی صاحب واعظ اسلام کہلاتا تھا۔ صرف حسن علی لیکچرار کے نام سے پکارا
جانے لگا۔ پہلے واعظوں میں ایک ولی سمجھا جاتا تھا۔ اب مجھ سے بڑھ کر شیطان دوسرا نہ تھا۔
مدھر جاتا انگلیاں اٹھتیں۔ السلام کا جواب نہ ملتا۔ مجھ سے ملاقات کرنے کو لوگ خوف کرتے ہیں۔
ایک خوفناک جانور بن گیا۔ جب مدراس میں مسجدیں میرے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ تو ہندوؤں سے پچھا
حال یہ کہ ایک دن انگریزی میں دوسرے دن اردو میں حضرت اقدس امام زمان کے حال کو بیان کیا
جس کا اثر لوگوں پر پڑا۔ رمضان شریف میں اپنے وطن لشکر جا بنگلور میں آیا۔ میرے دوست و ہم خیال
و ہم مشرب مولوی صاحبوں میں سے ایک صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تم نے بڑی غلطی کی۔ اچھے طور
سے مرزا صاحب کے عقائد کی جانچ پڑتال کر کے بیعت کرنی تھی۔ تمہاری اس عاجلانہ حرکت سے اہل اسلام
کو سخت نقصان پہنچا۔ کیوں کہ تمہاری کوششوں سے اہل اسلام کو نفع عظیم پہنچ رہا تھا۔ ایک دوسرے مولوی
صاحب نے جو براہین احمدیہ دیکھے ہوئے تھے۔ اور حضرت اقدس کو مجدد زمان مانتے ہیں۔ یہ
لکھا تھا کہ تم نے مصلحت زمانے کے برخلاف کیا۔ صرف جناب مولانا مولوی حکیم محمد حسین صاحب
صوفی نے ہی ایک ایسا خط لکھا کہ پڑھ کر دل کو ٹھنڈک ہوئی۔ کہ خیر صوبہ بہار کے عالموں میں ایک

بہت بڑے رتبے کا عالم مجھ کو بے غرت تو نہیں سمجھتا ہے، جناب مولوی صاحب کا خط درج ذیل ہے۔

فخر انام واعظ اسلام سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم وعلی من لدیکم۔ مرزا صاحب ایسے رتبہ عالی کے بزرگ ہیں کہ میں ان کے کمتر ادراد فی احوال نہیں لکھ سکتا ہوں اور جو کچھ میں نے لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔ وہ گویا قوم کے قلوب کی اصلاح کے لئے تحریر کیا ہے ورنہ اگر جناب مرزا صاحب سلمہ کے اوصاف حمیدہ لکھوں تو ایک مجلد کتاب شاید کافی نہ ہوگی۔ زہے نصیب آپ کے کہ آپ نے دست ارادت ان کے ہاتھ میں دیا۔ بارک اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ قوم کے افراد علماء کو نظر انصاف عنایت فرمائے اور لوگوں کی ملامت وغیرہ سے تنگ نہ ہو جیئے اور اپنا کام کئے جایئے۔ انہیں بکنے دیجیے، اور کچھ خیال نہ کیجئے، قدیم سے یہی حال رہا ہے۔ میں اپنے ایک جانی دوست کا حال لکھتا ہوں کہ جن کے صادق ہونے پر مجھ کو اتنا یقین ہے کہ جتنا مجھے اپنے موجود ہونے پر یقین ہے اور چونکہ ان کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے ان کا نام ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب مرزا صاحب کی زیارت کی ہے اور عجب العجائب بات یہ بیان کی کہ میں نے جس وقت جناب مرزا صاحب کو دیکھا۔ اس وقت میرے پیر مرشد کا بزرخ شریف ہو بہو دکھائی دیا۔ اور فی عمرہ ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ اگرچہ علماء ظاہر اور مشائخ وقت کی صحبت اکثر رہی اور رہا کرتی ہے اور دو شب پے در پے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا تو ایک مکان عالی میں دیکھا۔ لیکن اس طرح دیکھا کہ وہ مکان عالی خاص مرزا صاحب کا ہے اور میرے پیر و مرشد بطور مہمان کے جناب مرزا صاحب کے ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ تب میں نے ان سے پوچھا کہ تم نے استخارہ کیا ہوگا یا مرزا صاحب کا خیال کرتے سو گئے ہو گے انہوں نے جواب دیا کہ یہی تو زیادہ توجہ کرنے کی بات ہے کہ سونے کے وقت مطلق مرزا صاحب کا تصور نہ تھا اور انہوں نے کہا کہ لاریب ولا ریب جناب مستطاب حضرت مرزا صاحب دام فیضہٗ ایسے عالی منزلت کے بزرگ ہیں کہ شاید کوئی شخص تختہ ہند میں ہو اور میرا گمان یہ ہے کہ تمام عالم میں کوئی نہیں ہے جسے پیا چاہے وہی سہاگن آپ کے سب احباب کو سلام۔

احمد حسین صوفی عفی عنہ ۸ رذی القعدہ ۱۳۱۰ھ روز سہ شنبہ جناب مولوی حکیم احمد حسین صوفی صاحب اس وقت اپنا نظیر ہند میں نہیں رکھتے۔ محمد حسین بٹالوی صاحب اپنے مخالفین کو عالم زبردست اور

لے جناب مولوی حکیم احمد حسین صاحب صوفی قادیان جا کر حضرت سے مل بھی آئے ہیں حضرت اقدس کے بارے میں ایک طولانی خط لکھا ہے وہ سوال وجواب کے طور پر ہے وہ اس غرض سے لکھا ہے کہ اس کی اشاعت ہو اور لوگوں کا خیال حق کی طرف مائل ہو۔ اس خط کو بجنسہ اس کتاب کے اخیر میں چھاپ دیتا ہوں۔ اس تحریر کا طور کسی قدر پیچ کے طور پر ہو گیا ہے لیکن اس میں صوفی صاحب کی نیت خیر ہے۔ منہ

جو مرزا صاحب کا معتقد ہو جائے اس کو منشی اور کم لیاقت اپنے عیسائی دوستوں کی طرح مشہور کرنے میں اچھی لیاقت رکھتے ہیں۔ لیکن میں دعویٰ کرکے کہہ سکتا ہوں کہ باوجود ساری شیخیوں کے جناب مولوی احمد حسن صوفی صاحب سے ایک عرصہ تک الف، با اور صرف و نحو سیکھ سکتے ہیں۔ اگر میں اس دعوئی میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں۔ تو جو تاوان چاہو مجھ سے لو۔

جس طرح جناب حضرت اقدس مرزا صاحب اس صدی اور زمانہ کے مجدد دین ہیں اسی طرح ہمارے دوست صوفی صاحب مجدد طریقۂ تعلیم ہیں۔ جس طرح سواریوں میں ریل گاڑی نکلی ہے۔ اسی طرح تحصیل علم کی گاڑی کے نکالنے والے صوفی صاحب ہیں۔ ایک مبتدی الف با سے شروع کرکے اور ایک ماہ میں تیس پارہ قرآن کریم صحت کے ساتھ پڑھ دے۔ ایک آٹھ نو برس کا بچہ ایک برس ڈیڑھ برس میں صوفی صاحب سے تعلیم پاکر صرف نحو پر ایسا حاوی ہو جائے کہ اچھے عالموں سے ٹکر لڑا بیٹھے۔ کیا یہ کرامات نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر میرے بیان کو کوئی جھوٹا سمجھتا ہے۔ تو اب ریل گاڑی کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ پٹنہ آکر صوفی صاحب کے چھوٹے چھوٹے شاگردوں کو دیکھے یا مدرسہ احمدیہ آرہ جس میں صوفی صاحب ہی کے ڈھنگ پر بچوں کی تعلیم ہو رہی ہے۔ دیکھ لے۔ مدرسہ احمدیہ آرہ کے طالبعلموں کی پڑھائی کی تو ہر سال شعبان میں نمائش بھی ہوتی ہے آکر دیکھو ناحق بدگمانی کرکے گنہگار نہ ہو۔

اے شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب میں آپ سے نہایت دلسوزی سے کہتا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں ہوا۔ تھوڑی ہی شیخی اُڑ جائے گی۔ توبہ کرو جس کو اللہ بڑھانا چاہتا ہے اس کی مخالفت چھوڑ دو۔ ورنہ آئندہ چل کر بڑی ذلت کا سامنا ہوگا۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ صوبہ بہار و بنگالہ سے ایک گروہ عالموں کا حضرت مرزا صاحب کا بڑے جوش کے ساتھ شریک ہونے والا ہے۔ ابھی میں نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ کب تک زبردست عالموں کو منشی کہہ کر دل ٹھنڈا کروگے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔

پوچھو کہ مرزا صاحب سے مل کر کیا نفع ہوا۔ اجی بے نفع ہوئے کیا میں دیوانہ ہو گیا تھا کہ ناحق بدنامی کا ٹوکرا سر پر اٹھا لیتا۔ اور حالی حالت کو سخت پریشانی میں ڈال دیتا۔ کیا کہوں کیا ہوا۔ مردہ تھا زندہ ہو چلا ہوں۔ رکتا ہوں کہ علانیہ ذکر کرنا اچھا نہیں۔ ایک چھوٹی سی بات سناتا ہوں۔ اس نالائق کو تیس برس سے ایک قابل نفرت یہ بات تھی کہ حقہ پیا کرتا تھا۔ بارہا دوستوں نے سمجھایا۔ خود بھی کئی بار قصد کیا۔ لیکن روحانی قوئی کمزور ہونے کی وجہ سے اس پرانی زبردست عادت پر فادر نہ ہو سکا۔ الحمد للہ حضرت مرزا صاحب کی باطنی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ آج قریب ایک برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ پھر اس کم بخت کو منہ نہیں لگایا۔

قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

جو میرے دل میں اب ہے پہلے نہ تھی ۔ یہ سب حضرات مرزا صاحب کی بدولت گو میرا جسم بھاگلپور یا بنگالہ میں ہوتا ہے ۔ لیکن میری روح قادیان ہی میں ہے ۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

ایک قابل قدر شہادت

ملک امریکہ میں اسلام کیونکر پھیل رہا ہے ۔ اس قصہ سے بہت حضرات پورے واقف نہیں ہوں گے ۔ ملک امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں ۱۸۴۶ء میں ایک شخص پیدا ہوا ۔ جس کا نام الگزنڈر رسل ویب رکھا گیا ۔ اس شخص کا باپ ایک نامی و مشہور اخبار کا ایڈیٹر و مالک تھا ۔ ویب صاحب نے کالج میں پوری تعلیم پائی اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا ۔ ویب صاحب کی لیاقت علمی طرز و تحریر کا شہرہ دور دور ہوا ۔ ایک روزانہ اخبار سینٹ جوزف میوری ڈیلی گزٹ کی ایڈیٹری کے معزز عہدہ پر * ویب صاحب کے سپرد ہوتا رہا ۔ کوئی صاحب لفظ اخبار کے کہنے سے کہیں رفیق ہند علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اخبار عام کی ایڈیٹری نہ سمجھ لیں ۔ ہندوستان کے دیسی اخباروں کو امریکہ کے اخباروں سے وہی نسبت ہے جو ایک تین چار برس کے لڑکے کو ایک چالیس پچاس برس کے ذی علم و تجربہ کار شخص کے ساتھ ہو سکتی ہے ۔ امریکہ کے اخباروں کی تعداد کا حساب ہزار سے نہیں ہوتا ۔ بلکہ لاکھ سے ۔ پھر ایڈیٹر بھی انجام دے سکے ۔ جس اخبار کے ویب صاحب ایڈیٹر تھے وہ امریکہ میں دوسرے نمبر کا اخبار گنا جاتا تھا یعنی ایک ہی اخبار ساری قلمرو میں ایسا تھا جو ویب صاحب کے اخبار سے زیادہ درجہ اور رتبہ کا تھا ۔ ویب صاحب کی قابلیت اور لیاقت کا ایسا ایک شہرہ ہوا پریزیڈنٹ سلطنت امریکہ نے ان کو سفارت کے معزز عہدہ پر مقرر کر کے جزیرہ فلپائن کے پایہ تخت منیلا کو روانہ کیا سفیر سلطنت گورنر کا ہم رتبہ ہوتا ہے ۔

۱۸۷۲ء میں مسٹر ویب نے دین عیسوی کو ترک کر دیا ۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب سراسر خلاف عقل و عدل ہے ۔ کئی برس تک ویب صاحب کا کوئی دین نہ تھا ۔ لیکن ان کو ایک قسم کی بے چینی تھی ۔ دل میں خیال کیا کہ اس جہان کے سارے ادیان پر غور کروں ۔ شاید ان میں سے کوئی سچا مذہب ہو ۔ پہلے بدھ مذہب کی تحقیقات شروع کی تحقیقات کامل کے بعد اس مذہب کو تشفی بخش نہ پایا ۔ اسی زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان کے انگریزی اشتہارات کی یورپ و امریکہ میں خوب اشاعت ہو رہی تھی ویب صاحب نے اس اشتہار کو دیکھا ۔ اور مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ویب صاحب نے دین اسلام قبول کر لیا ۔

حاجی عبد اللہ عرب ایک میمن تاجر ہیں ۔ جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے رحب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا ان کو سامان کر دیا ۔ تو ہجرت کر کے مدینہ میں جا بسے ۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت

* ویب صاحب کی دعوت کی گئی پھر اس کے بعد اور کئی اخباروں کی ایڈیٹری کا کام

کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تو تیار ہو گئے۔ لیکن عرب کے بدوؤں کے ہاتھوں پھل ملنا مشکل۔ آخر بیچارے پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ جدہ میں آ کر ایک مختصر پونجی سے تجارت شروع کر دی۔ بمبئی سے تجارتی تعلق ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلےٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو مادر زاد ولی بنایا ہے۔ اس کمال وخوبی کا مسلمان میری نظروں سے بہت ہی کم گذرا۔ شل بچوں کے دل گناہوں سے پاک وصاف۔ خدا پر بہت ہی بڑا توکل۔ ہمت نہایت بلند۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا وہ جوش کہ صحابہ یاد پڑ جائیں۔ اے خدا اگر عبداللہ عرب کے ایسے پانچ سو مسلمانوں کی جماعت بھی تو قائم کر دے تو ابھی مسلمانوں کی دنیا بھی بدل جائے۔ خدا نے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو بھی کچھ تھوڑا سا جوش اہل اسلام کی خیر خواہی کا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن جب میں عبداللہ عرب کے جوش پر غور کرتا ہوں تو سر نیچا کر لیتا ہوں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ بڑا نیک ظن ہے اور وہ بھی مجھے محبت سے ملتے ہیں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقع ملا ہے۔ اگر میں ان کی روحانی خوبیوں کو لکھوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ مکہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اصلاح کے لئے قریب چار لاکھ روپیہ چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا۔ بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے الگزنڈر رسل ورب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سنا۔ فوراً انگریزی میں خط لکھوا کر ورب صاحب کے پاس روانہ کیا۔ ورب صاحب نے بھی ویسے ہی گرم جوشی کے ساتھ جواب دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلا آ سکتے تو امریکہ میں اشاعت اسلام کے کام میں کچھ صلاح ومشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر سید شہید الدین جھنڈے والے[1] سے بیعت ہے۔ شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب کے دل میں ہے۔ مجھ سے اس قدر تعریف ان کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے کہ ایک بار حضرت پیر سید شہید الدین صاحب کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے۔ تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیر ومرشد سے صلاح ضروری لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مرشد سے منیلا جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ۔ اس سفر میں کچھ خیر ہے۔ عبداللہ عرب صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تو بھی منیلا چل۔ میں انگریزی نہیں جانتا اور ورب صاحب اردو نہیں جانتے۔ ایک مترجم ضروری ہے اور ایک نومسلم سے ملنا ہے۔ نہ معلوم اس بے چارہ کو دین اسلام کے بارہ میں کیا کچھ پوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اس زمانہ میں کٹک

---

[1] یہ پیر صاحب ضلع حیدرآباد سندھ تحصیل ہالہ میں رہتے ہیں ان کے لاکھوں لاکھ مرید ہیں اور علاقہ سندھ میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ ان کی کرامات وبزرگی کے سب قائل ہیں:۔ منہ

میں تھا۔ کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار کرتے رہے۔ مسلمانان کلکتہ نے مجھ کو جلد رخصت نہ دی
آخر وہ ایک یوریشین نومسلم گورے کو شملہ چلے گئے۔ اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ سے بالا صرف ہوا
وب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ بات طے پائی کہ وب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفا داخل
کریں۔ اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے
ہندوستان واپس آکر مجھ سے ملاقات کی۔ اور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدر آباد میں قائم ہوا۔ جس
میں کچھ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہہ دیا کہ ابھی وب صاحب کو عہدہ
سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو۔ جب تک چندہ پورا نہ ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری نہ سنی اور بمبئی
سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے تم نوکری سے استعفا داخل کر دو۔ چنانچہ وب صاحب نے ویسا ہی کیا۔
اور ہندوستان آگئے۔ میں بمبئی سے ساتھ ہوا۔ بمبئی، پونہ، حیدر آباد، مدراس میں ساتھ رہا۔
حیدر آباد میں وب صاحب نے مجھ سے کہا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔
انہیں کی وجہ میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی بدنامی وغیرہ کا
جو تذکرہ میں نے سنا تھا ان کو سنایا۔ وب صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو ایک خط لکھوایا
جس کا جواب آٹھ صفحہ کا حضرت نے لکھ کر بھیجا اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بلفظ ترجمہ کر کے وب صاحب کو سنا دینا
چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت
اقدس کا خط سنتے رہے۔ خط میں حضرت نے اپنے اس دعویٰ کو مع دلیل کے لکھا تھا۔ پنجاب کے
علماء کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا۔ حضرت نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے
(یعنی وب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ وب صاحب حاجی عبداللہ عرب اور میری ایک
کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں
چندہ جمع کرنا ہے ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام میں نقصان پہنچایا
جائے۔ اب اس بد فیصلہ پر افسوس آتا ہے وب صاحب لاہور گئے تو اسی خیال سے قادیان نہ گئے۔
لیکن بڑے افسوس کی بات یہ ہوئی کہ ایک شخص نے وب صاحب سے پوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا
صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ تو انہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہوا
ہے۔ لوگوں نے وب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا۔

غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کر کے وب صاحب تو امریکہ جا کر اشاعت
اسلام کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ دو ماہ تک میں وب صاحب کے ساتھ رہا۔ وب صاحب حقیقت
میں آدمی معقول ہے۔ اور اسلام کی سچی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک
ہو سکا ان کے معلومات بڑھانے۔ خیالات کو درست کرنے اور مسائل ضروری کی تعلیم میں کوشش

کی۔ اور شیخ محمدؐ میرا ہی رکھا ہوا نام ہے۔

جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا لیکن ادا ہوتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن زر دو تیغ آہنی در سنگ۔ لاکھوں روپیہ خلاف شرع شریف خرچ کرنے میں مسلمان مستعد و سرگرم ہی رہتے اور اس بہت بڑے کام میں کچھ بھی نہ دیا۔ صرف بنگلور اور حیدرآباد دکن سے ترکچھ کیا گیا کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے وہ تیس ہزار ہوں گے۔ جس میں حاجی عبداللہ صاحب عرب کا سولہ ہزار رہا ہوگا۔ بےچارہ غریب حاجی اس تنگ کام میں پس گیا۔

جب حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بےچینی میں مبتلا ہوئے تو اپنے پیر کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سید احمد الدین صاحب کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب کے روحانی تصرفات کی وجہ اشاعت ہورہی ہے۔ ان سے دعا منگواتے سے کام ٹھیک ہوگا۔ دوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی۔ اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب کی علمائے پنجاب و ہندنے تکفیر کی ہے ان سے کیونکر اس بارہ میں کہا جائے۔ اس بات کو سن کر شاہ صاحب نے بہت تعجب کیا۔ اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور استخارہ کیا۔ خواب میں جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ مرزا غلام احمدؐ اس زمانہ میں میرا نائب ہے۔ وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اٹھ کر شاہ صاحب نے کہا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ میں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا اور اگر وہ مجھ کو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جبکہ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اور دوسرے صاحبوں نے خواب کا حال سنا اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں۔ سب نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ آپ کی طرف سے کوئی دوسرے صاحب حضرت مرزا صاحب کے پاس جا سکتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ عرب صاحب قادیان گئے اور سارا قصہ بیان کرکے خواستگار ہوئے کہ حضرت اقدس اس طرف متوجہ ہوں تاکہ اشاعت اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔ بیان مذکورۂ بالا میں نے خود حاجی عبداللہ عرب صاحب سے سنا ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں حاجی صاحب کو میں ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس خبر کو جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جس حالت میں مرزا صاحب ایک بدنام شخص ہو رہے ہیں۔ اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں۔ عبداللہ عرب صاحب کو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے بارے میں ایک ایسا قصہ تصنیف کریں جس سے بظاہر ان کا نقصان ہی نقصان ہے۔

حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سید فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں۔ جن کو سلطان روم بہت پیار کرتے ہیں۔ سید فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گذرے ہیں (جن کا نام وغیرہ آئندہ دریافت کرکے کسی دوسرے رسالہ میں درج کردوں گا) جو صاحب کشف و کرامات تھے۔ وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لاویں گے۔ تو مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت مہدی علیہ السلام کی بڑی معین و مددگار ہوگی۔ اور وہ سب داخل اسلام ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

اگر کوئی شخص سچا طالب حق حضرت مرزا صاحب کے بارے میں سچے دل سے استخارہ کرے تو ایک نہ ایک دن اللہ پاک اس پر ضرور فضل کرے گا، میرے کئی ایک دوست جن کی ولایت کا مجھ کو بالکل یقین ہے۔ میرے کہنے کے مطابق استخارہ کرکے بشارت ربانی سے مستفیض ہوئے اور اب الحمد للہ حضرت کے ہی خوانوں میں داخل ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ استخارہ کرنے والا دل کو بغض یا محبت سے خالی رکھے، ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص حضرت کے خلاف بہت کچھ سنتا رہا اور حق بات دریافت نہ کرکے ایک رائے خلاف میں قائم کرلی۔ پھر استخارہ کیا۔ اور اس کے نفس نے چاہا کہ حضرت کے بارے میں کوئی بری بات ضرور معلوم ہو۔ تو ایسی صورت میں شیطانی مداخلت ہوجاتی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ خواب رحمانی ہو۔ وہ خواب شیطانی ہوجاتا ہے۔ ہاں رحمانی اور شیطانی خوابیں اپنی تاثیرات سے بخوبی پہچانی جاتی ہیں۔ جس طرح اگر کوئی عطار کی دوکان میں بیٹھا رہے تو اس کے کپڑوں سے خوشبو آنے لگتی ہے۔ اسی طرح رحمانی خواب کے دیکھنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل کو عجیب لذت بخش سرور رہے۔ اور کسی قسم کی پریشانی اور الجھن نہیں ہے، بلکہ دل میں ایک نہایت ہی پیاری ٹھنڈک ہے۔ برخلاف اس کے شیطانی خواب کا دیکھنے والا ان کیفیات قلبی سے بالکل محروم رہتا ہے۔ مبارک ہیں وہ بندے جو سچے ہیں اور سچ کے عاشق ہیں۔ وہ اس عالم میں بھی سچے خواب دیکھتے ہیں۔ اور عاقبت کا آرام تو انہیں کا حصہ ہے۔

کچھ اختلاف کا بیان

جہاں تک میں نے نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرکے دیکھا تو مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ اختلاف درمیان علمائے پنجاب و ہند اور حضرت مرزا صاحب کے ایک فروعی امر میں ہے۔ لیکن لوگوں نے تنکے کا پہاڑ بنالیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عیسے علیہ السلام مثل اور نبیوں کے انتقال فرما چکے۔ علمائے مخالفین کہتے ہیں کہ نہیں حضرت عیسے اسی جسد عنصری کے ساتھ انیس سو برس سے زندہ موجود ہیں۔ کیا اسی قسم کے اختلافات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نہ تھے؟ کیا ایک کی سمجھ میں معراج شریف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی اور دوسرے کی سمجھ میں روحانی نہ تھا۔ پھر کیا وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے! افسوس صد افسوس!! حضرت ابن عباس رضؓ ایسے جلیل القدر صحابی کتنے مسائل میں اور صحابہ سے مختلف تھے۔ لیکن کیا کوئی صحابہ ان کو اس وجہ سے خارج از اسلام سمجھتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کسی حرام کو حلال نہیں کہتے۔ فتح الباری میں لکھا ہے کہ کوئی صحابی بجز ابن عباسؓ کے گدھے کو حلال نہیں کہتا تھا۔

یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب وفات مسیح کے مسئلہ میں اجماع کے مخالف ہیں۔ لیکن یہ صرف بات ہی بات ہے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی سمجھتے تھے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور سب انبیاء کو تو موت آگئی۔ لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس قاعدہ وقانون الٰہی کے خلاف جیسے کے ویسے زندہ موجود ہیں۔ ان پر تغیرات زمانہ کا اثر ہوتا ہے نہ موت ان کے پاس آتی ہے۔ جہاں تک غور سے دیکھا جاتا ہے معاملہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید سے تو صاف اور کھلے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مثل اور نبیوں کے وفات پائی۔ حدیثوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کتاب مجمع البحار جلد اول صفحہ ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تینتیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت امام مالک کس شان اور مرتبہ کے امام ہیں۔ خیر القرون کے زمانہ کے اولیاء میں سے ہیں۔ جن کے تابعداروں کی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہے کیونکہ کل مالکی مذہب والے اپنے امام کے مخالف نہیں ہو سکتے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے صحیح میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو موتیٰ میں داخل کیا۔ ابن قیم جیسے محدث نے مدارج السالکین میں وفات کا اقرار کیا۔ علامہ شیخ علی بن احمدؒ نے اپنی کتاب سراج منیر میں ان کی وفات کا بیان کیا۔ فرقہ معتزلہ کے بڑے بڑے علماء اسی بات کے قائل رہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مر گئے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اجماع کے مخالف ہیں۔ پھر کیا اجماع اسی کا نام ہے؟ سب سے بڑھ کر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بلاد شام ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر تک موجود ہے۔ اس قبر کے متعلق جو مراسلہ درمیان حضرت اقدس مرزا صاحب اور مولوی صاحب محمد السعیدی طرابلسی کے ہوا ہے۔ وہ حضرت کی بے مثل تصنیف اتمام الحجۃ کے صفحہ ۲۰ میں درج ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ سچے ایماندار کی یہی شان ہے کہ غلط بات پر اڑ نہیں جاتا۔ وہ ہمیشہ حق کے سامنے سر جھکانے کو مستعد ہے وہ پرانے خیالات کا بت پرست نہیں ہوتا۔ نہایت ہی افسوسناک حالت اس شخص کی ہے جو حق کا طالب نہیں ہے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ باپ دادوں کا میرے جو خیالی و باطل عقیدہ ہے حق بھی آکر اسی سے صلح کرے۔ بعض کمبختوں کا یہ خیال ہے کہ وہ شخص جو ایک پرانے خیال و عقیدہ کو چھوڑ کر نئے خیال و عقیدہ کو قبول کر لیتا ہے سو وہ متلون ہے اس میں استقلال نہیں۔ ان

کوتہ فہموں کے خیال میں بڑی بہادری یہی ہے کہ آدمی ایک خیال و عقیدہ پر پہاڑ کی طرح جما رہے۔ میری سمجھ میں یہ حضرات ابوجہل و ابولہب کے بھائی ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں کمبخت بڑے مستقل مزاج تھے کہ باوجود سارے جہان کے سردار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا بھانے والا حق بات سمجھاتا رہا۔ بہتیں کھلی کھلی نشانیوں کو دکھا کر حق دکھاتا رہا۔ لیکن یہ ایسے مستقل مزاج تھے کہ دوزخ قبول کیا۔ لیکن پرانے خیال و عقیدہ کے بُت کو نہ چھوڑا۔ ابدالآباد کی لعنت قبول کی۔ افسوس صد افسوس! مسلمان کہلا کر بھی آدمی کافروں و مشرکوں جیسی ہٹ و ضد کو پسند کرے! مجھ کو کیا ہی پیارا ایک حقانی عالم اور واعظ کا کلام معلوم ہوا تھا۔ "ہم حق کے عاشق ہیں۔ چاہے وہ جہاں ملے۔ ہم نے اسلام کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس کو حق پایا۔ بفرض محال اگر کوئی دوسرا مذہب حق نظر آوے تو کیا ہم اس سے منہ موڑنے والے ہیں" حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق بات قبول کرنا چاہیئے گو اس کا کہنے والا ایک چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ کبر و نخوت اسی کا نام ہے کہ انسان کسی دوسرے خیال سے حق کو قبول نہ کرے۔ اس جہان میں آدمی بھی کیا ظلم و اندھیر کرتا ہے جو مستقل مزاج ہے۔ اس کو متلون کہتا ہے جو متلون ہے اس کو مستقل قرار دیتا ہے۔ بقول شخصے حبشی کا نام کافوری رکھتا ہے۔ روز ازل میں جب ہم سے سوال ہوا۔ الست بربکم یعنی کیا ہم تمہارے رب نہیں ہیں۔ تو بولے بلیٰ یعنی ہاں۔ لیکن جب دنیا میں آئے۔ امتحان و آزمائش میں پڑے۔ ایسی ایسی حالت آن پڑتی ہے۔ کہ اگر حق کا اقرار کرتے ہیں۔ سچائی کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو قوم اور برادری میں ناک کٹتی ہے۔ یا حق کی رسوائی و ذلت ہوتی ہے۔ یا مولویت میں بٹا لگتا ہے۔ تو اقرار سابق چھوڑ حق سے منہ موڑنے لگے دروغ سے کام نکالنے لگے ہائے افسوس یہ خیال نہ کیا کہ یہ کیسا تلون ہے ؎

بقول دشمن پیماں دوست بشکستی ✽ ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

ہاں مستقل مزاج وہ خدا کے نیک بندے ہیں جو امتحان میں ڈالے جاتے ہیں مصیبتوں میں پھنسے ہیں۔ لوگ ان کو للچاتے ہیں۔ دھمکاتے ہیں آبروریزی کے درپے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے مستقل مزاج ہوتے ہیں کہ حق کو نہیں چھوڑتے۔ چاہے وہ جس صورت میں ظاہر ہو۔ وہ روز ازل سے بادۂ الست کے مست ہیں۔ جو اقرار کیا ہے اس پر قائم ہیں۔ اگر حق کسی ایسے مسئلہ کی صورت میں ظاہر ہو جو آبائی خیال کے مخالف ہے۔ لیکن وہ حق ہے تو وہ اس کو فوراً پہچان لیتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ✽ من انداز قدت را می شناسم

بہتیرے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ پانچوں وقت نماز میں یہ دعا مانگتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم یعنی اے رب مجھ کو سیدھی راہ یعنی حق پر چلا۔ لیکن اپنی طرف سے صراط مستقیم پر ایک حاشیہ بھی دعا میں لگا دیتے ہیں۔ یعنی وہ حق کی بات وہی جو ہم باپ دادا سے کہتے آئے ہیں۔

جو برادری میں مانی اور قبول کی گئی ہے کہیں وہ حق نہ دکھائے کہ جس سے لوگوں میں بدنام ہونا پڑے۔
لیکن اللہ پاک تمہاری ناپاک خواہشوں اور آرزوؤں کا تابعدار کب ہے۔ اے لوگو اپنی طرف سے
حاشیہ مت لگاؤ۔ اللہ پر چھوڑ دو۔ تمہارا کام یہی ہے کہ اس سے حق مانگو، چاہے وہ حق عزت دنیاوی
کا جامہ پہنے ہو یا نہ ہو۔ بعض حضرات تو ایسے ہیں کہ آبائی وقومی خیال کے خلاف کسی مسئلہ کو سننا گناہ
سمجھتے ہیں۔ مثل مشرکین مکہ کے جو قرآن شریف سن کر کان میں انگلیاں ڈالتے تھے۔ یہ بھی مخالف مسئلہ
سے بہت خوف کھاتے ہیں۔ اپنے دوستوں وعزیزوں کو کہتے ہیں کہ خبردار فلاں فلاں کتاب ہرگز نہ
دیکھنا ورنہ ایمان خراب ہو جائے گا۔ ان بیچاروں کا اسلام کیا ہے۔ چھوئی موئی کا درخت ہے جو کسی شخص
کی ذات ذرا ٹھوکر لگنے سے غائب۔ اسلام تو وہ ہے جس کو نہ کسی کتاب سے خوف ہو نہ کسی آدمی کی پرواہ
وہ تو آہنی قلعہ ہے جو اس سے ٹکر کھائے گا اُس کو نہ توڑے گا بلکہ خود پاش پاش ہو جائے گا۔ اے برادر
پانچ وقت خدا سے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا مانگتے ہو۔ پھر بھی تم کو اس ہادی کا اندیشہ پڑا ہے کہ شاید وہ تم
کو ہمیں گمراہ نہ کر دے۔ اللہ پاک کا یہ وعدہ بھی قرآن مجید میں تلاوت کرتے ہو کہ جاھدوا فینا
لنھدینھم سبلنا۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں یعنی حق کی تلاش میں کوشش کریں گے
ہم ان کو اپنی راہ خود دکھائیں گے۔ لیکن پھر بھی تم کو اس رحمٰن ورحیم کے وعدہ پر یقین نہیں ہوتا۔ مسلمانوں
کو کسی کتاب کے پڑھنے سے خوف ایسا اسلام بنگالیوں کی صحت ہے۔ جو ذرا سی تبدیل آب وہوا کی
برداشت نہیں کر سکتا دہائے افسوس لوگوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ ورنہ وہ شیر ہوتے کبھی
گیدڑ کی طرح خوف نہ کھاتے۔

اے حضرات میں سچ سچ کہتا ہوں۔ اگر کوئی ایماندار خدا سے ڈرنے والا مسلمان جو سچ سچ حق بات
کا طالب ہو۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بے مثل تصنیف ازالہ اوہام کو شروع سے آخر تک غور
سے دیکھ جاوے۔ اور اللہ سے برابر دعا کرتا رہے کہ حق ظاہر ہو تو ممکن نہیں ہے کہ وفات مسیح کا قائل نہ ہو
حضرت نے کس زور کے ساتھ قرآن مجید کی تیس آیتوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث شریف
سے کھول کھول کر دکھایا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مثل اور نبیوں کے وفات پا گئے اور اور نبیوں کی
عالی جماعت میں نورانی جسم کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اور اگر وہ زندہ ہیں تو اسی طرح زندہ ہیں۔ جیسے
کل شہدا واولیاء اللہ ورسلانِ خدا زندہ ہوتے ہیں۔ اگر عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو اسی طرح زندہ
ہیں جس طرح ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں نہ کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے کوئی بات بڑھ کر ان کی زندگی میں داخل ہے۔ اگر حق کے طالب ہو تو ازالہ اوہام حضرت
مرزا صاحب کے پاس سے منگا کر دیکھو۔ ہاں اس کتاب سے بہت ہی مختصر طور پر ہم کچھ دلائل ایک علیحدہ
باب میں لکھ دیتے ہیں۔ وہ صرف عقلمند کے لئے اشارہ کے طور پر ہوگا۔ اگر کسی میں سوچنے اور غور کرنے

(حاشیہ صفحہ ۶۳)

کا مادہ ہے تو ق کی دکایہ کمزور ریان بھی اس کے لئے رہنما ہو سکتا ہے۔

ہاں وہ عقائد جو مولوی محمد حسین بٹالوی کی تکفیر بازی کی وجہ سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف لوگ منسوب کرتے ہیں اور جو موجب تکفیر ٹھہرائے گئے ہیں۔ ان کے بارہ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جس حالت میں حضرت مرزا صاحب ان تمام عقائد سے بار بار بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان عقائد کو زبردستی حضرت پر لگا دے ہر مصنف اپنی تصنیف کا مفسر ہوتا ہے جس حالت میں حضرت مرزا صاحب بپکار بپکار کر اپنی کتابوں میں اشتہاروں میں لکھے جاتے ہیں کہ میرا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے جو لگایا جا رہا ہے تو کیا انصاف ہے کہ اس پر بے جا ضد کیا جائے کہ نہیں اس کے معنے یہی ہیں جو ہم لگاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب اپنے بے مثل تصنیف آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۲۳ میں اسی ظلم کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ولیکن اگر افسوس ہے تو اس صرف اس قدر کہ ایسے فتوے صرف اجتہادی غلطی کی وجہ سے قابل الزام نہیں۔ بلکہ بات بات میں خلاف امانت اور تقویٰ عمل میں آیا ہے۔ اور نفسانی جذبات کو در پردہ مد نظر رکھ کر دینی مسائل کے پیرایہ میں* کافر قرار دینے میں اس قدر منہ زوری دکھائی جاتی ہے کہ ایک شخص بار بار خود اپنے اسلام کا اقرار کرتا ہے اور ان تہمتوں سے اپنی بریت ظاہر کر رہا ہے جو موجب کفر ٹھہرائی گئی ہیں۔ مگر پھر بھی اس کو کافر ٹھہرایا جاتا ہے

* اس کا ظہور ... کا منصب ... ہی ... [illegible]

حاشیہ نمبر ۱۲ :- سوچنے اور غور کرنا جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا کام تھا وہ ایک مدت سے بالکل گم ہو گیا ہے۔ چند ہی روز کا عرصہ ہوا کہ مولوی صاحب سے میں نہایت ادب کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسد عنصری کے ساتھ زندہ مان لیا جائے تو کئی قسم کی ایسی دقتیں پیش آتی ہیں کہ سراسر خلاف عقل سلیم ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم مذہب میں عقل کو دخل دینا چاہتے ہو۔ غرض مجھ کو معلوم ہو گیا کہ مولوی صاحب مذہب کے دوست اور عقل کے دشمن ہیں اس قسم کے مولوی صاحبوں کی یہ سمجھ ہے کہ عقل نہایت ہی خراب چیز ہے اس کو دماغ سے نکال ڈالنا ہی بہتر ہے۔ افسوس صد افسوس مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عقل کے دشمن ہو گئے۔ خدا کی ایک بہت ہی بڑی نعمت کو آفت سمجھنے لگے۔ اللہ ان کی حالت پر رحم کرے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی کتاب بجز و عملی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ انسان کو صاحب غور و فکر بنانے والی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ یہی دیکھو گے کہ اللہ دلائل فطری اور معقول باتوں کو بتا کر فرماتا ہے۔ افلا تعقلون افلا تتفکرون قرآن مجید نے عرب جیسی امی اور جاہل قوم کو حکیم بنا دیا۔ صحابہ کی باریک فہمی اور عاقلانہ کارروائیوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ دین اسلام ہرگز ہرگز خلاف عقل نہیں ہے ہاں دین اسلام میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو معمولی انسانی عقل سے جو نفسانی جذبات سے تاریک ہو رہی ہے اور جس پر پردہ پر کثرت حجاب وارد ہو گیا ہے معلوم نہیں ہو سکتی لیکن حقیقت میں وہ خلاف عقل نہیں ہیں۔ اسلام میں کہیں بھی کو تسلیم نہیں کرایا گیا کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں۔ یا تین بار ایک کو جوڑو تو بجائے تین کے ایک ہی ہوتے ہیں۔ وہ حضرات جو دین اسلام کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں گویا وہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک نامعقول دین ہے۔ معاذ اللہ منہا۔

اور وہ لوگوں کو تلقین کی جاتی ہے کہ باوجود اقرار کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور باوجود توحید اور ماننے عقائد ضروریۂ اسلام کے اور پابندی صوم و صلوٰۃ اور اہل قبلہ ہونے کے پھر بھی کافر ہے اور دیگر مشرکین اور کفار کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور کبھی اس سے باہر نہیں نکلے گا۔ ایکہ و جالم بر حیثیت نیز ضال، چون نزدیک انخداوند ذو الجلال۔ مومنی را نام کافر مے نہی۔ کافر گر مومنی با این خیال۔ اور عموماً تمام علمائے مکفرین پر یہ افسوس ہے کہ انہوں نے بلا تفتیش تحقیق بٹالوی صاحب کے کفر نامہ پر مہریں لگا دیں۔ اور اول سے آخر تک میری کتابیں نہ دیکھیں اور بذریعہ خط و کتابت مجھ سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اگر وہ نیک نیتی سے مہریں لگاتے تو ان کا فرض قلب ضرور ان کو اس پر اس امر کی طرف مضطر کرتا کہ پہلے مجھ سے دریافت کرتے اور میرے الفاظ کے حل معانی بھی مجھ سے ہی چاہتے۔ پھر اگر وہ کلمات بعد تحقیق درحقیقت کفر کے کلمات ہی ثابت ہوتے تو ایک بھائی کی نسبت افسوسناک دل کے ساتھ کفر کی شہادت لکھ دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے اور عجلت سے کام نہ لیتے تو ان الزاموں سے بری ٹھہرتے . . . .

. . جو عند اللہ ایک تکفیر کے مستوجب یا زیر عاید ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جیسے ایک بھیڑ دوسری بھیڑ کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ اور جو کچھ وہ کھانے لگتی ہے۔ اسی پر یہ بھی دانت مارنے لگتی ہے۔ یہی طریق اس تکفیر میں ہمارے علماء نے بھی اختیار کیا۔ فما اشکوا الا الی اللہ اس بات کو

بقیہ حاشیہ ۶۲:۔ اگر دین اسلام عقل کے خلاف ہو تو پھر دعوت اسلام کا باب بالکل مسدود ہو جاتا ہے۔ ہم کس منہ سے کسی ہندو کو کہہ سکتے ہیں کہ تو دین اسلام کو قبول کر۔ اگر وہ ہم سے اسلام کی خوبیوں کے دلائل معقول طلب کرے تو اس وقت کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم اس کو جواب دیں کہ ابھی دین اسلام میں عقل کو دخل نہیں۔ اندھے کی طرح سب باتوں کو حق مان لے۔ اس جواب کو سن کر اگر وہ ہندو کہے کہ اگر اندھے ہی کی طرح سب نامعقول باتوں کو مان لینا ہے۔ تو میں اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر ناحق ذلیل و خوار کیوں بنوں۔ عزیزوں رشتہ داروں سے علیحدہ ہونے کی تکلیف کیوں گوارا کروں۔ تو فرمایئے یہ جواب اس کا کیا ہو گا۔ اس قسم کے مولوی صاحبان اگر صرف انگریزی زبان ہی سیکھ لیں۔ اور انگلستان اور امریکہ میں اشاعت اسلام کو جا نکلیں۔ نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ اب حضرت کو چاروں طرف سے تعلیم یافتہ انگریز گھیر کر پوچھنا شروع کر دیں کہ کیوں ہم اسلام کو سچا مانیں۔ ہمارے مذہب نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کو چھوڑ دیں۔ پہلے آپ اپنے نبی کی نبوت کو قوی دلائل سے ثابت کیجئے۔ قرآن کا کلام اللہ ہونا عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔ اپنے ہر عقیدہ کو دلائل معقول سے ثابت کر دکھا لیجئے پھر کہیئے اس وقت مولوی صاحب کا کیا حال ہو اگر اس وقت مولوی صاحب نہایت لال پیلا ہو کر کہیں کہ کیا نامعقول بات ہے۔ اے لوگو یہ کیا عقل مچایا ہے ثابت کر دیجئے ثابت کر دیجئے۔ کیا دین میں عقل کو دخل ہے۔ خاموش اللہ سے ڈرو۔ میری سب باتوں کو مان لو۔ تو اس وقت کی حاضرین کی زور سے قہقہہ لگائیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں یہی حال ان مولوی صاحبوں کا ان انگریزی کی سلطنت میں ہو رہا ہے جو لے بجا لے

کون نہیں جانتا۔ کہ ایک مسلمان کو کافر کہہ دینا نازک امر ہے بالخصوص جب کہ وہ مسلمان بار ہا اپنی تحریرات و تقریرات میں ظاہر کرے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اللہ اور رسول اور اللہ جلشانہٗ کے ملائک اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ تمام احکام صوم صلوٰۃ کا پابند بھی ہوں۔ جو اللہ اور رسول نے بیان فرمائے ہیں۔ تو ایسے مسلمان کو کافر قرار دینا اور اس کا نام اکفر اور دجال رکھنا کیا یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کا شعار تقویٰ اور خدا ترسی غیرت اور نیک نفسی عادت ہو۔

اے ناظرین ذرا انصاف کرو کہ مندرجہ بالا تحریر کو پڑھ کر تمہارا دل کیا کہتا ہے کہ حضرات مکفرین کی کارروائی دیانت اور خدا ترسی کے ساتھ ہوئی کہ رحمۃ للعالمینؐ کے نائبوں کا یہی شیوہ ہے کہ ایک اپنے شخص کو جو رات دن اسلام کی خیر خواہی میں مصروف ہو صرف ایک فروعی امر میں خلاف رائے ہونے پر جھوٹے عقائد تراش تراش کر اس کی طرف منسوب کریں۔ جب میں نے حضرت مرزا صاحب کی تکفیر سُنی تھی۔ تو مجھ کو وہی تکفیر یاد پڑ گئی۔ شہر بنگلور کے ایک مُلّاں صاحب کے دل میں مجھ کو کافر بنانے کا شوق ہوا تھا۔ پھر میں ہزار طور سے اسلام کا اقرار کرتا رہا۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ کہ میں اسلام سے رہ جاؤں۔

بقیہ حاشیہ مسلمان رئیسوں کا ارادہ ہوا تھا کہ وہ ایک اس قسم کے مولوی صاحبوں کو انگریزی زبان سکھا کر امریکہ اور انگلینڈ روانہ کریں۔ خوب ہوا کہ یہ کارروائی عمل میں نہ آئی ورنہ اہل اسلام کی سخت ذلت و سُبکی ہوتی۔

حضرت مرزا غلام احمد کے ساتھ مخالفت کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے مضامین کے سمجھنے کے لئے سوچنے والا دماغ درکار ہے۔ جن لوگوں میں غور و فکر کا مادہ نہیں ہے وہ حضرت اقدس کے بہت سے مضامین کو پڑھ کر گھبرا گئے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید خلاف عقائد اسلام ہوگیا۔ لیکن وہ ہرگز خلاف اسلام نہیں ہوتا۔ صرف ان کے مطالب کے سمجھنے کے لئے غور و تدبر کی ضرورت ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس طرح عرب جیسے گنوار اُجڈ قوم کو اللہ نے غور و فکر کرنے والا و باریک باتوں کو سمجھنے والا بنا دیا۔ اسی طرح اب پھر اس کی رحمت جوش میں آکر مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک کر ان کو نہایت ہی اعلےٰ درجہ کا حکیم و فہیم بنانے والا ہے۔ مسلمانوں کے خدائی نور سے منور کئے ہوئے فلسفہ حقانی کے آگے فلسفہ شیطانی کو بہت جلد غارت ہونا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صور بڑے زور سے پھونکا جا رہا ہے۔ اور مُردوں میں جان پڑ رہی ہے۔ سڑی گلی ہڈیاں پھر جُٹ رہی ہیں۔ غفلت رکاہلی۔ گناہ کی تاریک قبروں سے لوگ زندہ ہو کر نکلے چلے آتے ہیں۔ اسلام کا اُجڑا ہوا باغ پھر ہرا بھرا ہونے والا ہے۔ ایک زبردست فرشتہ ساری قوم کو زور سے پکڑ کر ہلا رہا ہے کیا سونے والے اب سو سکتے ہیں۔ اے ناظرین

حاشیہ در حاشیہ: خود استفسارات کو کوئی صاحب غلط معنوں پر محمول کر کے ناحق مجھ پر کچھ الزام نہ دینے لگیں۔ اطلاعاً عرض کیا ہے۔

اس قسم کے مولوی صاحبوں کو دیکھ کر مجھ کو وہ قصہ یاد پڑ جاتا ہے۔ جو میں نے نہایت کم سنی میں پڑھا تھا۔

حکایت ایک بھیڑیا کسی ندی میں پانی پی رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ہزار قدم کے فاصلہ پر ندی کے بہاؤ کی طرف ایک بکری کا بچہ بھی پانی پیتا ہے۔ بکری کے بچہ کو دیکھ بھیڑیئے کا جی للچایا اور جی چاہا کہ کوئی الزام اس پر لگا کر اس کو مار دوں۔ یہی پہلا الزام یہ لگایا کہ پکار کر کہا۔ کیوں بے نالائق تو نے ندی کے پانی کو گدلا کر دیا۔ اور ہم کو پیاسا مارا۔ بکری کا بچہ بھیڑیئے کی غضب ناک صورت دیکھ کر گھبرایا اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ جناب اتنی بڑی ندی ہے کہ اس پار سے اس پار کا آدمی دکھائی نہیں دیتا اور دوسرے آپ ہزار قدم چڑھاؤ کی طرف پانی پیتے تھے پھر اگر مجھ غریب نے ایک چلو پانی پی لیا تو اس سے تمام ندی کا پانی کیونکر گدلا ہو سکتا ہے۔ یہ جواب سن کر بھیڑیئے نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو منطق پڑھا ہوا ہے اور تیری ذات بڑی حجتی ہے تو ایک نہ ایک بات نکال کر الزام سے بچنا چاہے گا۔ جب کوئی تجھ کو معقول ٹھہرانا چاہے گا تو پیچدار باتوں سے الٹا اسی کو خطا دار ٹھہرائے گا۔ اسی طرح تیرے باپ نے اس جنگل کے سارے جانوروں کا دم ناک میں کر دیا تھا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر اس کو مار ڈالا۔ اور اس کے عذاب سے قوم کو بچایا۔ کیا تجھ کو یہ بات یاد نہیں۔ پھر بھی تو باز نہ آیا۔ بکری کے بچے نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ جناب میرا باپ تو کسی بھیڑیئے کے ہاتھ سے نہیں مرا۔ وہ تو اپنے مالک کے بچے کے عقیقہ میں قربانی ہو گیا۔ بھیڑیئے نے کہا ہاں تو بڑا ہی نالائق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵: تم اس زبردست فرشتہ کی کارروائی کو اپنی نور بصیرت سے نہیں دیکھتے۔ اگر دیکھتے تو خوش ہو اور اللہ کا شکر کرو غم کے دن گئے۔ خوشی کے دن آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ یہاں پر اتنا کہنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عقل کی دوڑ کی بھی آخر ایک حد ہے مذہب کے میدان میں عقل دوڑ لگاتی ہے۔ لیکن ایک مقام ہے کہ وہاں اس کا قدم ٹھہر جاتا ہے۔ اور آج کل کے یورپ کے دہریوں کی طرح قدم نہ رکے تو سوار کو گرا کر تباہ و ہلاک کرتا ہے۔ عقل سلیم قرائن قویہ کو دکھا کر ایمان بالغیب کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے۔ اب جو سعید ہے وہ ایمانی باتوں میں فراست سے حق کی جھلک کو دیکھ کر مان لیتا ہے تو ایمان لانے کا ثواب پاتا ہے۔ ایمانی باتوں میں ایک پردہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اگر پردہ نہ ہو اور دن رات کی طرح سب باتیں کھلی کھلی دکھائی دینے لگیں۔ تو ہم کو ایک مخبر کے قول پر نیک گمان ہونے کا ثواب کیا ملے۔ اگر ہم فرشتہ کو ان آنکھوں سے دیکھنے اور دوزخ اور بہشت کی سیر بھی کر لیتے ہیں۔ تو پھر ان باتوں کے حق مان لینے میں کسی انعام کے ہم کیوں مستحق ٹھہرتے کیا اگر کوئی کہے کہ دن کو آفتاب نکلتا ہے یا چاندنی کی روشنی صاف ہوتی ہے۔ آگ سے آدمی جل جاتا ہے تو اس اقرار پر اس کو انعام کیا ملنا چاہیئے۔ یہ سب تو کھلی کھلی باتیں ہیں۔ اس لئے تو قیامت کے دن کا ایمان محض بے کار ہو گا۔ عقل کا کام یہی ہے کہ نبی کی نبوت کو زور آور دلیلوں سے حق ثابت کرے۔ پھر جب نبی کو سچا مان لیا۔ تو اس سچے مخبر کی خبر کو جو مخالف عقل نہیں ہے بلکہ جس کے سچے ہونے کے قرائن قوی پائے جاتے ہیں وہ بھی مان لے جائیں۔ مبارک ہیں وہ بندے جو اس طور سے ایمان لاتے ہیں۔ اور نبی کی ہدایت پر چل کر ایمان سے عرفان تک پہنچتے ہیں۔ ان کی عقل ان کے حق میں رحمت ثابت ہوتی ہے۔

اور حاضر جواب ہے۔ کسی سے بھی نتائی ہونے والا نہیں۔ بلکہ ساری خدائی اور خدا خوب جانتا ہے کہ تجھ سا بڑھ کر نالائق اس جہان میں کوئی نہیں۔ مجھ کو مار ڈالنا ہی ثواب ہے۔ یہ کہہ کر بے چارے بکری کے بچے کو بھیڑیئے نے پھاڑ ہی ڈالا۔

اے حضرات کافر بنانے والے کچھ بھیڑیئے ہی کے ڈھنگ کے ہوتے ہیں۔ جب ان کے دل میں کسی شخص کے کافر بنانے کا ارادہ آجاتا ہے۔ بیچارہ مظلوم ہزار الزام سے اپنی بریت چاہے۔ جس زور آور دلیل سے ثابت کرلے وہ ایک بھی نہیں سنتے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ خونخوار ملاّں جس کے مخالف ہوتے ہیں اس کی ہلاکت ہی میں وہ راضی ہوتے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ انگریزی کے عادلانہ رعب نے ان کو مجبور کر رکھا ہے لاچار کافر اکفر دجال ہی کہہ کر دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ آخر بے چارے کریں کیا۔ صفت درندگی کو بغیر کسی کی تباہی کے چین کیوں کر مل سکتا ہے۔ جان نہ سہی عزت و ایمان ہی سہی۔ جہان میں ایک شخص کو بے دین گمراہ مشہور کر دیا۔ اور دل کو قدرے ٹھنڈک مل گئی۔ جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اول مخالف بلکہ اصل مخالف کون ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی۔ یہ حضرت اردو کے اچھے منشی ہیں۔ وعظ بھی کہنا ان کو آتا ہے۔ پہلا کام ان کا یہی تھا کہ ہمارے مقلدین بھائیوں کے پیچھے جھاڑ کر پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اکثر ان کا مشغلہ یہی رہا ہے کہ کسی نہ کسی کلمہ گو کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور کبھی اس فعل کو اپنے ماہواری رسالہ میں برا بھی بیان کرتے ہیں۔ عجب دورنگی مزاج میں واقع ہے۔ اسی دورنگی طبع نے مرزا صاحب کے خلاف میں بھی اپنا عجیب رنگ دکھایا ہے۔ جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے براہین احمدیہ چھاپ کر شائع کی اور اس کا شہرہ سارے ہند میں ہوا۔ تو مولوی بٹالوی صاحب نے بھی اس پر ریویو لکھا۔ وہ ان کے ماہواری رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۶، ۷ بابت ماہ جون و جولائی و اگست ۱۸۹۴ء میں درج ہوا۔ ہم یہاں صرف دو چار جملے اس ریویو کے لکھتے ہیں۔ جن سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ مولوی صاحب حضرت مرزا صاحب کے بارہ میں کیا کچھ تعریفی کلمے لکھتے تھے۔

حضرت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کے بارہ میں جو اشتہار شائع کیا تھا۔ اس کے بارہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

"اس اشتہار کی نسبت ہم یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ مؤلف کی کمال ثابت قدمی اور عالی ہمتی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶: یہ برگزیدہ بندے جنہوں نے ان باتوں کو قرآن قوی سے صحیح پاکر بیان کیا اور نیک ہدایتوں پر عمل کیا۔ وہ اس انعام کے بھی مستحق ٹھہرتے ہیں کہ کشف کا دروازہ ان پر کھولا جائے اور جن باتوں کو پردہ کے اس پار سمجھتے تھے۔ اس کو وہ دیکھنے بھی لگیں۔

جناب سر سید احمد خان بہادر نے عقل کے گھوڑے کو حد سے بڑھایا۔ اس کا نتیجہ یہ پڑا جو لوگ آج دیکھتے ہیں خدا اس برے نتیجہ سے ہر مسلمان کو بچا دے۔ آمین۔

پر دلیل ہے اور مخالفین اسلام پر خدا تعالیٰ کی جانب سے کامل حجت پیدا ہوتی ہے۔"

پھر براہین احمدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی۔ جانی۔ قلمی۔ لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو اگر کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے، تو ہم کو کم سے کم ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت میں مالی و جانی۔ قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آ کر تجربہ و مشاہدہ کر لے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا غیر اقوام کو مزا بھی چکھا دیا ہو۔"

اسی ریویو میں آگے چل کر مولوی بٹالوی صاحب مصنف براہین احمدیہ جب لدھیانہ میں پہنچے تو ان کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"مسلمان ان کی فیض زیارت اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے ان کی برکات اور اثر صحبت کو دیکھ کر" جب امرت سر کے کئی مولوی صاحبان جناب مرزا صاحب کے مخالف ہوئے تو ان کے بارہ میں مولوی بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:۔ "اس انکار کا باعث ان کی کم فہمی اور بے ذوقی اور کسی قدر عموماً اہل اللہ اور اہل باطن سے گو نہ تعصبی ہے۔ ان کو خاص کر مؤلف براہین احمدیہ سے کچھ عداوت نہیں ہے۔" پھر آگے چل کر مولوی صاحب براہین احمدیہ کی نکتہ چینیوں کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔ "ہماری تحقیق و تجربہ و مشاہدہ کی رو سے یہ سب نکتہ چینیاں مذہبی ہوں، خواہ پولیٹیکل از سر تا پا سوء فہمی یا دیدہ و دانستہ دھوکہ دہی پر مبنی ہیں۔ اور بجز دعوئ الہام کے جو کچھ مؤلف کی نسبت کہا گیا ہے محض بے اصل ہے۔ نہ مؤلف کو نبوت کا دعویٰ ہے، نہ حصول خصوصیات انبیاء کا ادعا، نہ پولیٹیکل سرداری کا خیال ہے، اس لئے ہم اس ریویو میں نکتہ چینیوں کا جواب دیتے ہیں۔ اور ان تہمتوں سے کتاب اور مؤلف کے دامن کو پاک کرتے ہیں۔"

اے ناظرین اس چھوٹی سی کتاب میں گنجائش نہیں کہ میں زیادہ انتخابات اس ریویو کے کروں۔ لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے آپ انصاف کر سکتے ہیں۔ کہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ مولوی بٹالوی صاحب حضرت مرزا صاحب کو کس رتبہ کا بزرگ، اہل اللہ، اہل باطن اور حامی و ناصر اسلام سمجھتے تھے۔ لیکن جذبات نفسانی نے زور کیا تو طوطے کی طرح نظر بدل گئی۔ اب اگر کوئی مولوی صاحب سے سوال کرتا ہے کہ آپ ہی نے کس زور سے حضرت مرزا صاحب کی ولایت ثابت کی تھی۔ اور اب کافر بتاتے ہو تو جواب یہ ملتا ہے کہ مجھ کو

دھوکا ہو گیا تھا۔ اس دھوکا کی وجہ شاید یہ ہو کہ دونوں صاحبان بہت دور دور کے رہنے والے ایک دوسرے کے خیال سے ناواقف رہے اس لئے دھوکہ ہوا۔ وہ بھی اسی ریویو میں مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جیسے ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مرزا صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر میں جب ہم قطبی و شرح ملا جامی پڑھتے تھے۔ ہمارے ہم مکتب بھی ہیں۔ اس زمانہ سے آج تک ہم میں اور ان میں خط و کتابت ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں۔ مبالغہ قرار دیئے جانے کے لائق نہیں ہے۔" لیکن عبارت منقولہ اخیر سے ذرا سوچنے والے حضرات اصل وجہ مخالفت کو سمجھ گئے ہوں گے۔ ہم وطنی و ہم مکتبی ہم وطن و ہم مکتب بہت پیارا دوست بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ترقی و فروغ پر حسد کی آگ بھی خوب ہی تیز ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ مشہور ہے۔

اے حضرات ناظرین! آپ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت اور تکفیر نامہ کے اصل بھید کو سمجھ گئے ہوں گے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مسئلہ حیات و وفات مسیح علیہ السلام

دین میں استعارہ کا بہت بڑا صرف ہے۔ خدائی زبان استعارہ دل سے بھری ہوئی ہے تشبیہ بھی اللہ کی پسندیدہ بولی ہے۔ اس زبان کے ساتھ ایک عجیب امتحان و ابتلا بھی لگا ہوا ہے۔ موٹی سمجھ کے آدمی لفظوں کو پکڑ لیتے ہیں اور ہرگز ہرگز روحانی مطالب و معنی کی طرف جانا قبول نہیں کرتے اور اسی سے بہت بڑا جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ اہل الفاظ اور اہل معانی کا جھگڑا ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ عجب حالت ہے اگر اہل معانی اہل الفاظ کی حالت پر رحم کھا کر ان کو معذور سمجھیں اور اہل الفاظ اہل معانی پر نیک گمان ہو جائیں تو سارا قضیہ جلد طے ہو جائے لیکن کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ اہل معانی اپنے بھائی اہل الفاظ کی بھدی اور موٹی سمجھ دیکھ کر خفا ہوتے ہیں۔ اور ان کو نہایت ہی سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور اہل الفاظ ان حضرات کی نازک خیالیوں اور بلند پروازیوں کو بدعقیدگی گمراہی خیال کر کے لڑنے کو مستعد ہو جاتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں تو نوبت کشت و خون تک پہنچی تھی۔ لیکن اب زیر حمایت سلطنت انگلشیہ کشت و خون سے نجات ملی۔ لیکن کاغذی لڑائی خوب زور سے چلتی ہے۔

اگر کسی بزرگ کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ وہ تو ایسے کامل تھے کہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور کہنے والے کا یہ مطلب تھا کہ روحانی طور پر گناہ و غفلت کی موت سے جو مرے ہوتے ہوتے ان کو ایمانی زندگی عطا کرتے تھے۔ لیکن حضرات اہل الفاظ اس کے یہی معنے لیں گے۔ کہ سچ مچ وہ بزرگ کچھ پڑھ کر چھو کر دیتے ہوں گے اور مرا ہوا آدمی پھر جی کر کام کاج کرنے لگتا ہوگا۔ اگر کسی اہل اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی

وجہ معاش کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ آسمان سے اللہ بھیج دیتا ہے۔ پھر کیا ہے۔ اہل الفاظ نے یہ
مطلب سمجھ لیا کہ اسی نیلے آسمان سے جس میں رات کو تارے جھلکتے ہیں۔ روپیہ کی پوٹلی اس بزرگ کے آگے گر جاتی
ہوگی۔ اگر کسی بزرگ اہل اللہ کی موت کو تعریف کے الفاظ میں کسی نے یوں بیان کیا کہ انکو تو اللہ نے جیتے جی
اپنے پاس بلا لیا تو اس کے معنے یہ لگائے گئے کہ اس نیلے آسمان کے اوپر عرش ہے۔ پس ضرور وہ بزرگ کسی
سواری پر چڑھ کر اڑتے ہوں گے۔ (جس طرح لوگ بیلون پر آج کل اڑا کرتے ہیں) اور سات آسمان پار ہو کر
خدا کے پاس پہنچ گئے ہوں گے۔ غرض حیات و وفات مسیح علیہ السلام کا جھگڑا بھی اسی قسم کا ہے۔

یہودی جب انتہا درجہ کے نفس پرست اور دنیا کے کیڑے ہو گئے تھے اور ان میں ایمانی زندگی
کی بو باس تک نہیں رہی تھی۔ اس وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے۔ حضرت عیسےٰ
کی باریک باتوں کو یہ دنیا کے کیڑے سمجھ نہ سکے اور اسی لئے ایک سچے نبی کو کاذب سمجھ لیا اور بغض و عداوت
میں اسی قدر بڑھے کہ چاہا کہ کسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام قتل کئے جائیں اور صلیب پر چڑھائے جائیں اور
اس کارروائی میں ان کا مطلب ایک اور بھی تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ جو صلیب دیا جاتا ہے وہ ملعون
ہوتا ہے۔ اور جو نبوت کا دعویٰ کرے اور قتل کیا جائے وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہے۔ پس یہودیوں کی یہ
خواہش ہوئی کہ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہو جاویں تو ان کا سارا دعویٰ باطل ہو جاوے
(معاذ اللہ منہا) وہ ملعون و کاذب خود اللہ کے کلام سے ثابت ہو جاویں گے۔ چنانچہ یہودیوں نے اس میں
پوری کوشش کی اور اپنے زعم میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکا ہی دیا۔ لیکن مشہور ہے۔ جاکو
راکھے سائیاں تاہ نہ مارے کوئی۔ حافظ حقیقی نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب کی موت سے بچا لیا۔
لیکن یہودی اپنے اسی باطل خیال میں اڑے ہوئے ہیں۔ گو دل میں ان کے شبہ بھی پڑا ہوا ہے۔ اور جو
اطمینان ایمان سے حاصل ہوتا ہے وہ نہیں ہے۔ عیسائیوں نے یہ غضب کیا کہ یہودیوں کے دعویٰ کو قبول کیا
اور کہا کہ بے شک عیسےٰ ملعون ہوئے لیکن وہ اسی لئے ملعون ہوا کہ سارے بنی آدم کو لعنت سے چھڑا دے۔ اور
کفارہ کا مسئلہ گھڑا۔ یہودی اور عیسائی حضرت عیسےٰ کو مصلوب و مقتول ہی سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ غیرت
الٰہی جوش میں آئی اور حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان میں تشریف لا کر اس برگزیدہ
نبی کو اس ناپاک الزام سے بری کیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جہان کو اللہ کا فیصلہ سنا
دیا۔ وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما
صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم
بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان
اللہ عزیزاً حکیماً۔ (سورۂ نساء) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو مار ڈالا۔
لیکن نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ صلیب دیا۔ لیکن ان کو شبہ ہو گیا اور ان کو اس کا ٹھیک پتہ نہیں ہے۔

حرف اٹکل پر چلتے ہیں ۔ یقینی بات یہ ہے کہ ہرگز نہیں مارا ۔ بلکہ خدا نے ان کو اپنے پاس بلا لیا اور اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے ۔

اب سارا جھگڑا اسی رفع کے لفظ میں ہے ۔ حضرت مرزا صاحب اس کے روحانی معنے لیتے ہیں اور مخالفین جسمانی ۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰے قتل اور صلیب سے بچ کر چند عرصہ تک زندہ رہے ۔ اور اس کے بعد جس طرح کل بنی آدم موت کی لذت چکھتے ہیں ۔ حضرت عیسٰے بھی وفات یافتہ لوگوں کی جماعت میں داخل ہو گئے ۔ ہاں بے ایمانوں نے ملعون اور کاذب ہونے کا الزام حضرت عیسٰے علیہ السلام پر لگایا تھا ۔ اس سے اللہ ان کو پاک کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم نے تو ان کو اپنے پاس بلا لیا ۔ انبیاء بعد وفات کے اللہ جل شانہٗ کے پاس جاتے ہیں اور جس طرح شہداء کو ایک قسم کی زندگی فوراً بعد مرنے کے عطا ہوتی ہے ۔ اسی طرح انبیاء بھی بعد رحلت کے ایک نورانی جسم کے ساتھ اللہ کے پاس زندہ رہتے ہیں ۔ اور رفع درجات ہوتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن میں فرماتا ہے ۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات ۔ یعنی سب نبی اپنے مرتبہ میں برابر نہیں ہیں ۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کو روبرو کلام کرنے کی عزت دی جاتی ہے ۔ اور بعض وہ ہیں جن کا رفع درجات سب سے بڑھ کر ہے ۔ علماء کو حضرت ادریسؑ کی وفات میں اتفاق ہے کیونکہ ان کے دوبارہ اس جہان میں آنے کا کچھ ذکر نہیں ۔ اور ہر نفس کی موت کا مزا چکھنا قرآن مجید سے ثابت ہے پس حضرت ادریسؑ کے بارہ میں اللہ فرماتا ہے ۔ ورفعناہ مکاناً علیاً ۔ یہاں رفع کے معنی اگر رفع روحانی لیا جاتا ہے تو لازم ہے کہ یہی معنی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے واسطے بھی لئے جائیں ۔ خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ رفع کو اپنے بارہ میں استعمال فرمایا کہ وہ مجھ کو زیادہ عرصہ تک قبر میں نہ رہنے دے گا ۔ بلکہ جلد میرا رفع ہو جائے گا ۔ اب حضرت صلعم کے جسد مبارک کا مدینہ میں ہونا سب ہی جانتے ہیں ۔ پھر اس حدیث میں رفع سے رفع درجات روحانی ہی مراد ہے ۔

مجھ کو ابھی تک اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ غلط خیال سراسر خلاف قرآن وحدیث مسلمانوں میں کیونکر پھیل گیا ۔ کہ حضرت عیسٰےؑ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے گئے اور پھر قیامت کے قریب اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اتر آدیں گے ۔ آیا یہ خیال عیسائیوں کی طرف سے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے ۔ پھیلا یا کس طرح پھیلا ۔ خدا خوب جانتا ہے ۔

حضرت عیسٰےؑ کا وفات پا جانا تو قرآن مجید سے روز روشن کی طرح ثابت ہے ۔ اللہ فرماتا ہے یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ ۔ یعنی اے عیسٰی میں تجھے وفات دینے والا ہوں ۔ پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں کی تہمتوں سے

پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین (ایک جھوٹے ناحق عیسائی کہلاتے ہیں اور ایک سچے یعنی ہم مسلمان) کو تیرے منکرین پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں[1]۔

مرقومہ بالا مضمون سے ظاہر ہے کہ اللہ نے حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ چار وعدے علی الترتیب کئے۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ پورے بھی ہوئے۔ پہلا وعدہ وفات کا دوسرا وعدہ عزت کے ساتھ اپنی طرف لے جانا تیسرا وعدہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اُن تہمتوں اور جھوٹے الزاموں سے جو یہودی اور نام کے عیسائی حضرت عیسےٰؑ پر لگاتے تھے، بری کرنا اور چوتھا وعدہ یعنے مسلمانوں اور برائے نام عیسائیوں کو یہودیوں پر غالب کر دینا۔ یہ چاروں وعدے کس طرح پورے ہوئے! افسوس تو یہ ہے کہ بعض مولوی صاحبان جو صرف لکیر کے فقیر ہیں اور جن میں غور و فکر کا کچھ بھی مادہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت عیسےٰؑ قریب قیامت کے تشریف لا کر انتقال فرمائیں گے اس لئے یہ ترتیب درست نہیں۔ پہلے رافعک ہونا چاہئے اور پھر متوفیک۔ خدا کے کلام میں نقص نکالنا اور ترتیب کلام مجید میں جو افصح و ابلغ ہے دخل دینا انہیں دلیروں کا کام ہے ہم تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم عیسےٰؑ سے سوال کریں گے کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو خدا کا بیٹا اور خدا کہو تو وہ جواب دیں گے۔ فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ یعنی اے خدا جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی نگہبان رہا یعنی میرے بعد ان لوگوں نے کیا کیا بُرے عقیدے تصنیف کئے مجھے اس کی کیا خبر۔ اب یہاں پر تو الفاظ قرآن کریم کے الٹ پلٹ کرنے سے بھی کام نہیں چلتا۔ اگر حضرت عیسےٰؑ کو وفات یافتہ نہ مانا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عیسائی بگڑے بھی نہیں۔ ان دقتوں پر غور کر کے بعض مولوی صاحبوں نے کہا کہ اگر 'توفی' کے معنی ہی درست کر دیئے جائیں۔ تو سب اعتراضات دفع ہو جاتے ہیں۔ پس 'توفی' کے ایک نئے معنے گھڑ لئے گئے ہیں۔ یعنی پورا پورا اٹھا لینا۔ یعنی جسم کے ساتھ آسمان پر اڑا لینا۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے

---

[1] قرآن مجید کی یہ پیشگوئی کیسی سچی ثابت ہوئی منکرین عیسیٰ یعنی یہودیوں کی ایک چھوٹی سی سلطنت بھی اس سارے جہان میں نہیں ہے۔ ان کے متبرک مقامات تو ہم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور نام کے عیسائی کے بھی تابع فرمان[2] بنا رہے ہے۔ ہر جگہ ان کو ذلت ہی ذلت نصیب ہوئی۔ اور قیامت تک ہوتی رہے گی: منہ

حاشیہ در حاشیہ [2]: یعنی متبرک مقامات میں مسلمانوں کے تابع ہیں۔ منہ

کہ جس لفظ کو برابر موت ہی کے معنے میں اہل عرب استعمال کرتے آئے ہیں اس کے ایک خاص معنے گھڑے جاویں۔
خود قرآن کریم میں توفی کا لفظ پچیس مقام میں آیا ہے اور ہر جگہ موت ہی کے بارہ میں استعمال ہوا ہے۔ پھر
صحیح بخاری۔ صحیح مسلم ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی۔ مؤطا۔ شرح سنۃ وغیرہ کو ورق ورق کر کے دیکھا
گیا۔ تو معلوم ہوا کہ توفی کا لفظ ۳۴۶ جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ قبض روح ہی کے معنے لئے گئے ہیں۔
بلکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک اشتہار بھی دیا کہ اگر کوئی قرآن کریم۔ حدیث شریف۔ عربی کے اشعار
قصاید۔ نظم و نثر قدیم و جدید سے یہ ثبوت پیش کرے کہ لفظ توفی جب خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں کسی جاندار
کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ تو سوائے موت کے اور بھی کوئی معنے لئے گئے ہوں۔ تو اس کو ایک ہزار (١٠٠٠) روپیہ
انعام دیا جائے گا۔ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت تو بہت کی جاتی ہے۔ لیکن ایک صاحب نے بھی یہ ہزار روپیہ
حضرت اقدس سے وصول نہیں کیا۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ جس لفظ کے معنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلعم
نے کل صحابہؓ نے کل اہل عرب نے ایک ہی مقرر کئے ہوں اس کے معنی بدلے جاویں اور ایک نئے معنی گھڑے
جاویں ایک حدیث صحیح بخاری کی قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔
کہ قیامت کے دن بعض لوگ میری امت میں سے آگ کی طرف لائے جائیں گے۔ تب میں کہوں گا اے میرے رب یہ
تو ہمارے ہیں۔ تب کہا جائے گا کہ تجھے ان کے کاموں کی خبر نہیں جو ان لوگوں نے تیرے پیچھے کئے۔ سو اس وقت
میں کہوں گا جو ایک نیک بندے نے کہا کہ میں ان میں جب تک تھا ان پر گواہ تھا۔ پھر جب تو نے مجھ کو وفات دے دی
تو پھر تو ہی ان کا نگہبان اور محافظ تھا۔ اس حدیث میں وفات دے دی کی جگہ عربی میں لفظ فلما توفیتنی
کا جو قرآن میں ہے اس کو حضرت صلعم نے اپنے بارہ میں استعمال کیا ہے۔ اب کیا کوئی مسلمانوں میں ایسا بھی ہے
جو اس بات کا قائل ہو کہ آنحضرت صلعم معہ جسم کے آسمان پر اٹھائے گئے۔ اب اگر سید المرسلین صلعم نے وفات
پائی تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بھی وفات پائی۔ سچی بات یہ ہے کہ دونوں صاحب زندہ ہیں۔ اور اس عالم جسمانی
سے وفات پائے ہوئے زندوں کی جماعت میں داخل ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ اس جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں۔
تو عالم جسمانی سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ پھر معراج میں حضرت پیغمبر خدا صلعم نے ان کو حضرت یحییٰ کے ساتھ کیوں نکر
دیکھا۔ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انبیائے سابقین سے ملاقات کا بیان کیا۔ تو کیا یہ بھی فرمایا کہ اور وفات
یافتہ نبیوں سے علیحدہ حضرت عیسٰے السلام کو آپؐ نے اسی جسم خاکی کے ساتھ زندہ پایا؟ بلکہ معراج کی حدیث
میں اس کا صاف صاف بیان ہے کہ حضرت نے ان کو انہیں انبیاؤں کے ساتھ دیکھا جو اس عالم جسمانی سے
گذر چکے ہیں۔ اور کوئی نبی مابہ الامتیاز ان میں اور وفات یافتہ نبیوں میں نہ تھی۔ ایک بات اور بھی قابل غور ہے
کہ حضرت مسیح کی گواہی قرآن میں یوں درج ہے کہ مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد
یعنی حضرت عیسٰےؑ فرماتے ہیں کہ میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد آئیگا۔
اور نام اس کا احمد ہوگا۔ پس اگر حضرت عیسٰے اس عالم سے تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ قریب قیامت کے تشریف لا دی

کرنے کے بعد رحلت فرمائیں گے ۔ اُس وقت اس عالم جسمانی سے علیحدہ ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابھی تک اس عالم میں تشریف نہیں لائے ۔ مانا جانا دونوں ایک ہی رنگ کا ہونا چاہیئے ۔ ایک عالم روحانی کی طرف جاوے اور دوسرا اُس عالم سے اس دار فانی میں آوے ۔

بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو وعدہ ہے ۔ انی متوفیک ورافعک الخ اس میں وعدہ وفات دینے کا ہے ۔ لیکن تب وہ پورا ہوگا جب حضرت عیسےٰ قریب قیامت کے تشریف لاکر مسلمانوں کی اعانت فرمائیں گے ۔ لیکن وہ اس پر خیال نہیں کرتے کہ فلما توفیتنی کہہ کر وہ وعدہ پورا ہو چکا ہے

یہ خیال کہ کل مفسرین قرآن اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کچھ دلیل نہیں ۔ غور کرنے کی جگہ ہے کہ رفع روحانی حضرت عیسےٰ کے بارے میں کیسی مختلف رائیں مفسرین لکھتے ہیں ۔ کوئی لکھتا ہے کہ چند گھنٹے کے لئے حضرت عیسےٰ مرگئے تھے ۔ اس کے بعد زندہ کرکے اٹھائے گئے ۔ قریب قیامت کے پھر آئیں گے ۔ زندہ رہ کر پھر دوبارہ موت کی لذت چکھیں گے سارے عالم کے لوگ ایک بار موت کا ذائقہ چکھیں اور حضرت عیسےٰ دوبارہ ۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اندھیر ہو سکتا ہے ۔

جب جناب پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے انتقال فرمایا ۔ تو صحابہ جو عاشقان رسول اکرم تھے ان پر اس جدائی کا ایسا قلق ورنج ہوا کہ جو بیان سے باہر ہے ۔ کوئی تو ایسا بدحواس ہوگیا کہ کسی سے کلام کرنے کی تاب وطاقت نہ رہی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عجیب حالت ہوئی ۔ وہ تو تلوار لے کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے جو کوئی حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات یافتہ کہے گا اس کے سر کو اُتار دوں گا ۔ حضرت تو خدا کے پاس مثل حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے تشریف لے گئے ہیں اور بہت جلد واپس تشریف لاویں گے ۔ غرض سب صحابہؓ کی عجیب حالت تھی ۔ لیکن سب سے بڑھ کر حضرت صلعم کے عاشق جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باوجود سخت صدمۂ قلبی کے ایسا تحمل اور استقلال مزاج میں رکھتے تھے کہ حضرت بی بی عائشہؓ کے گھر آئے اور دیکھا کہ حضرت نے رحلت فرمائی تو چادر اٹھاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف جھکے اور چوما اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے خدا ہرگز آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا ۔ پھر لوگوں میں آکر آپ نے خطبہ پڑھا اور مسلمانوں کو واقف کیا کہ جو مرتا ہے وہ پھر دنیا میں نہیں آتا ۔ اور قرآن مجید کی وہی آیت کی تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ۔ یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صرف ایک نبی ہیں ۔ ان سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ۔ اب اگر وہ بھی فوت ہو جائیں ۔ یا قتل کئے جائیں تو ان کی نبوت میں کون سا نقص آوے گا کہ تم دین سے پھر جاؤ گے ۔ اس آیت کا ایک عجیب اثر صحابہؓ پر ہوا ۔ خصوصاً حضرت عمرؓ پر ۔ ان کو تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا ابھی یہ آیت نازل ہوئی ہے

کل خیالات غلط مثل بادل کے پھٹ گئے۔ اور حق بات روز روشن کی طرح چمک اٹھی۔ پھر سب کا خیال اس طرف جھکا کہ حضرت کا نائب چنا جائے اور تجہیز و تکفین کی جائے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ جس غلطی کو حضرت ابوبکرؓ نے مٹا یا تھا اُسی غلطی میں پھر مسلمان گرفتار ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم کے بلیغ کلام میں غور نہیں کرتے کیا کہیں بھی اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ سب نبی تو مر گئے۔ الا عیسیٰ حبیب اللہ پاک سب ہی کو اموات میں داخل کرتا ہے تو قطعی فیصلہ کے خلاف لوگ کیوں بے دلیل بات کی طرف گر پڑتے ہیں ہمارے حضرات ہم کو قرآن و حدیث پر ایمان لانا چاہیئے۔ کسی باطل خیال پر خواہ کسی مقدس ہی کا خیال ہو۔ باوجود سمجھنے کے کہ وہ خیال خلاف قرآن و حدیث ہے۔ تعصب و ضد سے قائم رہنا اور حق کو قبول نہ کرنا کیا ایمانداروں کی نشانی ہے سب صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کو مان لیا اور سب کا اجماع ہو گیا کہ کل انبیاء وفات پا چکے ہیں اور حضرت صلعم بھی اس سے خارج نہیں ہیں۔ اے مسلمانو! تم بھی اس فیصلہ کو حق مان لو اور ضد نہ کرو ؎

اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا ∴ موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا
یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں ∴ چل بسے سب انبیاء و راستاں
ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات ∴ یونہی باتیں ہیں بنائیں واہیات
کیوں بنایا ابن مریم کو خدا ∴ سنت اللہ سے وہ کیوں باہر رہا
مر گئے سب پر وہ مرنے سے بچا ∴ اب تلک آئی نہیں اس پر فنا
کیا بشر میں ہے خدائی کا نشاں ∴ الاماں ایسے گماں سے الاماں
ہے تعجب آپ کے اس جوش پر ∴ فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر
کیوں نظر آتا نہیں راہ صواب! ∴ پڑ گئے یہ کیسے آنکھوں پر حجاب!

کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوف خدا

جب آدمی تعصب کے گڑھے میں نہیں گرتا ہے اور عقل سیدھی رہتی ہے تو حق بات اس کے منہ سے آپ نکلتی ہے۔ آپ خیال فرمایئے کہ ہندوستان کی اکثر مساجد میں یہ خطبہ پڑھا جاتا ہے جس کے اشعار یہ ہیں ؎

آدمؑ کہاں حوا کہاں مریم کہاں عیسےٰؑ کہاں ∴ ہارونؑ اور موسیٰؑ کہاں اس بات کا ہے سب کو غم
کجا شد آدم و حوا کجا شد یوسفؑ و موسیٰ ∴ کجا ایوبؑ و زکریاؑ کجا شد نوحؑ طوفانی!
کجا شد عیسےٰ مریم کہ مردہ زندہ میکردے ∴ سلیمانؑ خود رفتہ کجا تخت سلیمانی

خلیل اللہ کجا رفت و ذبیح اللہ کجا رفتہ
ہمہ در خاک شد آخر بہشت خاک پنہانی

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے جسم خاکی کے ساتھ زندہ ماننے میں چند طرح کی دقتیں ہیں۔ جن پر ہر عاقل

کو غور کرنا ضروری ہے۔ (۱) اللہ فرماتا ہے جسم بغیر غذا کے رہ نہیں سکتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمان پر کھانے، پینے سونے اور انسانی جسم کے ساتھ جو ضرورتیں ہیں ان کا بھی بندوبست کیا گیا ہو لیکن آسمان پر یہ سب کہاں۔ (۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰؑ کو حکم فرماتا ہے کہ جب تک زندہ رہنا نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا۔ آسمان پر تو نماز پڑھ لیتے ہوں گے لیکن آسمان پر زکوٰۃ کس کو دیتے ہوں گے (۳)۔ اللہ فرماتا ہے کہ بعض تو عمر طبعی سے پہلے مر جاتے ہیں اور بعض زندہ رہتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کو پہنچ کر نادان محض ہو جاتے ہیں، اس قانون خداوندی سے تو حضرت عیسےٰ انیس سو برس کی عمر ہونے کی وجہ ارذل عمر سے بھی زیادہ نادان اور بوڑھے ہو گئے ہوں گے دوبارہ آکر کیا کام کر سکیں گے (۴) اللہ فرماتا ہے کہ تم جہاں رہو اگرچہ اونچے برجوں میں کیوں نہ ہو موت ضرور پکڑے گی، پھر حضرت عیسےٰؑ آسمان پر بھی کیوں نہ ہوں۔ اس پکڑ سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ (۵) حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی ایسی مخلوق زمین پر نہیں کہ اس پر سو برس گزرے اور وہ زندہ رہے۔ اور مسلم نے جابر سے یہ روایت کی ہے کہ اس بیان پر حضرت صلعم نے قسم بھی کھائی پھر اس قاعدہ سے حضرت عیسےٰؑ کیونکر بچ گئے؟

مندرجہ بالا بیان کو سن کر ایک بزرگ نے کہا کہ کیا جلّ شانہٗ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ایک اولوالعزم نبی کو آسمان پر جگہ دے اور اس کے جسم کو ایسا نورانی بنا دے کہ پھر اس کو کھانے پینے اور انسانی احتیاجوں کی محتاجی باقی نہ رہے اور اس پر نہ زمانہ اثر پہنچا سکے نہ اس پر موت کے دانت چل سکیں۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بے شک اللہ اس بات پر ضرور قادر ہے اور ایسا ہی اس نے کیا بھی ہے لیکن اسی کا نام وفات یافتہ ہونا ہے۔ یہاں پر ایک حکایت یاد آتی ہے۔ ایک نہایت شریف خاندان کے لڑکے نے اس طور پر پرورش اور تعلیم پائی کہ زمانہ کے حالات سے واقف ہونے کا بہت ہی کم موقعہ ملا۔ صرف کتابوں میں بری باتوں کا نام اس نے پڑھا۔ لیکن خوش قسمتی سے ان برائیوں سے واقف نہ ہوا۔ ایک بار اس کو ایک عزیز کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اس کو ایک لڑکے نے تاش کھیلنا سکھلایا۔ اور شرط لگا کر کھیلا۔ جس میں پہلے تو حضرت کچھ جیتے۔ لیکن اخیر میں کئی روپے ہار گئے۔ جب اپنے گھر واپس آئے تو اپنے رفیق سے اس کھیل کا تذکرہ کیا وہ کہنے لگا کہ تم نے جوا کھیلا۔ تو حضرت نہایت غصہ ہوئے کہ لاحول ولا قوۃ میں کیوں ایسے گناہ کا مرتکب ہونے لگا۔ جوا کھیلے میرا دشمن۔ خدا کی پناہ میں اور جوا کھیلوں۔ وہ رفیق برابر سمجھاتا رہا کہ حضرت جوا اسی کو کہتے ہیں۔ لیکن اس بیچارے کی سمجھ میں نہ آیا۔ اسی طرح وہ حضرات جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ نورانی جسم کے ساتھ وفات یافتہ نبیوں میں جا ملے۔ اور ضروریات جسم و تبدّلات زمانہ سے آزاد ہو گئے۔ تو اصل میں وفات یافتہ ہی حالت کا بیان کرتے ہیں۔ لیکن اسی رئیس زادہ کی طرح جو جوئے سے چڑتا تھا۔ لیکن اصل میں جوا کھیلا تھا یہ حضرات سب کچھ دیکھ جانتے ہیں جو وفات یافتہ انبیاء کے ساتھ بعد وفات پیش آتا ہے۔ لیکن صرف لفظ متوفّی سے چڑتے ہیں اور گھبراتے ہیں۔ اللہ ان بھولے بھالے آدمیوں پر رحم کرے اور سمجھ عنایت فرمائے۔ آمین

حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب کا دعویٰ

حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب کا دعویٰ جس نے حقیقت میں ہندوستان میں ہل چل مچا دی ہے اور کئی مولوی صاحبوں کو شدت غیظ و غضب میں ڈال رکھا ہے ۔ وہ دعویٰ مثیل عیسےٰ اور عیسےٰ موعود ہونے کا اور صاحب کشف و الہام ہونے اور مہدی موعود ہونے کا ہے ۔ لیکن اگر ذرا بھی انسان غور کرے تو اس کو صاف معلوم ہوگا کہ یہ دعویٰ ایسا نہ تھا کہ جس پر اس قدر شور و غل مچایا جاتا ۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت عیسےٰ نے انتقال فرمایا تو پھر یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ جو مرگیا وہ پھر اس عالم فانی میں نہیں آتا ۔ انھم لا یرجعون کہہ کر مالک نے اس دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ۔ لیکن احادیث نبوی میں حضرت عیسےٰ کے نازل ہونے کے بارہ میں ایسی صاف حدیثیں ہیں کہ جس سے انکار کرنا محال ہے ۔ تو پھر آخر اس اختلاف کو کیوں کر دور کیا جاوے ۔ یہ دستور ہے کہ جب کلام الٰہی اور حدیث نبوی میں اختلاف پڑتا ہے تو پہلے علمائے حقانی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ حدیث شریف کی کوئی معقول تاویل کریں (ہم آگے چل کر ایک حدیث کی نہایت ہی خوبصورت تاویل جو علمائے کی ہے بیان کریں گے) اور اگر کسی تاویل سے ممکن ہی نہ ہو کہ اس حدیث کو مطابق قرآن کریم کے کیا جاوے ۔ تو پھر لاچار اس کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں ۔ حضرت مرزا صاحب کا بیان ہے کہ عیسےٰ کا نزول اسی طرح کا نزول ہے جس کو خود حضرت عیسیٰؑ نے بیان فرمایا ہے ۔

بائیبل میں لکھا ہوا ہے کہ ایلیاؑ یا ادریسؑ آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ ایک وقت آسمان سے نازل ہونے کے کیا معنی ہیں فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کے پیدا ہونے سے پہلے حضرت ادریس ہی نازل ہو گئے ۔ یعنی ان دو نبیوں کی روحانی بناوٹ ایک ڈھنگ پر ہے ۔ پس ایک کا آنا گویا دوسرے کا آنا ہے ۔ اس فیصلہ کو یہودیوں نے نہ مانا اور وہ ابھی تک منتظر ہیں کہ حضرت ایلیاؑ آسمان سے نازل ہوں گے اور چونکہ حضرت عیسےٰ کا آنا بعد نازل ہونے حضرت ایلیا نبی کے تھا اس لئے یہود کسی طرح حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لائے ۔ افسوس یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے فیصلہ کو نہ مانا اور ابھی تک آسمان ہی کو تک رہے ہیں ۔ اور آنے والا آیا بھی اور گیا بھی ۔

جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسےٰ کا انتقال فرمانا قطعی امر ہے تو نزول حضرت عیسےٰ سے مراد صرف یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جو مثیل عیسےٰ ہو اور یہ کچھ مشکل امر نہیں ہے ۔ اللہ جل شانہ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی بلند درجہ عطا فرمایا ہے کہ ہزارہا عیسےٰ صفت آپ کی امت مرحومہ میں پیدا ہوئے اور ہونے والے ہیں ۔ حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" سے ظاہر ہے اور ایک حدیث صحیح بخاری

کہ اس بیان کی تائید میں بہت زور آور ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم یعنی اس دن تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ وہ کون ہے، تمہارا ہی ایک امام ہوگا۔ جو تم میں سے ہی ہوگا۔ ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰے کا حلیہ بیان فرمایا (جیسا کہ آپ نے معراج میں ان کو دیکھا تھا) تو ارشاد فرمایا کہ ان کا رنگ سُرخ تھا اور سر کے بال گھونگر والے تھے اور ایک دوسری حدیث میں آنے والے عیسٰی کا حلیہ آپ نے فرمایا کہ ان کا رنگ گندمی اور سر کے بال سیدھے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل نہایت گورے اور سُرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ وہ گندمی رنگ کے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے حضرت عیسٰے بنی اسرائیلی آسمان پر عرصہ دراز تک قیام کرنے کے بعد اور بھی سُرخ و سفید ہو جائیں گے نہ کہ گندمی۔ آسمان کچھ مدراس کا شہر تو نہیں ہے۔ جہاں موسم سرما کا گزر ہی نہیں۔ اور آفتاب کی حرارت ایسی تیز ہے کہ گورا بھی کالا ہو جاتا ہے یہ خاکسار تھوڑے دنوں کے لئے منصوری پہاڑ پر جو سمندر کی سطح سے آٹھ ہزار فٹ بلند ہے رہا تھا۔ تو کچھ رنگ صاف ہو گیا تھا تو کیا چوتھے آسمان کی آب و ہوا منصوری پہاڑ سے بھی گھٹ ہے کہ حضرت عیسٰے کا رنگ سُرخی سے بدل کر گندمی ہو جائے گا۔ سوچنے والے اگر سوچیں تو ضرور یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ دونوں صاحبان دو علیحدہ اشخاص ہیں* حضرت مرزا صاحب نے عیسٰی ابن مریم کے معنی جو بیان فرمائے ہیں اس پر غور کرنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لسان تصوف میں جس شخص کو باقی باللہ کہتے ہیں وہی عیسٰے ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

درآں ابن مریم خدائی نبود ⁂ ز موت و ز فوتش رہائی نبود!

رہا کرد خود را ز شرک و دوئی ⁂ تو ہم کن چنیں ابن مریم توئی!

پس جب یہ معنی عیسٰے بن مریم کے لئے جائیں تو اس پر شور و غل مچانے کی کیا وجہ ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے ⁂ جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا!

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب ⁂ خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

ذرا غور کرنے کی جگہ ہے کہ کسی حکیم کو مسیحا کہا جائے تو مضائقہ نہیں۔ کوئی اپنے معشوق کو مسیحی کہے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب مسیحائی کا دعوٰی کریں تو دنوں میں آگ لگ جائے۔ خدا ایسا رہے علما کی حالت پر رحم کرے اور انہیں حسد و عداوت کی آگ میں جلنے سے بچا دے۔ ہاں حضرت مرزا صاحب کو جو یہ الہام ہوا کہ وہ مسیح جس کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی وہ تو ہے۔ اگر اس الہام میں کسی کو شک تھا۔ تو لازم تھا کہ انتظار کرتا اور دیکھتا کہ حضرت مرزا صاحب مسلمانوں کی مُردہ قوم کو زندہ کرنے میں کیا مسیحائی کرتے ہیں۔ اگر حضرت کا الہام خدا کی طرف سے ہے تو خدا کی تائید بھی ان کے شامل حال ہوگی۔ اور اگر معاذاللہ

* ہیں گر صفات روحانی میں ایک ہیں ایک توے کی دو روٹی، کیا چھوٹی کیا موٹی

یہ دعویٰ الہام جھوٹا ہے تو کیا اللہ جھوٹے مدعی الہام کو ایک زمانہ دراز تک مہلت دے سکتا ہے اور کیا قانون خدا یہی ہے کہ نصرت و کامیابی مفتری و کذاب ہی کی ہوا کرے۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ نیم کے درخت سے میٹھے آم کی امید خیال باطل ہے۔

اے ناظرین میں اس کتاب میں ایک باب علیحدہ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس عرصہ قلیل میں حضرت مرزا صاحب کی ذات بابرکات سے کیا کیا نفعے مسلمانوں کو پہنچے۔ اے ناظرین ذرا انصاف سے اس کو پڑھنا اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہنا کہ یہ کامیابیاں اللہ پاک کی جانب سے مفتری اور کذاب کو عنایت ہوتی ہیں اور ابھی ہوا کیا ہے۔ حضرت اقدس کو وہ وہ کامیابیاں ہونے والی ہیں کہ جن کی مثال تاریخ اسلام میں دکھانی مشکل ہوگی۔

بعض صاحبوں کو اس کا تعجب ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو دو شخصوں کے ہونے کا دعویٰ ہے مسیح موعود بھی وہی ہیں اور مہدی بھی وہی ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ذرا سا غور کر کے دیکھنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آ سکتی ہے۔

اولاً تو جو حدیثیں امام مہدی کے بارہ میں آئی ہیں ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ محمد اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمۃ و حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیحوں میں ان حدیثوں کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔

جن بزرگوں کی حدیثوں کی تلاش و تحقیق میں عمریں گذر گئیں ہوں ان کو امام مہدی کے بارہ میں کوئی حدیث نہ ملی۔ دل یہی گواہی دیتا ہے کہ ضرور ان صاحبوں نے ان حدیثوں کو کمزور پا کر متروک کیا ہوگا۔ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ لا مھدی الا عیسیٰ۔

ایک بات اور بھی غور کے قابل ہے کہ جب امام بخاری نے جو حضرت عیسٰے کے بارہ میں وہ حدیث درج کی ہے جس میں صاف لفظوں میں ان کی تعریف یہ ہے۔ اماماکم منکم پس اگر حضرت عیسٰے مسلمانوں کے امام ہوں گے تو ایک ہی زمانہ میں دو اماموں کا ہونا کیونکر ممکن ہے۔ نہ صرف لفظ امام ہی صحیح بخاری میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ حَکَم عَدل و مُقسط بھی درج ہے۔ جن کے صاف معنی امام کے ہیں۔ پس ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بزرگ کو آخری زمانہ میں مردہ مسلمانوں میں روحانی زندگی کو پھونک کر مسیحائی کا کام کرنا ہے۔ وہی شخص اپنے زمانہ کا مہدی بھی ہوگا۔

ایک عجیب پیشگوئی

دہلی کے پاس کے رہنے والے ایک ولی اللہ صاحب گذرے ہیں۔ ان کا زمانہ ۵۶۰ھ ہے یعنی سات سو ترپن برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ اس خدا کے پیارے بندے نے ایک قصیدہ کہا تھا۔ اس قصیدہ کو پورا پورا جناب مولوی محمد اسمٰعیل شہید صاحب نے اپنی کتاب اربعین فی احوال المہدین میں درج کیا تھا یہ رسالہ ۲۵ محرم الحرام ۶۰ھ میں چھپ بھی گیا تھا۔ حقیقت میں یہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب قصیدہ ہے۔ میں اس چھوٹی کتاب میں اس کے چند اشعار ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ؎

قدرت[1] کردگار می بینم — حالت روزگار می بینم

از نجوم[2] این سخن نمی گویم — بلکہ از کردگار می بینم

غین[3] و رے سال چوں گذشت از سال — بوالعجب کاروبار می بینم

گرد[4] آئینہ ضمیر جہاں — گرد و زنگ و غبار می بینم

ظلمت[5] ظلم ظالمان دیار — بے حد و بے شمار می بینم

سکۂ[6] نو زنند بر رخ زر — درہمش کم عیار می بینم

بعض[7] اشجار بوستان جہاں — بے بہار و ثمار می بینم

غم[8] مخور زانکہ من دریں تشویش — خرمی وصل یار می بینم

چون[9] زمستان بے چمن بگذشت — شمس خوش بہار می بینم

دور[10] او چون شود تمام بکام — پسرش یادگار می بینم

بندگان[11] جناب حضرت او — سربسر تاجدار می بینم

گلشن[12] شرع را ہمیں بویم — گل دین را بہار می بینم!

تا[13] چہل سال اے برادر من — دور آں شہسوار می بینم

---

[1] یہاں پر جناب نعمت اللہ ولی صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ اس قصیدہ کو بذریعہ الہام لکھتے ہیں۔ شعر نمبر ۳ یعنی سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد عجیب کارروائی شروع ہو جائیگی۔ شعر نمبر ۴ و نمبر ۵ میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فسق و فجور کی گرم بازاری ہوگی۔ شعر نمبر ۶ میں نہایت ہی عجیب پیشگوئی درج ہے یعنی نیا سکہ جاری ہوگا یعنی سلطنت اسلامیہ جاتی رہے گی اور سلطنت انگلشیہ قائم ہوگی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری بھی ہو گئی۔ شعر نمبر ۷ میں اشارہ ہے کہ اس زمانہ میں ایمانداری اور تقویٰ کا پھل آدمیوں میں نہ ہوگا۔ سلطنت مغلیہ کا آخری زمانہ کیسی اخلاقی و ایمانی تباہی کا زمانہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے۔ لیکن شعر نمبر ۸ و نمبر ۹ میں یہ بھی سنایا جاتا ہے کہ غمگین ہونے کی بات نہیں کیونکہ مہدیٔ زمان کا زمانہ قریب ہے۔ شعر نمبر ۱۰ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس مہدی وقت کے بعد ان کا لڑکا دنیا میں رہنما اور پیشوا مسلمانوں کا ہوگا۔ شعر نمبر ۱۱ میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس امام زمان کے معتقد بڑے بڑے تاجدار جہان ہوں گے۔ میری سمجھ میں اس سے روحانی تاجدار مراد ہیں۔ یعنی اس امام کے معین مددگار کامل اشخاص ہوں گے۔ شعر نمبر ۱۲ سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اس امام زماں کی تکفیر بھی کریں گے اور آخر شرمندہ اور خجل ہوں گے۔ شعر نمبر ۱۳ میں بڑے تعجب کی اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس امام کا نام بھی کہہ دیا گیا۔ شعر نمبر ۱۴ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ سارے جہان کی بادشاہی اس امام الوقت کی ہوگی اس کے معنی میری سمجھ میں روحانی بادشاہت ہے اور حقیقت میں یہی بادشاہی ہے کہ جس کو بادشاہی کہنا چاہیئے۔ شعر نمبر ۲۰ میں سب سے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ امام مہدی بھی کہلائے گا اور عیسیٰ بھی کہلائے گا۔ اب ناظرین غور کریں۔ منہ

عاصیان [١٣] از امام معصوم — خجل و شرم سار می بینم
صورت [١٥] و سیرتش چو پیغمبر — علم و حلمش شعار می بینم
زینت [١٦] شرع و رونقِ اسلام — محکم و استوار می بینم
اح [١٧] م د - دال می خوانم — نام آں نامدار می بینم
دین [١٨] و دنیا از و شود معمور — خلق ازو بختیار می بینم
بادشاہ [١٩] تمام ہفت اقلیم — شاہ عالی تبار می بینم

مہدیؑ [٢٠] وقت و عیسیٰؑ [٢١] دوراں
ہر دو را شہسوار می بینم

"جناب مولوی محمد اسمٰعیل شہید صاحب نے اس قصیدہ کو اس غرض سے درج کیا تھا کہ اس سے جناب سید احمد صاحب بریلوی کا مہدی ہونا ثبوت کریں حقیقت میں اس قصیدہ میں احمد کا نام ہونا اس بات کی زور آور دلیل ہے چند اعتراضات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قصیدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی کا زمانہ نہایت خراب گزرے گا اور امام چودھویں صدی کے شروع میں ظہور پذیر ہوگا اور یہ بات سید احمد صاحب کو حاصل نہیں ہوئی۔ قصیدہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ چالیس برس اس کا دور دورہ رہے گا۔ لیکن جناب سید احمد صاحب جب امیر المومنین مقرر ہوئے اور پنجاب میں سکھوں سے مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد چالیس برس کہاں ان کا دور دورہ رہا۔ پھر یہ بھی کہا ہے کہ بعد اس امام کے اس کا لڑکا امام الوقت ہوگا۔ سید احمد صاحب کا کون لڑکا امام المسلمین ہوا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اول تو سید صاحب نے کبھی مہدی ہونے کا دعویٰ خود نہیں کیا۔ فرض کرو کہ اگر انھوں نے نہ کیا۔ ان کے مرید نے کیا، تو مہدی کا ہی دعویٰ کیا لیکن عیسیٰ کا دعویٰ کب ہوا۔

"تاریخ اسلام میں جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے آج تک سوائے حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کے کسی نے عیسیٰ اور مہدی دونوں ہونے کا دعویٰ کیا ہی نہیں۔ اگر کسی نے کیا ہے تو مخالفین کو سند صحیح کے ساتھ حوالہ دینا چاہیے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو الہام ہو چکا ہے۔ جو ان کی تصانیف میں دھوم دھام سے درج ہے کہ اللہ پاک ان کو ایک ایسا لڑکا عنایت فرمائے گا جو امام زمان ہوگا۔ اور یہ بھی الہام ہو چکا ہے کہ حضرت کے تابعداروں میں والیانِ ملک ہوں گے گو یہ اس کے روحانی معنے لیتا ہوں۔ غرض غور کرنے سے اس قصیدہ میں چند باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ حضرت اقدس جناب مرزا غلام احمد صاحب کی شان میں ہے۔ انگریزی سلطنت کا ہونا، چودھویں [٢] صدی کے شروع میں آپ کا ظہور، اسم [٣] مبارک آپ کا احمد ہونا۔ مرزا اور غلام یہ تو صفات ہیں اصل نام تو آپ کا احمدؐ ہی ہے۔ بات بھی یہی ہے۔ احمد عربی صلعم کے بعد جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ اگر امت محمدی میں کوئی احمد ہوگا، تو وہ غلام احمد ہی ہوگا، اور مہدی وقت اور عیسیٰ دوراں ہونا یعنی اپنے وقت کا مہدی ہونا اور عیسیٰ صفت ہونا اے مسلمانو!

غور کرو۔ یوں پیشگوئی خدا رسیدہ لوگوں کی پوری ہوتی ہے۔ اور اس طرح اللہ پاک ایمانداروں کے ایمان کو بڑھاتا ہے۔ افسوس ہے ان پر اور نہایت افسوس ہے کہ جو ایسی کھلی نشانیوں کو بھی دیکھ کر اندھے بن جاتے ہیں۔ خدا ہماری قوم سے ہٹ اور ضد دور کرے۔ اور حق کو ظاہر کرے۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔

پیشگوئیوں کا ایک عجیب دستور

"اللہ پاک کی طرف سے جو بذریعہ الہام یا وحی کے غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ وہ اکثر ایسے الفاظ میں ہوتی ہیں کہ ان کے دو رُخ ہو جاتے ہیں اور غور کرنے والے ایک ابتلاء میں پڑ جاتے ہیں اور عقل سلیم والے سچی باتوں کو مان لیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ حق کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بلکہ حق سے اور دور جا پڑتے ہیں۔ حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو پیشگوئیاں بائبل میں درج ہیں ہماری آنکھوں میں وہ کیسی* کھلی پیشگوئیاں ہیں غور کر کے حضرت پیغمبر خدا صلعم پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن کیا عیسائیوں کو بھی وہ پیشگوئیاں صاف اور کھلی معلوم ہوتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر ان سے بحث بھی کرو۔ اور صاف کھول کر دکھا بھی دو۔ تو وہ ہرگز قبول نہیں کرتے۔ دل کچھ حق کی طرف جھک بھی جاتا ہے لیکن زبان حق کو قبول نہیں کرتی۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ جلشانہ اس طور سے بائبل میں بیان فرماتا کہ فلاں زمانہ میں ملک عرب کے شہر مکہ میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کے باپ کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ اور اس شخص کا حلیہ یہ ہوگا۔ پس جب پیدا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ پیغمبر آخر الزمان صلعم ہے۔ اگر ایسا بیان ہوتا تو کیا کسی منکر کو دم مارنے کی جگہ ہوتی؟ لیکن ایسا نہیں کہا گیا۔ یہ دار الابتلاء ہے۔ یہ دار الامتحان ہے۔ یہاں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتی ہیں۔ خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبریں بیان فرمائیں۔ اکثر وہ ایسے الفاظ میں رہیں کہ مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن جب ایمانداروں نے ان کو پورا ہوتے ہوتے دیکھ لیا تو سمجھ گئے کہ اس کا مطلب اصل میں یہ تھا۔ اکثر پیشگوئیاں ایسی پوری ہوتی ہیں جس طرح خواب کی تعبیریں پوری ہوتی ہیں۔ ہم چند روایات صحیحہ پیش کرتے ہیں۔ ناظرین اس پر غور فرماویں۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میری بیبیوں میں جس کے لمبے ہاتھ ہیں پہلے وہ انتقال کریں گی۔ حضرت سے یہ پیشگوئی سن کر بیبیاں آپس میں ہاتھ ناپنے لگیں۔ حضرت صلعم نے کسی کو ہاتھ ناپنے سے روکا بھی نہیں۔ حضرت صلعم کی رحلت کے بعد پہلے حضرت بی بی زینبؓ نے رحلت فرمائی۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ حضرت بی بی سودہؓ کا ہاتھ سب سے لمبا تھا۔ بی بی زینب کا ہاتھ لمبا نہ تھا۔ آخر ایک صاحب کو یہ بات سوجھی کہ سب بیبیوں میں حضرت بی بی زینبؓ بڑی سخی تھیں۔ پس لمبے ہاتھ کے معنی سخاوت و ایثار کے ہوئے۔ سب نے اس تاویل کو مان لیا اور سمجھ گئے کہ حضرت کی پیشگوئی

* جو ہوئی نشانیاں درج ہیں ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ خداوندا عیسائی کیوں ایسے اندھے ہیں جو ایسی کھلی کھلی

پوری ہو گئی۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم کعبہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے گا۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے تو سب نے یہی سمجھا کہ مینڈھے سے مراد حضرت عبداللہ ہی تھے۔ گو پیشگوئی میں مینڈھے کا لفظ تھا۔ کسی انسان کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کو یہی خواہش رہتی تھی کہ حضرت کی پیشگوئی کو آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ کر ایمان کو تازہ کریں اگر وہ حضرات مینڈھے کے منتظر رہتے تو آج تک منتظر ہی رہتے۔

حضرت کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن ہیں اور آپ نے ان کو پھونک سے اڑا دیا۔ آخر اس کے معنے یہ ہوئے کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دو جھوٹے دعویدار نبوت کھڑے ہوئے اور دونوں جیسا کہ کذاب اور مفتری کی سزا ہوتی ہے۔ اس کو پہنچے۔ یعنی تباہ اور برباد ہو گئے۔ حضرت صلعم نے دیکھا کہ ایک بہشتی انگور کا خوشہ آپ کو ابوجہل کے لئے دیا گیا ہے۔ آپ اس کی تعبیر یہ سمجھے کہ شاید ابوجہل مشرف بہ اسلام ہو گا۔ لیکن بات یہ ثابت ہوئی کہ ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ نے مشرف بہ اسلام کیا۔ اور وہ ایک جلیل القدر صحابی ثابت ہوئے۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ کہ آپ ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ جہاں کھجور کے بہت درخت ہیں۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا خیال اس طرف گیا کہ شاید وہ یمامہ یا ہجر ہو گا۔ لیکن آخر وہ مدینہ نکلا۔

حضرت نے دیکھا کہ گائیں ذبح ہوئیں۔ لیکن مراد اس سے صحابہ کی شہادت جنگ احد میں تھی۔

غرض زیادہ مثالیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک اور مثال لکھی جاتی ہے۔ اس پر غور کرنے والے بہت نفع اٹھا سکتے ہیں۔

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات کو میں نے خواب دیکھا میں کعبہ کے پاس ہوں اور وہاں ایک شخص مجھے گندم گوں نظر آیا۔ مردوں میں سے اوّل درجہ کا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بال ایسے صاف معلوم ہوتے تھے کہ جیسے کنگھی کی ہوتی ہے اور ان سے پانی ٹپکتا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ شخص دو آدمیوں کے مونڈھوں پر تکیہ کرکے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے پس میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہے پھر اسی خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہے کہ جس کے بال مونڈے ہوئے ہیں اور داہنی آنکھ اس کی کانی ہے گویا آنکھ اس کی انگور ہے۔ پھولا ہوا ابھرا ہوا ہے۔ ان لوگوں سے بہت ملتا ہوا جو میں نے ابن قطن کے ساتھ دیکھے تھے۔ وہ بھی دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

اب یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ پیغمبروں کا خواب بھی ایک قسم کا الہام یا وحی ہے۔ اس میں غلطی

کو دخل نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب ہی دیکھا تھا۔ جس کی صحت پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کو
مستعد ہو گئے تھے۔ اب یہاں پر غور طلب مضمون یہ ہے کہ حضرت ابن مریمؑ اگر خانہ کعبہ کا طواف کریں تو مضائقہ نہیں
لیکن دجّال تو کافر ہوگا اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ کعبہ تک اس کا گذر بھی نہ ہوگا۔ پھر وہ کیوں کعبہ کا طواف
کرنے لگا۔ علماء اس بات پر غور کرنے لگے۔ تو یہ بات طے ہوئی کہ طواف کے معنے چکر دینے کے ہیں۔ پس اس
سے یہ مطلب ہوا کہ جس طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام ہدایت کو چاروں طرف پھیلائیں گے۔ اسی طرح
دجّال چاروں طرف گمراہی کو پھیلائے گا۔

غرض جب پیشگوئیوں کا یہ دستور معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروری نہیں کہ ظاہری لفظوں کی
پابندی کی جائے۔ بلکہ ان کی عمدہ اور معقول تاویل کرنی چاہئیے۔ اب جناب حضرت اقدس مرزا غلام احمد
صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام کے نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ امت محمدی میں کوئی عیسٰی صفت
پیدا ہوگا۔ اس پیشگوئی کی تاویل معقول یہ ہے دجّال یک چشم سے مراد آج کل کے پادری ہیں۔ جن کی
ایک آنکھ ہے جو دنیاوی نفع اور ترقی کو دیکھ سکتی ہے اور دین و آخرت کے دیکھنے والی آنکھ ندارد ہے۔
دجّال کے گدھے سے مراد ریل گاڑی ہے جس پر یہ قوم گمراہی لے کو سارے جہان میں گشت لگاتی پھرتی ہے۔
یاجوج و ماجوج سے مراد انگریز و روس ہیں۔ جو قدرت خدا سے رکے ہوئے تھے۔ لیکن اب وہ پھیل پڑے
ہیں اور مسلمانوں کی سلطنتوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ غرض حضرت اقدس کی خوب صورت تاویلوں کو کہاں
تک بیان کریں۔ جس کو شوق ہو وہ حضرت کی بے مثل تصنیفات ازالہ اوہام۔ شہادت القرآن کو منگا
کر دیکھے اور لطف اٹھائے۔ خدا جانتا ہے عجیب لطف ملتا ہے۔ بے اختیار دل کہنے لگتا ہے کہ بے شک
یہی مطلب اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کا تھا اور الحمدللہ ہم نے ایسی عظیم الشان پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں
سے پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ بعض آدمیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب تک یہ بات کسی
دوسرے کو کیوں نہ سوجھی۔ کیا اہل اسلام میں کوئی عالم نہیں ہوا کیا جناب مرزا صاحب سب سے بڑھ کر
ہیں کہ انہیں پر یہ مطلب کھولے گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک وقت ہے۔ جب وقت
آتا ہے تب وہ بات اللہ اپنے کسی بندے کو سوجھا دیتا ہے۔ بڑے بڑے حکماء عقلاء اور فلاسفر اس جہان
میں گذرے ہیں لیکن جب اللہ کو منظور ہوا اس وقت اپنے ایک بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ ریل گاڑی
یوں چلائی جائے۔ اور تار برقی سے اس طرح کام لیا جائے۔ اس سے کچھ یہ ضرور نہیں کہ ریل گاڑی اور
تار برقی کا موجد سب عقلا سے زیادہ عقل والا تھا۔ یہ سب کارخانے خدا کے ہیں جس کو چاہتا ہے اپنے
بھیدوں میں سے ایک بھید سے واقف کر دیتا ہے۔ اگلے مسلمان قیامت کے قریب جو باتیں پیش
آنے والی ہیں ان کو جس طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ ویسا ہی اجمالی طور پر مانتے
آئے۔ اس کی تفصیل پر اور اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ اللہ کو یہ منظور

نہ تھا کہ وہ باتیں اپنے وقت سے قبل کسی پر کھلیں۔ ہاں جب وہ زمانہ آگیا اور جب اس مجدد زمانہ کو پیدا کیا جس کا نام اس نے روحانی عالم میں مسیح ابن مریم رکھا تھا۔ تو اپنے پیارے بندے پر بذریعہ الہام کے ان بھیدوں کو کھول دیا۔ مبارک ہیں وہ جو اس نیک بندے پر نیک گمان ہیں ان کو نیک گمانی کا بھی ثواب ملے گا۔ الہام حق کے جھٹلانے کے گناہ سے بھی بچ جائینگے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان مبارک بندوں نے نہ صرف مجدد زمانہ امام الوقت ہی کو سچا مانا۔ بلکہ اپنی آنکھوں سے ان کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ بھی لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہاں پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا حضرت کی پیشگوئیوں کی ایسی تاویل کسی نے کی بھی ہے۔ تو ہم بتاتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور مثال ہم دیتے ہیں۔ اس پر خوب غور کرو اور انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔

دجّال کا عجیب قصّہ

حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا۔ جو ابن صیاد کے نام سے مشہور تھا۔ اس کو جنّوں سے کچھ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ غیب کی خبریں بتلاتا تھا۔ بعض باتیں دل کی بھی سمجھ جاتا تھا۔ غرض اس قسم کے عجیب کام اس سے دیکھ کر صحابہؓ سمجھنے لگے کہ ہو نہ ہو دجال معہود یہی ہے۔ ایک بار تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قسم کھا کر کہا کہ ضرور ابن صیاد ہی دجّال معہود ہے۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے یہ بیان سن کر سکوت کیا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی کہ ابن صیاد کو قتل ہی کر ڈالیں کہ دجّال معہود کا قصہ ہی تمام ہو جائے۔ لیکن حضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ اگر ابن صیاد ہی دجال معہود ہے تو اس کے مارنے والے عیسےٰ ہیں۔ اور اگر دجّال معہود نہیں ہے تو ناحق ایک بے گناہ کے قتل کا بوجھ سر پر کیوں لیا جائے۔ اب اس ابن صیاد کا اور قصہ سنئے۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ ایک بار ابن صیاد کے ساتھ ملکر روانہ ہوئے۔ راہ میں ابن صیاد نے شکایت کے طور پر ابو سعید خدری سے کہا کہ لوگوں (یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی ان باتوں سے مجھ کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دجّال معہود میں ہوں اور تم جانتے ہو کہ اصل حال اس کے خلاف ہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجّال لاولد ہو گا۔ اور میں صاحب اولاد ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دجّال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو گا۔ اور میں مدینہ سے تو آتا ہوں اور مکہ کو جاتا ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ابن صیاد نے مدینہ میں انتقال فرمایا اور مسلمانوں نے اس کے جنازے کی نماز تک پڑھی۔

اے ناظرین! غور کرو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس پایہ اور مرتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارہ میں فرماتے ہیں اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہی ہوتے۔ پھر حضرت صلی اللہ وسلم کا یہ فرمانا کہ خدا کے فرشتہ حضرت عمرؓ کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عالی رتبہ ہونے کو کس طرح ظاہر کر رہا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو کیا ہو گیا تھا کہ ایک مسلمان صاحب اولاد، ساکن مدینہ کو دجال معہود سمجھتے رہے اور اس کے قتل کی اجازت مانگتے رہے۔ اے بھائیو! ذرا انصاف کرو۔ خدا کے واسطے انصاف کرو۔ کیا حضرت عمر نے وہ حدیثیں نہیں سنی تھیں کہ دجال کے ساتھ بہشت و دوزخ چلے گی۔ سارے جہان کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے وہ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ جس کھیت کو بارآور ہونے کو کہے گا وہ فوراً پھل لائے گا۔ اس کا گدھا ستر باغ لمبا ہوگا۔ اور مثل بادل کے تیز چلے گا۔ بتلایئے تو سہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ باوجود ان نشانوں متذکرہ بالا کے کوئی نشان نہیں دیکھتے تھے؟ اور پھر بھی ابن صیاد کو دجال معہود ہونے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم تک کھالی۔

آخر کوئی سبب تو بتاؤ اگر ذرہ برابر انصاف ہے تو یہی کہو گے کہ یہ صحابہؓ پیشگوئیوں کے لفظ لفظ کی پابندی اور ظاہری طور سے سب باتوں کے ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ابن صیاد میں گمراہی کی باتیں دیکھیں۔ جن سے بندگانِ خدا میں بے ایمانی اور فساد کے پھیلنے کا خوف تھا پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پورا ہوتے ہوئے دیکھنے کا ایسا شوق ان کے دلوں پر غالب تھا کہ فوراً یہی کہنے لگے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب یہ اجتہاد کریں کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے تو کوئی معاذ اللہ نہیں کو زمانے نے ثابت بھی کر دیا کہ ابن صیاد ایک بندہ مومن تھا۔ اور مومن مراد ہرگز ہرگز اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوا نہ تھا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب یورپین پادریوں کو جن کی پیشانی پر حقیقت میں ک۔ف۔ر لکھا ہوا ہے اگر روحانی آنکھیں ہیں تو پڑھو۔ جو حقیقت میں اس جہان کے خزانے اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ جو حقیقت میں خزانے دکھلاتے للچاتے ہیں۔ جن کا گدھا حقیقت میں ستر باغ لمبا اور بادل کی طرح تیز چلنے والا ہے اور حقیقت میں کعبہ کے چاروں طرف چکر لگا کر یعنی سارے جہان میں گمراہی کے پھیلانے میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ جو خدائی کاموں میں دخل اندازی کر کے گویا خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدائی کتاب میں تحریف و تبدیل کر کے گویا نبوتؐ کا دعویٰ کرتے ہیں اور سچ مچ ایک چشم ہیں۔ سواد ڈی

۱؎ دخانی بیٹ کا گولہ اگر بادل پیدا کر کے پانی برساتے ہیں۔ مرغی کے انڈے کو ایک کل میں مصنوعی گرمی پہنچا کر فوراً بچے نکالتے ہیں۔ سمندر کو جس جگہ سے ہٹ جانے کا کہتے ہیں ہٹ جاتا ہے (دیکھو مدراس کا ہاربر) ۲؎ یہ کام نبی کا ہے کہ بذریعہ وحی کے کتب سماوی کی باتوں کو منسوخ کرے۔ لیکن پادریوں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جہاں سے جو چاہا کاٹا اور جو چاہا لکھا۔ خدا کی کتابوں کو معمہ کی مسودہ بنا ڈالا۔

غرض اس قسم کے سینکڑوں کام یہ جال کرتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔

اور عکس کے اس عالم کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتے۔ گویا وہ آنکھ جس سے خدا پرستی آتی ہے۔ کانی (اندھی)
ہے۔ بغرض اسی قدر مشابہت رکھتے ہوئے پادریوں کو دجال معہود کہا۔ تو حضرت اقدس نے بڑا قصور کیا۔
ارے بھائیو! اگر تمہارے زعم میں حضرت مرزا صاحب کے اجتہاد میں غلطی ہے تو تم خوشی سے اُسی
دجال کے منتظر رہو۔ جو کچھ عرصہ کے لئے خدائی کا ٹھیکہ لے گا اور حقیقت میں ستر باع لمبے گدھے (نامعلوم کس
گدھی کا بچہ ہوگا) پر چڑھ کر عجیب و غریب کرشمے دکھاتا پھرے گا۔ لیکن حضرت اقدس کے بارے میں اتنا
ہی کہو جو جناب حضرت عمرؓ کے بارے میں کہتے ہو کہ اجتہادی غلطی ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ابن صیاد کو
دجال سمجھا اور وہ دجال ثابت نہ ہوا۔ فرض کرو کہ مرزا صاحب نے پادریوں کو دجال سمجھا اور تمہارا وہ
دراز قد (یا نچسو فٹ لمبے گدھے پر جو چڑھے گا۔ وہ آخر پانچ چار سو فٹ ضرور لمبا ہوگا) دجال کہیں سے نکل ہی
آیا تو یہی ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ اجتہاد غلط ثابت ہوگا۔ لیکن کیا اجتہادی غلطی موجب تکفیر ہوتی ہے۔
مدراس کا مسجد والا جاہی میں حضرت مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد جب میں نے درود شریف کا
وعظ کہنا چاہا تو روک دیا گیا۔

جب میں وہاں سے چلا تو ایک مسلمان باایمان نے مجھ کو کہنا شروع کیا " یہ کافر ہے کافر ہے۔
یہ دجال ہے۔ یہ دجال ہے۔" میں نے دل میں سوچا کہ یہ شخص بھی ہمارے ہی دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔
کیونکہ نہ میں ایک چشم تھا نہ ستر باع کے گدھے پر سوار تھا نہ زندہ کو مُردہ نہ مُردہ کو زندہ کرتا تھا۔ پھر وہ
بھلا آدمی مجھ کو دجال کیوں کہتا تھا۔ صرف اسی وجہ سے کہ اس نے اپنے خیال میں یہ سمجھ لیا تھا کہ میں حضرت
اقدس مرزا صاحب کا متبع ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گیا۔ اور گمراہی پھیلانا چاہتا ہوں۔ پھر جب وہ ایک
کلمہ گو۔ اہل قبلہ کو۔ جو نوراً نماز جمعہ پڑھ کر درود شریف کے فضائل بیان کرنا چاہتا تھا۔ دجال کہنا
جائز سمجھتا تھا۔ تو پھر اگر ہم نے عیسٰے پرست قوم کو جو گمراہ کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ دجال کہا تو کیا بیجا
کیا۔ اے خدا ہماری قوم کو کچھ بھی سمجھ عطا فرما۔ ان کے دماغ کو دوا عنایت فرما کہ کچھ تو حق
و باطل میں تمیز کر سکیں۔

بقیہ حاشیہ: مدراس میں بلا گھوڑے بلا انجن کے صرف برقی قوت سے گاڑی چلتی دیکھ کر بنود کہنے لگے: ہیں کہ
انگریز تو پرمیشر ہیں جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔

ؔ۔ ہماری قوم پر اللہ رحم کرے یہ بھی غور نہیں کرتی کہ اگر لفظی معنی پر چلا جاتے تو دجال تھوڑے عرصہ کے لئے خدائی کا شریک
ہو جائیگا۔ کیا مارنا جلانا نطفہ نکالنا۔ پانی برسانا خاص خدا کا کام نہیں ہے اگر یہ شراکت نہیں ہے تو پھر شرک کہتے کس کو ہیں؟
کیا وہ کل فرشتے جو بادلوں اور ہواؤں پر متعین ہیں۔ سب کے سب اس دجال کے تابع کر دیئے جائینگے؟ خدا اس عقیدہ
بد سے مسلمانوں کو بچائے۔ لفظوں کی پابندی بھی کہاں سے کہاں کھینچے جاتے ہیں؟ منہ

مثیل عیسیٰؑ نے کیا مسیحائی کی

معقول سوال جو معترض ہم سے کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مانا کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیحائے وقت ہی سہی۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہمارے لئے کیا مسیحائی کی۔ کیا ہمارے لئے کوئی عالی شان کالج کھڑا کر دیا۔ یا کوئی بے مثل بورڈنگ ہاؤس بنایا۔ کیا کیا۔ چند کتابیں چھاپیں اور بس۔ کس مُردہ کو زندہ کیا کس اندھے کو آنکھ والا بنایا اچھا کیا۔ کیا کہ ہم ان کو اپنے وقت کا مسیح مان لیں۔ کتنے ہزار عیسائی یا ہندو مرزا صاحب کے ہاتھ سے مشرف باسلام ہوئے کہ ہم شکر گزار ہوں کہ ہاں صاحب اس گئے گزرے زمانہ میں ہماری کچھ عزت تو رکھ لی تو اس کا جواب ہم پر دینا واجب ہے۔

حق بات یہ ہے کہ پندرہ برس کے عرصہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو کچھ اسلام کے لئے کیا۔ اگر اس کو ہم پورے طور سے لکھیں۔ تو ایک بہت بڑی کتاب ہو جائے گی۔ بہت ہی مختصر طور پر حضرت اقدس کی چند خدمات اسلامی کا یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے لئے اگر سوچ اور فکر کو کام میں لائیں تو بہت کافی ہیں۔

براہین احمدیہ (نمبر ۱)

کتاب کو ادنیٰ چیز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ قرآن مجید بھی کتاب ہی ہے لیکن اس کتاب نے اس جہان میں کیا کیا۔ قرآن مجید کے بارے میں ایک عیسائی مورخ کا اقرار ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

"قرآن کریم[1] وہ کتاب ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اہل عرب نے سکندر اعظم کے مفتوحہ ملکوں سے اور سلطنتِ روم سے بڑھ کر ملکوں کو فتح کیا۔ اور روم کو جہاں سو برس فتح کرنے میں لگے تھے۔ اہل عرب کو دس برس لگے اسی قرآن کے ذریعے اہل عرب یورپ میں بادشاہ بن کر آئے۔ جہاں شامی تاجر بن کر آئے تھے۔ اور یہودی بھگوڑے قیدیوں کی طرح پناہ گزیں ہوئے تھے۔ یورپ میں آ کر بنی انسان جو تاریکی میں پڑے ہوئے تھے ان کو روشنی دکھائی اور یونان کے مُردہ علوم کو زندہ کیا۔ فلسفہ۔ طب۔ ہیئت کے معلم مغربی دنیا میں استاد بنے۔ اور موجودہ علوم و فنون کی بنیاد ڈالی۔ اور اب ہم روتے ہیں کہ کیونکر غرناطہ[2] مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔"

یورپ کے ایک بادشاہ نے ایک کتاب کو دیکھ کر کہا کہ کاش میں اس کا مصنف ہوتا تو مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی۔ جو اس سلطنت کی حکومت سے حاصل ہوئی ہے۔" حقیقت میں عمدہ کتاب بھی اس جہان

---

[1] ڈیوٹیچ کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۹۵ صفحہ ۲۲۴ [2] اس متعصب مزاج عیسائی کو اس کا رنج ہے کہ مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی۔ یہ سمجھتا ہے کہ اگر مسلمان شکست نہ پاتے تو علوم کی اور بھی ترقی ہوتی۔

میں عجیب طاقت والی چیز ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ براہین احمدیہ ایک ایسی کتاب ہوئی ہے کہ اس کو زمانہ موجودہ کے زہر بیلے طوفان کے لئے تریاق کہنا چاہیئے۔ براہین احمدیہ کتاب نہیں بلکہ وہ ایک زبردست تلوار ہے جس سے اسلام کے کل بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ محمد حسین بٹالوی نے جو آج کل حضرت اقدس مرزا صاحب کا نہایت ہی اشد مخالف ہے۔ لکھا تھا کہ یہ ایک[1] ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی " حقیقت میں بٹالوی صاحب نے مبالغہ نہیں کیا تھا۔ واقعی بات یہ ہے کہ یہ کتاب دیکھنے ہی کے لائق ہے۔ اس وقت یہ کتاب ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے۔ چار جلدیں جو چھپ چکی ہیں۔ وہ پیش نظر ہیں۔ ۵۶۲ صفحوں تک کتاب چھپ چکی ہے۔ مسطر بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ حروف بھی باریک اور گنجان ہیں۔ انہیں ۵۶۲ صفحوں میں اس قدر مضامین آگئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ خدا لو خدا کیا یہ کسی آدمی کا کام ہے۔ میرے اچھے اچھے ذی علم دوست اس بے مثل کتاب کو پڑھ کر کہنے لگے کہ بے شک حضرت مرزا صاحب مجدد زمانہ ہیں اور یہ کتاب بغیر تائید الٰہی کے ممکن نہیں کہ تصنیف ہو سکے۔ حضرت اقدس کے موید من اللہ ہونے کے لئے کوئی اور دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ صرف آدمی اسی بات پر خیال کرے کہ ایک شخص جو پنجاب کے دیہات میں پلا جس کی زبان مادری پنجابی ہو۔ جس نے عربی و فارسی میں معمولی تعلیم پائی ہو۔ وہ جب اردو لکھے تو اہل زبان اسکو دیکھ کر دنگ ہو جائیں۔ فارسی لکھے تو ایرانی عش عش کرنے لگیں۔ عربی لکھے تو اہل عرب حیرت سے انگلی دانت میں دبالیں۔ یہ زندہ کرامات نہیں تو اور کیا ہیں۔ حضرت اقدس کی کتابوں میں جو ایک نور کا دریا جوش مارتا ہے وہی مجھ کو کافی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو دیکھ کر انسان بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ سب انسانی کام نہیں۔ خدا جانتا ہے جب اس چھوٹی سی بستی قادیان پر خیال کرتا ہوں اور حضرت کے کلام کی لذت پر نظر ڈالتا ہوں تو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ اللہ اپنی قدرت کا تماشا دکھلا رہا ہے ؎

شکر از نے میوہ از چوب آوری   از منے مردہ بت خوب آوری

براہین احمدیہ میں برہمو سماج نیچری خیال والوں اور دیگر فرقہ ضالہ کے لئے جو کچھ ہدایتیں ہیں۔ افسوس یہی ہے کہ وہ ابھی تک زبان اردو میں ہیں۔ جب ان مضامین کا انگریزی ترجمہ ہو کر یورپین فلسفہ کے کیمپ میں بم کا گولہ گرے گا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ طلسم فرنگ کیا کیا پاش پاش ہو کر اڑ جاتا ہے۔ لیکن نہ معلوم یہ مبارک کام خدا نے کس مبارک بندے کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ میری تو کمال آرزو ہے اور خدا سے برابر دعا کر رہا ہوں کہ خداوند مجھ کو کچھ بھی لیاقت نہیں اور میں نہایت ہی ذلیل اور گنہگار ہوں لیکن تو محض اپنے فضل سے مجھ سے یہ مبارک کام لے۔ اے رب توفیق عنایت فرما کہ میں حضرت اقدس کے نورانی کلام

---

[1] اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ میں دیکھو۔ منہ

کا ترجمہ انگریزی میں کرکے یورپ اور امریکہ کو منور کر سکوں! خداوندا میری اس آرزو کو پورا کر آمین۔
۱۸۸۰ء میں جس کو عرصہ پندرہ برس کا ہوتا ہے، جناب حضرت اقدس مرزا صاحب نے براہین احمدیہ
کو چھپوا کر شائع کیا۔ اور اس کے ساتھ ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کی پشت پر اردو ہے اور دوسری
جانب انگریزی میں اس کا ترجمہ ہے یہ اشتہار یورپ و امریکہ بھی روانہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا
ہوں۔ اس اشتہار کو دیکھ کر وِب صاحب کی توجہ دین اسلام کی طرف مائل ہوئی تھی۔ جس کا آج نتیجہ ہے
کہ امریکہ میں اسلام پھیل رہا ہے اور اسلامی اخبارات وہاں سے شائع ہوتے ہیں۔ یہاں اس اشتہار کو درج
کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وھوھذا:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللّٰھم صل علی محمد و آل محمد افضل الرسل و خاتم النبیین

اشتہار

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے مُلہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید
دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب
اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام
پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے۔ فقط اسلام ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی
طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذاہب ایسے
بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ ان پر
چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت و قبولیت الٰہی مل سکتی ہے۔ بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت
درجہ کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے۔ جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں
اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ اوّل تین سو مضبوط اور قوی دلائل
عقلیہ سے جن کی شان و شوکت و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف ان دلائل کو توڑ دیوے
تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے۔ اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں
رجسٹری کرا لے۔ دوم۔ ان آسمانی نشانوں سے جو سچے دین کی کامل سچائی ہونے کے لئے از بس ضروری
ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اسی غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے۔
تین قسم کے نشان ثابت کرکے دکھائے ہیں۔ اوّل وہ نشان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دعا اور توجہ اور برکت سے ظاہر ہوتے
دیکھے جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص و ممتاز کرکے

درج کتاب کیا ہے۔ دوم۔ وہ نشان جو قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور
بے مثل طور پر پائے جاتے ہیں۔ جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر ایک عام و خاص پر کھول دیا
ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا ہے۔ سوم۔ وہ نشان جو کتاب اللہ کی پیروی اور
متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتے ہیں۔ جن کے اثبات کے لئے اس بندہ درگاہ
نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور
کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ و کشوف صادقہ و دعائیں قبول شدہ جو خود اس خادم دین سے
صادر ہوئی ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریہ وغیرہ سے) بشہادت رؤیت گواہ
ہیں۔ کتاب موصوف میں درج کئے گئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے
اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت
مناسبت و مشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض برکت متابعت حضرت
خیرالبشر والرسل صلی اللہ علیہ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے جو اس سے پہلے
گذر چکے ہیں۔ اور اس کے قدم پر چلنا موجب سعادت و نجات و برکت ہے۔ اور اس کے برخلاف
چلنا موجب بُعد و حرمان ہے۔ یہ ثبوت کتاب براہین احمدیہ کے پڑھنے سے جو منجملہ تین سو جزو کے
۳۷ جزو چھپ چکی ہے۔ ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی و تشفی کرنے
کو مستعد اور حاضر ہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر والسلام علیٰ
من اتبع الہدیٰ اور اگر اس اشتہار کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے
اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے روبرو اس
کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو
ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے کامل و مقدس
کلام قرآن شریف پر ایمان لاویں اور اس کے حکموں پر چلیں تا ان تمام برکتوں اور حقیقی سعادتوں اور
خوشحالیوں سے متمتع ہوں جو سچے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہے اور جاودانی نجات اور حیات
سے بہرور ہوں کہ جو نہ صرف عقبیٰ میں حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ سچے راستباز اسی دنیا میں اس کو پاتے ہیں
بالخصوص قوم انگریز جنہوں نے ابھی تک اس آفتاب صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی۔ اور جن کی
شائستہ اور مہذب اور بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون
کرکے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کی دنیا اور دین کے لئے دلی جوش سے بہبودی اور
سلامتی چاہیں تا ان کے گورے و سپید منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی و
منور ہوں۔ ونسئل اللہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا والآخرۃ اللّٰھم ایدھم بروح

منك واجعل لهم حظا كثيرًا في دينك واجز بهم بحولك وقوتك
ليؤمنوا بكتابك ورسولك وليدخلوا في دين الله افواجاً - آمين
ثم آمين والحمد لله رب العالمين ؛

المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور - ملک پنجاب ۔

اس کتاب کے پڑھنے سے ایمانداروں کو جو روحانی فائدہ ہوتا ہے اس کا اندازہ خود ہی مومن کر سکتا ہے جو شروع سے آخر تک اس لاجواب کتاب کو پڑھ جاوے۔ لیکن ایک بہت بڑی بات جس کی مسرت اور خوشی ہم مسلمانوں کو ہے وہ یہ ہے کہ ایسے زمانہ میں جب چاروں طرف سے دین اسلام پر حملے ہو رہے ہیں اللہ نے ہم ہی میں سے ایک ایسے شیر خدا کو کھڑا کیا جس کی کتاب کی ہیبت کل مخالفین کے دل میں سما گئی اسلام کی بربادی کے لئے لاکھوں روپیہ کا صرف ہو رہا ہے۔ لیکن مخالفوں میں سے ایسا بہادر کھڑا نہ ہوا جو حضرت اقدس مرزا صاحب سے دس ہزار روپیہ وصول کرتا۔ سچی بات یہی ہے کہ اس اشتہار نے کل مخالفین کو ایک ایسا خدائی طمانچہ لگایا کہ جس کی چوٹ کو وہ تا زیست بھول نہیں سکتے۔ کیا مخالفین میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو دس ہزار تو جانے دو ایک ہزار کے لئے اسی طور کا اشتہار جاری کر سکے۔ وہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنے دین کا حق اور مقبول خدا ہونے پر وہ طمانیت اور وہ دلی تسکین حاصل نہیں ہے جو حضرت مرزا صاحب کو اسلام پر ہے۔ مخالفین اسلام میں مقبول ہونے کی وہ نشانیاں نہیں ہیں جو جناب پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی تابعداری کی بدولت امام زمان حضرت مرزا غلام احمد سلمہ الرحمٰن کو حاصل ہیں۔ حضرت نے دعوت کے پرچے ہر طرف روانہ کئے۔ لیکن کوئی مائی کا پوت زمان کا بچہ اس مقابلہ کے لئے ہرگز کھڑا نہ ہوا اور میں نہایت دلی اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہرگز ہرگز کھڑا نہیں ہو گا۔ اور جو کوئی کم بخت جی کڑا کر کے کھڑا بھی ہو گا۔ تو ایسی منہ کی کھائے گا کہ ہمیشہ کے لئے یادگار ہو جائے گا۔ کیا کوئی خدا کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی آرزو ہی رہی کہ کوئی مخالف اس آزمائش کے لئے میدان میں آتا۔ آئینہ کمالات میں سے چند اشعار اسی کے متعلق ہم یہاں پر درج کرتے ہیں ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں دین محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے — یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا — کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند — ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں — وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

جل رہے ہیں یہ سبھی بغضوں میں اور کینوں میں
باز آتے نہیں ہر چند ہٹایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

آج اِن نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے

مصطفےٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمد سے مری جان کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

موردِ قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم
جب سے عشق اس کا تہِ دل میں بٹھایا ہم نے

زعم میں ان کے مسیحائی کا دعویٰ میرا
افترا ہے جسے از خود ہے بنایا ہم نے

کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ
اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

نور دکھلا کے ترا سب کو کیا ملزم و خوار
سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

نقشِ ہستی تری الفت میں مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرہ تری راہ میں اڑایا ہم نے

تیرا میخانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا
خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتا ہے
تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے

دلبرا مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

بخدا دل سے مرے مٹ گئے غیروں کے نقش
جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے

دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے

ہم ہوئے خیرِ امم تجھ سے ہی اے خیرِ رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج
شورِ محشر ترے کوچہ میں مچایا ہم نے

یہ زمانہ ایک ایسی دجالیت کے زور شور کا زمانہ ہے کہ جس کی نظیر اس جہان کی تاریخ میں ملنی محال ہے۔ عقل انسانی دنیاوی معاملات میں بہت کچھ کامیاب ہونے کی وجہ سے ایسی مغرور ہو گئی ہے کہ جاننی ہے کہ دین کے کل اسرار

کو سمجھ جائے۔ ایک ایسا زور آور طوفان بے تمیزی پیدا ہوگیا ہے کہ اس نے ہزاروں لاکھوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔
یورپ میں غیب کی باتوں پر کچھ دھندلا سا ایمان تھا۔ وہ بھی اس طوفان کے آگے رخصت ہوگیا۔ جس کثرت سے منکر
خدا، منکر جنت و دوزخ منکر قیامت آج یورپ اور امریکہ میں پائے جاتے ہیں کسی ملک میں پائے نہیں جاتے۔ وہ
طوفان ہندوستان میں بھی آگیا، ہزاروں اس سے برباد ہوگئے۔ ہماری قوم کے بھی بڑے بڑے عقلا اس آفت
سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سر سید احمد خان صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی اس وحی کے قائل نہ رہے جو آسمان سے اترتی
ہے اور اپنے اندر خدائی طاقت و جلال رکھتی ہے وہ کہتے ہیں کہ وحی کو علوم غیبیہ سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ سر
سید احمد خان صاحب وحی و الہام کو بلکہ شاعری وغیرہ کی طرح ایک ملکہ سمجھتے ہیں ان کے خیال میں پیغمبروں کو کچھ
ایسی فطرتی مناسبت ہوتی ہے کہ مذہبی خیالات ان کو سوجھتے ہیں۔ تہذیب الاخلاق کو جن لوگوں نے غور سے
پڑھا ہوگا وہ خوب جانتے ہیں کہ سر سید احمد خان قرآن کو مثل تہذیب الاخلاق کے ایک تصنیف سمجھتے ہیں،
جس کے مصنف (معاذ اللہ منہا) حضرت رسول اکرم صلعم تھے۔ سید صاحب کی تحریروں سے یہ باتیں ٹپکتی ہیں
گو کھلا اقرار نہیں ہے لیکن جسٹس امیر علی اپنی کتاب لائف اوف محمدؐ کے صـ۱۹۵ کے نوٹ نمبر ۲ میں اس کا کھلا کھلا
اقرار کرتے ہیں کہ قرآن مجید (معاذ اللہ منہا) حضرت کی تصنیف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جیوں جیوں آنحضرت صلعم کے
خیالات میں ترقی ہوتی گئی اسی طرح قرآن کے مضامین میں بھی وسعت و بلند نظری پائی جاتی ہے جب ایسے ایسے
جلیل القدر مسلمانوں کے عقائد کی یہ حالت ہے تو اسی سے سمجھنا چاہیئے اور دوسرے صاحبان جو اسی رنگ
میں رنگے گئے ہوں گے ان کے خیالات کیسے ہیں جو زمانہ کے رنگ کو کچھ بھی سمجھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ
یورپ سے جو طوفان آیا ہے اس کا رد کرنا صرف خفا ہونے اور طوطے کی طرح لاحول پڑھنے سے نہیں ہوسکتا یہ زمانہ
عقلی دلائل فلسفی خیال کے ایسے دور کا ہے کہ صرف قصے کہانی کے کہنے والے ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اگر
عقلی دلائل سے اس عقلی طوفان کا مقابلہ کرنا چاہا ہو تو لیت ہی کمزوروں کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے دلائل عقلی کیسے
ہی زور آور ہوں صرف امکان کے دروازہ تک پہنچ سکتے ہیں یقینی و تشفی تام نہیں دلا سکتے تو کیا اس دجالیت
و گمراہی کے گھنگھور طوفان کے مقابل میں کوئی حقانی کوئی روحانی طوفان کے پیدا ہونے کی ضرورت حقہ پیدا
نہیں ہوئی؟ کیا ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے پیدا ہونے کا وعدہ نہیں ہوا تھا؟ کیا اللہ پاک نے وعدہ نہیں
فرمایا تھا کہ ہم دین اسلام کی حفاظت کرینگے دین عیسوی دین موسوی دین ہنود و بدھ مذہب اس طوفان بے تمیزی
کے زد سے ڈر جائے لیکن دین اسلام اللہ جلشانہٗ کے خاص فضل و عنایت کی آہنی دیواروں میں محفوظ ہے وہ طوفان
سے مٹے گا نہیں بلکہ طوفان ہی کو مٹا چھوڑے گا! الحمد للہ اللہ پاک نے اس مجدد کو پیدا کیا جس کی ضرورت حقہ
پیدا ہوگئی تھی، اس دجالیت کے دور کرنے کیلئے ایک نور خدا کی ضرورت تھی الحمد للہ اس نور مجسم کو اللہ جلشانہٗ
نے محض اپنے فضل سے ظاہر کیا اس ہادی و مہدی مسیح دم نے ظاہر ہو کر للکار کر سارے جہان کو
یہ خدا سنادی کہ حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری متابعت کی وجہ سے آج مجھ کو مرتبہ

مکالمہ الٰہی نصیب ہے اور یہ ایک زندہ برکت اسلام کی ہے جس کا جی چاہے آزمالے۔ بیشک الہام کا ذریعہ ثبوت دین کی حقانیت کی یقینی وقطعی دلیل ہے اگر اللہ پاک کسی بندے سے کلام کر سکتا ہے اور اپنے کلام کو ہوتا دکھا بھی سکتا ہے تو سچے حق کے متلاشی کیلئے اور کیا چاہیئے۔ براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴ از صفحہ ۲۰۳ لغایت صفحہ ۲۴۷ اس قابل ہے کہ سچا محقق جس کے دل میں خلوص ہے اس کو غور سے پڑھے اور دیکھے کہ اللہ اپنے پیارے بندوں سے اس دین متین کی خوبی ظاہر کرنے کیلئے کیسی کیسی عنایتیں کھلے طور پر کرتا ہے اور کھلی کھلی نشانیاں بھی کیسی جن کے دیکھنے والے جن کے شاہد نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کے سخت مخالف ممبران آریہ سماج روح القدس۔ روح القدس جس کو عیسائی بہت جپ کرتے تھے معلوم ہوا کہ وہ ان نام کے عیسائیوں کے پاس نہیں ہے۔ سارے جہان کے پادریوں کو مقابلہ کے لئے حضرت اقدس مرزا صاحب بلاتے رہے کوئی مقابلہ کو نہ آیا۔ اخبار نور افشاں (برعکس نہند نام زنگی کافور) میں چند پادریوں نے چھپوایا کہ ہم ایک جلسہ میں ایک لفافہ بند پیش کریں گے۔ اس کا مضمون الہام کے ذریعہ سے ہم کو بتلایا جائے۔ حضرت اقدس کی طرف سے یہ درخواست ان کی اس شرط پر منظور ہوئی کہ ایسی کھلی نشانی دیکھنے کے بعد بلا توقف دین اسلام قبول کریں۔ پھر پادری صاحبوں نے دم بھی نہ کیا اور چپکی اختیار کر لی۔ اگر حق کے طالب ہوتے تو خوف کس کا تھا۔ لیکن نہیں دین اسلام قبول کرنے میں وہ ترنگیہ کہاں سے ہاتھ آتا۔

حوصلہ کی بلندی نمبر ۲

جب کسی قوم کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں پھر اس قوم کا درست ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ تصور اور خیال کو کارخانۂ انسانی میں بہت بڑا دخل ہے جب کسی مریض اسی خیال کو پختہ کر لیتا ہے کہ اب وہ صحیح وتندرست نہیں ہوگا پھر اس کا تندرست ہونا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض وقت انسان تاریکی میں لکڑی کو جن سمجھ لیتا ہے پھر تصور وخیال کو یہاں تک دخل ہے کہ وہی لکڑی اسکو جن وحرکت کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھی وہ اس بیجان لکڑی سے باتیں بھی سننے لگتا ہے۔ تصور کو انسانی معاملات میں کہاں تک دخل ہے اس کا پورا اندازہ ابھی تک نہیں ملا۔ جرمنی میں ڈاکٹروں کے درمیان اس امر کا نزاع واقع ہوا کہ آیا انسان صرف خیال کے ذریعہ سے مر سکتا ہے یا نہیں چنانچہ ڈاکٹروں کا وہ گروہ جو خیال سے موت کا قائل تھا گورنمنٹ سے ایک قیدی کو درخواست دے کر لے گیا جس کو دوسرے دن پھانسی کا حکم ہو چکا تھا۔ قیدی کو موت کی خبر سنائی گئی اور کہا گیا کہ تم کو کل پھانسی سے ضرور مرنا ہے۔ لیکن ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ تمہارے دونوں ہاتھوں کا فصد کھول دیا جائے آہستہ آہستہ خون نکل جائے گا اور بہت ہی عافیت کے ساتھ تمہاری جان نکل جائے گی کیا تم کو منظور ہے۔ قیدی نے اس کو منظور کیا۔ چنانچہ دوسرے دن ایک بڑے عالی شان کمرے میں اس قیدی کو سرکاری نوکر بڑی حفاظت سے لے گئے۔ یہاں دونوں خیال کے ڈاکٹر جمع تھے۔ قیدی سے کہا گیا کہ فصد کھولتے ہوئے دیکھ کر تم کو ایذا ہوگی۔ اس لئے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز ہوئی ہے۔ اس نے اس کو منظور کیا۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر دی

کو ایک پنچ پر دراز کیا گیا۔ اور دو لوہے کے ٹکڑوں کو گرم کر کے دونوں ہاتھوں کی رگوں کو چھلا دیا گیا۔ قیدی کو معلوم ہوا کہ فصد کھل گیا۔ تھوڑا سا پانی جو اس قدر گرم تھا کہ جتنا زندہ انسان کا خون گرم ہوتا ہے۔ داغی ہوئی جگہوں سے ٹپکا دیا گیا۔ تاکہ قیدی کو معلوم ہو کہ خون ہاتھوں سے ٹپکتا بھی ہے۔ اب اس بڑے کمرے میں سب خاموش تھے۔ تصور جمانے والے ڈاکٹران آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے تھے کہ اب پاؤ سیر اب آدھ سیر علی ہذا خون نکل چکا۔ اب چہرے کی رنگت زرد ہوتی جاتی ہے۔ اب سانس میں بھی تغیر واقع ہو گیا۔ اب کئی منٹ کی دیری ہے۔ اب مر جائے گا۔ ان سب باتوں کا اس مجرم پر ایک ایسا زور آور اثر ہوا کہ حقیقت میں اس میں تغیر ہونے لگا۔ اور کئی گھنٹوں کے بعد سچ مچ وہ مر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ گو نہ اس کے جسم میں ایک زخم ہوا اور نہ ایک قطرہ خون نکلا۔ غرض خیال اور تصور کا بہت ہی زور آور اثر ہے۔

پس جب کسی قوم کے افراد میں وجوہات عملی یا وجوہات خیالی سے یہ خیال بندھ جاتا ہے کہ وہ قوم اب ترقی نہیں کر سکتی تو اس وقت اس قوم کی دینی و دنیاوی ترقی میں بڑی دقت پڑ جاتی ہے۔ اگلے زمانہ میں مسلمانان ہند کے دلوں میں یہ حوصلے تھے کہ وہ وزیر اعظم، سپہ سالار اور دوسرے بڑے بڑے دنیاوی اعزاز کے عہدوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ تو اس بلند حوصلگی کی وجہ ان کی ہمتیں بلند اور کوششیں زبردست تھیں۔ در زمانہ حال میں چونکہ انگریزی تعلیم سے اکثر مسلمانوں کو نفرت ہے اس لئے اکثر عربی مدرسوں کے طلباء کا یہی حوصلہ ہوتا ہے کہ ضرور بالضرور پڑھ لکھ کر کسی مسجد کے پیش امام ہو جائیں گے ورنہ مؤذن کا عہدہ تو ہاتھ سے نہ جاوے گا۔ اور اگر بفرض محال دونوں عہدے ہاتھ سے نکل گئے تو بھیک کی ٹھکری تو کہیں نہیں گئی۔ جس قوم کے افراد کے حوصلے ایسے بلند ہوں ان کی ہمتوں اور کوششوں کو کیا کہنا ہے۔ ملک امریکہ میں ہر نوجوان کے دل میں یہی حوصلہ ہوتا ہے کہ ایک دن ضرور وہ سلطنت امریکہ کا پریسیڈنٹ[1] ہوگا؛

[1] ملک امریکہ میں جمہوری سلطنت ہے۔ لائق آدمیوں کو انتخاب کر کے ممبران جلسہ انتظام سلطنت چلاتے ہیں۔ پھر ان ممبروں میں سے ایک جو سب سے زیادہ لائق ہے۔ صدر جلسہ یا پریسیڈنٹ مقرر کیا جاتا ہے۔ پریسیڈنٹ کا رتبہ شاہان یورپ کے برابر ہوتا ہے۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس امریکہ۔ منہ

دو مفید کتابیں "اصحابِ احمدؓ"....

رقم فرمودہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

"اس وقت جماعتِ احمدیہ کے دو مخلص دوست سلسلہ کے متعلق دو کتابیں لکھ کر شائع کر رہے ہیں۔ ایک کتاب کا نام **اصحابِ احمدؓ** ہے۔ جو ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان لکھ رہے ہیں۔ اور اس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اور باقی زیر تصنیف ہیں...... کتابیں اصولی طور پر بہت مفید اور ضروری معلومات پر مشتمل ہیں۔

اصحابِ احمدؓ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص خاص صحابہ کے روح پرور حالات درج ہیں۔ جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام شناخت کی طرف رہنمائی ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کیا کیا نشانات دیکھے اور ان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کیسا مخلصانہ اور فدائیانہ تعلق تھا اور کیا کیا نیک اوصاف ہیں۔ جن کی جماعت کو اقتداء کرنے اور ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی ضرورت ہے...... میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست ان ہر دو کتابوں کی اشاعت میں حصہ لے کر نہ صرف اپنے ایمانوں میں روشنی اور جلا پیدا کرنے کی کوشش کریں گے بلکہ غیر از جماعت اصحاب بھی ان کی اشاعت کر کے انہیں ان روحانی خزائن سے متمتع ہونے کا موقع دیں گے۔ جن کا اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے ذریعہ دروازہ کھولا گیا ہے۔"

(الفضل مورخہ ۲/۹)

لاہور آرٹ پریس - ۱۵ انار کلی - لاہور